مجددی عقائد و نظریات

از

فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری



حامد اینڈ کمپنی ○ ۳۸۔ اردو بازار لاہور ۲

ہدیہ

زینت القراء صاحب

قاری محمد یوسف سیالوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجددی عقائد و نظریات

مؤلفہ

عبدالحکیم خاں اختر
مجددی مظہری شاہجہانپوری ○ لاہور

حامد اینڈ کمپنی ◎ ۳۸۔ اُردو بازار ○ لاہور

نام کتاب ـــــــ مجددی عقائد و نظریات

مصنف ـــــــ اختر شاہجہان پوری مظہری

کتابت ـــــــ دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ (ضلع گوجرانوالہ)

پروف ریڈنگ ـــــــ اختر شاہجہان پوری

اشاعت ـــــــ سنہ ۱۴۱۰ھ / سنہ ۱۹۹۰ء

مطبوعہ ـــــــ رومی پبلیکشنز اینڈ پرنٹرز

ناشر ـــــــ حامد اینڈ کمپنی ۳۸- اردو بازار لاہور

قیمت ـــــــ

RS69 / 00

انتساب

احقر اس کاوش کو بصد ادب واحترام اور پوری عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے ولیٔ نعمت، مرشد برحق، سابق مفتیٔ اعظم دہلی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) کے مخدوم ومحسن اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی زیب وزینت حضرت مولانا شاہ محمد رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) کی جانب منسوب کرتا ہے۔

اختر شاہ جہان پوری مظہری عفی عنہ

فہرست

تلقینِ ذکرِ الٰہی

(از رشحاتِ قلم حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)

ہر روز باشی صائماً ، ہر لیل باشی قائماً
در ذکر باشی دائماً ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

گر عیش خواہی جاوداں ، عزت بخواہی در جہاں
ایں ذکرِ ہُو ہر آں بخواں ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

سُوئے مزار خفتنت ، ناچار باید رفتنت
در گور تنہا ماندنت ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

ہُو ہُو بذکرش ساز کن ، نامِ خدا آغاز کن
قفل ز سینہ باز کن ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

علم بخوانی با عمل ، فردا نہ باشی تا خجل
در پیش قادر لم یزل ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

ہر دم خدا را یاد کن ، دلہائے غمگین شاد کن
بلبل صفت فریاد کن ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

مسکین احمد مرد شو ، در جملۂ عالم فرد شو
در راہِ حق چوں گرد شو ، مشغول شو در ذکرِ ہُو

حضرت مجدد الف ثانی

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کی نظر میں)

لَقَدْ جَرَتْ عَلَى الْإِمَامِ قُدِّسَ سِرُّهُ سُنَّةُ اللّٰهِ وَعَادَتُهُ فِيْ أَنْبِيَائِهِ مِنْ قَبْلُ بِإِيْذَاءِ الظَّلَمَةِ وَالْمُبْتَدِعِيْنَ وَإِنْكَارِ الْفُقَهَاءِ الْمُتَقَشِّفِيْنَ وَذٰلِكَ لِيَزِيْدَ اللّٰهُ فِيْ دَرَجَاتِهِ وَيُلْحِقَ بِهِ الْحَسَنَاتِ مِنْ بَعْدِ وَفَاتِهِ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا فَاجِرٌ شَقِيٌّ۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت وہی جاری ہوئی جو اس سے پہلے انبیائے کرام کے متعلق جاری رہی کہ ظالموں اور مبتدعین نے انھیں ایذاء پہنچائی اور ظاہر بین فقہاء نے ان کا انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرے اور وفات کے بعد ان کی نیکیوں میں اضافہ ہو، نہیں محبت کرے گا ان سے مگر مومن پرہیزگار اور نہیں بغض رکھے گا ان سے مگر فاجر بدبخت

(حاشیہ مکتوبات امام ربانی عربی)۔ (ترجمہ انا اختر شاہ جہان پوری)

شیخ مجدّد کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت

از

(شاعرِ مشرق ، ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹی ، لاہوری)

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

لہ محمد اقبال ، شاعرِ مشرق ؛ بالِ جبریل ، مطبوعہ لاہور ، ص ۲۱۱

ایضاً

لا اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
تین سو[2] سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

۲؎ محمد اقبال، شاعرِ مشرق ، بالِ جبریل ، مطبوعہ لاہور ، ص ۱۷

منقبت

(از احقر العباد ، بندۂ ناچیز ، اختر شاہ جہان پوری مظہری عفی عنہ)

۱۔ مرے دل میں محبت ہے مجددِ الف ثانی کی
مرا توشۂ عقیدت ہے مجدد الف ثانی کی

۲۔ خوشا قسمت جو یہ سرہند سے پیغام آ جائے
نہ گھبرا تجھ پہ شفقت ہے مجدد الفِ ثانی کی

۳۔ جہانگیری نہ جس کو کر سکی خم سامنے اپنے
فقط وہ استقامت ہے مجددِ الف ثانی کی

۴۔ نہ بدلے آپ سارے ملک کی قسمت بدل ڈالی
یہ محکم عزم و ہمت ہے مجددِ الف ثانی کی

۵۔ وہ نکلے جامۂ الفقر فخری زیبِ تن کر کے
اسی دم خم سے عزت ہے مجددِ الف ثانی کی

۶۔ کٹھن حالات میں احیائے دینِ مصطفیٰ کرنا
بڑی سب سے کرامت ہے مجددِ الف ثانی کی

۷۔ جو مکتوبات کو دیکھا تو یوں اہلِ نظر بولے
یہ محنت بیش قیمت ہے مجددِ الف ثانی کی

۸۔ سمجھ لے کوئی گراں کو تو ہیں یہ مرشدِ کامل
وہ مکتوبات دولت ہے، مجدّدِ الف ثانی کی

۹۔ جو تن من دھن خدا کی راہ میں قربان کر ڈالے
تو دنیا بھر میں شہرت ہے، مجدّدِ الف ثانی کی

۱۰۔ مقامِ غوثِ اعظم تو ملا ہے شاہِ جیلاں کو
مگر شاملِ نیابت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۱۔ یہ نائب غوثِ اعظم کے، یہ سلطانِ ولایت ہیں
نرالی شان و شوکت ہے، مجدّدِ الف ثانی کی

۱۲۔ کہیں گے حضرتِ مہدی رضی اللہ عنہ ان سے
مجھے حاصل یہ نسبت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۳۔ ڈھلے وہ اتباعِ سنتِ نبوی کے سانچے میں
مبارک خود خصلت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۴۔ مرے سرکار کو بدعت سے تھی پیدائشی نفرت
بڑی پُر نور فطرت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۵۔ رہے معروف وہ حقانیت کی سربلندی میں
یہی مشہور عادت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۶۔ کہا مرشد نے ہم تارے تو یہ مہرِ درخشاں ہیں
گماں سے دُور رفعت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۷۔ کسی گمراہ فرقے سے نہیں ان کا تعلق تھا
جماعت اہلِ سنت ہے مجدّدِ الف ثانی کی

۱۸۔ رہے اہلِ نظر بھی اس کے ہیں ادراک سے عاجز

بڑی بے کیف نسبت ہے مجددِ الف ثانی کی

۱۹۔ حق و باطل میں پھر تفریق مشکل ہوتی جاتی ہے
زمانے کو ضرورت ہے مجددِ الف ثانی کی

۲۰۔ وہ جس کے روئے انور سے اندھیرے بھاگ نکلے تھے
بسی ہر دل میں صورت ہے مجددِ الف ثانی کی

۲۱۔ یہی ہیں نقشبندی آسماں کے نیرِ تاباں
بڑی ہی قدر و قیمت ہے مجددِ الف ثانی کی

۲۲۔ وہ حق کی سربلندی کے لیے دنیا میں آئے تھے
یہ کتنی پاک سیرت ہے، مجددِ الف ثانی کی

۲۳۔ جن اسرار و معارف سے اٹھایا آپ نے پردہ
وہی تو خاص قسمت ہے، مجددِ الف ثانی کی

۲۴۔ جدھر دیکھو جہاں میں فیض ہے سرہند کا جاری
ہوئی بارانِ رحمت ہے، مجددِ الف ثانی کی

۲۵۔ مزاران کا زمینِ ہند میں ہے چشمۂ حیواں
گلی گلزارِ جنت ہے مجددِ الف ثانی کی

۲۶۔ قیامت تک پھلا پھولا رہے سرہند کا گلشن
انوکھی ہی یہ منبت ہے، مجددِ الف ثانی کی

۲۷۔ وہ اختر کر گئے ہیں گھر دلوں میں اہلِ ایماں کے
یوں باطن پر حکومت ہے مجددِ الف ثانی کی

اہم واقعات ایک نظر میں

۱۔ ۱۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء کو اکبر کے تخت نشین ہونے کا اعلان کیا گیا۔

۲۔ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سرہند میں پیدائش ہوئی۔

۳۔ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء کو راجہ بہاری مل کی بیٹی کے بطن سے جہانگیر کی پیدائش ہوئی۔

۴۔ ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء میں مشہور قادری بزرگ شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۵۔ ۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء کو حضرت مجددؒ نے علوم عقلیہ ونقلیہ میں سندِ فراغ حاصل کی۔

۶۔ ۹۹۳ھ / ۱۵۸۴ء کو آپ پہلی مرتبہ اکبر آباد (آگرہ) تشریف لے گئے۔

۷۔ اسی سال راجہ بھگوان داس کی بیٹی کے ساتھ جہانگیر کی شادی ہوئی۔

۸۔ ۹۹۴ھ / ۱۵۸۶ء کو حضرت مجددؒ نے رسالہ اثبات النبوۃ تصنیف فرمایا۔

۹۔ ۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء میں حضرت مجدد الف ثانی کی شادی خانہ آبادی ہوئی

۱۰۔ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء میں آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق کی ولادت ہوئی

۱۱۔ ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء میں کوائف مذہب شیعہ کے تاریخی نام سے روافض کا رد دیکھا

۱۲۔ اس سال سواطع الالہام کے نام سے فیضی نے اپنی تفسیر قرآن مکمل کی ۔

۱۳۔ ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء میں ابوالفیض فیضی کا انتقال ہوگیا

۱۴۔ ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء میں آپ کے دوسرے فرزند خواجہ محمد سعید کی ولادت ہوئی ۔

۱۵۔ ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء میں آپ کے والد محترم خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا

۱۶۔ اسی سال آپ کے تیسرے فرزند اور جانشین خواجہ محمد معصوم کی ولادت ہوئی

۱۷۔ ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء میں پہلی مرتبہ دہلی تشریف لائے اور خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوکر انتہائی کمال حاصل کرلیا ۔

۱۸۔ اسی سال شاہ سکندر کیتھلی نے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۱ھ / ۱۱۶۴ء) کا خرقہ خلافت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا ۔

۱۹۔ ۱۰۰۹ھ / ۱۶۰۰ء میں آپ دوسری دفعہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ۔

۲۰۔ ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء میں آپ نے رسالہ تہلیلیہ تصنیف فرمایا

۲۱۔ اسی سال آپ کے چوتھے فرزند خواجہ محمد فرخ کی ولادت ہوئی ۔

۲۲۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست خاص سے آپ کو خلعت قیومیت پہنائی ۔

۲۳۔ اسی سال اکبر کو گمراہ کرنے والے ابوالفضل علامی کو قتل کروا یا گیا تھا ۔

۲۴۔ ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء میں آپ تیسری دفعہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی

بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

۲۵۔ اسی سال ۲۵ر جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۲۶۔ وصالِ خواجہ کے وقت آپ لاہور میں تھے۔ خبر سنتے ہی فوراً تعزیت کی غرض سے چوتھی دفعہ دہلی گئے۔

۲۷۔ ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء میں اپنے پیرو مرشد خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں شمولیت کی غرض سے آپ پانچویں مرتبہ دہلی تشریف لے گئے۔

۲۸۔ غالباً اسی سال آپ نے شرح رباعیات نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا۔

۲۹۔ ۱۷ر جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء کو اکبر بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

۳۰۔ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء میں آپ نے شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے سرفراز کر کے تبلیغ دین کے لیے ان کے وطن میں واپس بھیج دیا۔

۳۱۔ اسی سال مولانا صالح کولابی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت دے کر طالقان میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا۔

۳۲۔ اسی سال مولانا قاسم علی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت دے کر ماوراء النہر میں تبلیغِ دین کے لیے بھیجا۔

۳۳۔ اسی سال شیخ یوسف اور شیخ حسن رحمۃ اللہ علیہما کو خلافت سے سرفراز کیا گیا۔

۳۴۔ اسی سال خراسان، بدخشاں اور توران کے ہزاروں افراد اور کتنے ہی علماء و مشائخ حاضرِ بارگاہ ہو کر آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہوئے۔

۳۵۔ ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء میں شیخ طاہر بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے سرفراز کیا گیا۔

۳۶۔ غالباً اسی سال رسالہ معارفِ لدنیہ تصنیف فرمایا گیا۔

۳۷۔ ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء میں آپ کے پانچویں فرزند خواجہ محمد عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

۳۸۔ ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء میں خواجہ میر نعمان کو خلافت سے سرفراز کرکے دکن میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا۔

۳۹۔ ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء میں خواجہ محمد اشرف کابلی اور شیخ میرک رحمۃ اللہ علیہما جیسے مشائخ بھی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے تھے۔

۴۰۔ غالباً اسی سال آپ کے رسالہ مبداء ومعاد کی تدوین ہوئی تھی۔

۴۱۔ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء میں خواجہ عبدالرحمن بدخشی اور شیخ بدخشی رحمۃ اللہ علیہما جیسے مشائخ بھی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے تھے۔

۴۲۔ ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء میں اپنے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے سرفراز کیا۔

۴۳۔ ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶۷ھ / ۱۶۴۷ء) جیسا نابغہ عصر عالم بھی آپ کے ارادتمندوں میں شامل ہو گیا۔

۴۴۔ اسی سال شیخ حمید رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے نواز کر تبلیغِ دین کرنے کی خاطر بنگال بھیجا۔

۴۵۔ اسی سال بہت سے جنات نے اپنے بادشاہ سمیت آپکے دستِ حق پرست پر بیعت کی

۴۶۔ ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء میں مشہور قادری بزرگ شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۴۷۔ ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں آپ کے ساتویں فرزند خواجہ محمد یحییٰ کی

ولادت ہوئی۔

۴۸۔ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں سید مرتضیٰ بخاری گورنر لاہور کا وصال ہوا۔

۴۹۔ اسی سال، ربیع الاول کو آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد عیسیٰ کا مرض طاعون سے وصال ہوا۔

۵۰۔ ان سے چند گھنٹے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد فرخ کا اسی مرض سے وصال ہوا۔

۵۱۔ اسی سال اسی مرض سے آپکی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا وصال ہوا۔

۵۲۔ اسی سال اسی مرض سے آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۵۳۔ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء کو مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات امام ربانی کا دفتر اول مرتب کیا جس میں ۳۱۲ مکتوبات ہیں۔

۵۴۔ ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء میں مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو ستر آدمی دیکر ترکستان میں تبلیغ دین کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

۵۵۔ ۱۰۲۶ھ/ ہی میں مولانا فرخ حسین رحمۃ اللہ علیہ کو چالیس آدمی دے کر عرب، یمن، شام اور روم میں تبلیغ دین کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

۵۶۔ اسی سال مولانا محمد صادق کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو دس آدمیوں کا نگران بناکر کاشغر بھیجا گیا۔

۵۷۔ اسی سال شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ کو تیس خلفاء سمیت تبلیغ دین کیلیے توران، بدخشان اور خراسان بھیجا گیا۔

۵۸۔ ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء میں شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو شاہی لشکر میں تبلیغ دین پر مامور فرمایا۔

۵۹۔ ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء میں مولانا عبدالحی حصاری رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات امام ربانی کے دوسرے دفتر کو نورالخلائق کے تاریخی نام سے مرتب کیا۔ اس دفتر میں ۹۹ مکتوبات ہیں۔

۶۰۔ اسی سال ۱۰۲۸ھ میں سرمایہ ملت کے اس نگہبان کو گوالیار کے قلعے میں محبوس کر دیا گیا۔

۶۱۔ ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء میں تقریباً ایک سال کے بعد آپ کو رہا کر کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا۔

۶۲۔ ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء میں خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات امام ربانی کے تیسرے دفتر کو معرفت الحقائق کے تاریخی نام سے مرتب کیا۔

۶۳۔ ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء میں وصال سے تقریباً ایک سال پہلے آپ نے پابندی سے رہائی حاصل کی۔

۶۴۔ ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء کو سرمایۂ ملت کے اس عدیم المثال نگہبان کا وصال ہوا۔

۶۵۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء کو لاہور میں جہانگیر کا انتقال ہوا۔

۶۶۔ ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کا وصال ہوا۔

۶۷۔ اسی سال ۱۰۴۰ھ میں مولانا شیخ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۶۸۔ ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، جو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔

۶۹۔ ۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۲ء میں خواجہ محمد صدیق کشمی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۷۰۔ ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء میں آپ کے خواجہ تاش، خاتم المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی میں وصال ہوا۔ جن کا وجود ملتِ اسلامیہ کے لیے قدرت کے انعامات میں سے تھا۔

۷۱۔ ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء میں آپ کے خلیفہ اجل شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۷۲۔ ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء میں آپ کے نامور خلیفہ شیخ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ جنھوں نے مکتوبات امام ربانی کے دفتر سوم کو مرتب کیا تھا۔

۷۳۔ ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء میں آپ کے خلیفہ اجل میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ کا وصال ہوا۔

۷۴۔ ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۷ء میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عبقری کا وصال ہوا۔

۷۵۔ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء میں شاہ جہان بادشاہ نے وفات پائی۔

۷۶۔ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء میں شاہ جہان کے بڑے بیٹے دارا شکوہ نے وفات پائی۔

۷۷۔ اسی سال ۱۰۷۰ھ میں آپ کے دوسرے فرزند خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔

۷۸۔ ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء میں خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ خورد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۷۹۔ ۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء کو حضرت مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے فرزند اور جانشین خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

۸۰۔ ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴ء میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتویں فرزند خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ جن کی عمر اپنے والدِ محترم کے وصال کے وقت صرف دس سال تھی۔

گدائے درِ اولیاء!
عبدالحکیم خاں اختر، مجددی مظہری شاہجہانپوری
لاہور

۴ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ
مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۷ء

حرفِ آغاز

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّابَعْد:۔ یہ ناچیز اپنی اس ناقابلِ ذکر کاوش کے شروع میں برکت حاصل کرنے کی غرض سے سیدی وسندی، مرشدی ومولائی، سابق مفتی اعظم دہلی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) کی مقدس نشانی اور اپنے مخدوم ومحترم یعنی گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ) کے پرنسپل جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی کی تالیف سیرت مجدد الف ثانی سے چند اقتباسات یہاں بطور دیباچہ پیش کرتا ہے تاکہ ایک جانب ان پاکیزہ سطور اور تحقیق وتطہیر میں ڈھلے ہوئے الفاظ سے اس مقالے کو زینت ملے اور دوسری جانب شاید اس سراپا معصیت انسان کو اللہ رب العزت کے اس مقبول بندے اور اہل اللہ کی منہ بولتی تصویر کے ساتھ "من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی" والی سعادت میں سے کوئی حصہ حاصل ہوجائے کیونکہ ؎

ہوتا رہے اختر کا اسی در سے گزارا
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

(۱) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا شجرۂ نسب ۲۹ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے یہ شجرۂ مبارکہ اس ترتیب سے ہے:۔ شیخ احمد[1] بن

---

[1] ڈاکٹر قیام الدین احمد نے سید احمد لکھا ہے جو صحیح نہیں (ہندوستان میں وہابی تحریک مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ ص ۴۷ مسعود)

شیخ عبدالاحد[1] بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ (واعظ الاصغر) بن شیخ عبداللہ (واعظ الاکبر) بن شیخ عبدالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر[2] بن شیخ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

---

[1] مصطفیٰ صبری نے احمد بن عبداللہ لکھا ہے (موقف العقل العلم والعالم جلد اول ص ۶۹ ۱۳ھ ۱۹۴۹ء) یہ بھی صحیح نہیں۔ نظامی بدایونی نے شیخ عبدالاحد کی بجائے شیخ عبدالوحید لکھا ہے (قاموس المشاہیر مطبوعہ بدایوں جلد اول ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء، مسعود)

[2] حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۵۴ھ) نے ناصر بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب لکھا ہے (زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) لیکن دوسرے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ نے ناصر کی بجائے سالم لکھا ہے (حضرات القدس مطبوعہ لاہور) آریانا دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار نے ان دونوں خلفاء کے بیانات کی تطبیق کرتے ہوئے لکھا ہے احتمال یہی ہے کہ سالم، ناصر کا لقب ہوگا کیونکہ حضرت عبداللہ کی صلبی اولاد میں یہ نام ملتا ہے (جلد دوم مطبوعہ کابل ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء ص ۵۱۲) لیکن ابن حزم اندلسی (المتوفی ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴م) نے جمہرۃ الانساب میں شیخ ناصر کے والد شیخ عبداللہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند قرار نہیں دیا بلکہ اس طرح لکھا ہے:۔
عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ (بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی مولفہ شاہ زوار حسین مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء ص ۲۰) فاضل جامعہ ازہر حضرت زید ابوالحسن مدظلہ العالی (سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ دہلی) کی تحقیق بھی یہی ہے جس کا اظہار موصوف نے ایک ملاقات میں فرمایا تھا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صاحب زبدۃ المقامات نے عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سمجھ کر شجرہ یہیں ختم کر دیا، مسعود)

حضرت مجدد کے بعض اجداد کے متعلق کتب سوانح و سیر سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں مثلاً شاہ محمد فضل اللہ علیہ الرحمۃ[۱] (المتوفی ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء) نے حضرت مجدد کے چودہویں جد کے متعلق تحریر فرمایا ہے :۔ حضرت مجدد کے چودہویں جد سلطان شہاب الدین المعروف بہ فرخ شاہ کابلی والیٔ کابل[۲] تھے۔ آپ نے کئی بار ہندوستان پر لشکر کشی کی (غالباً محمود غزنوی کے ہمراہ ۳۹۱ھ / ۱۰۰۰ء اور ۴۱۵ھ / ۱۰۲۴ء کے درمیان[۳]) اور کفار سے جہاد کیا بتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کا بول بالا کیا بار ہا بکثرت مال غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ ہندوستان سے لوٹے آخر میں ترک سلطنت کر کے فقر اختیار کیا اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے کوہستان کابل میں سکونت اختیار کی بندگان خدا کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے رہے اور یہیں انتقال فرمایا۔ شیخ ضیاء الحق علیہ الرحمۃ نے یہاں خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی آجکل یہ مقام درہ فرخ شاہ کے نام سے مشہور ہے۔[۴]

۱۔ حضرت شاہ محمد فضل اللہ علیہ الرحمۃ عارف کامل اور متبحر عالم تھے۔ ۱۱۹۴ھ / ۱۷۷۰ء میں ولادت ہوئی اور ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء میں وصال فرمایا۔ سلسلہ نسب سات واسطوں سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے۔ قندھار کے وسط میں درگاہ حضرت جی صاحب کے قریب آپ کا مزار مبارک ہے (مسعود)

۲۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے حضرت فرخ شاہ کابلی کے متعلق لکھا ہے، وے از اجلہ امراء و اعاظم وزراء سلاطین کابل بودہ نخستین نزیل ہندوستان اوست کہ از غزنہ و کابل بدیار ہند آمدہ و نبیس و حال موز قبیلہ راکہ بوے منسوب است کابلی خوانند (زبدۃ المقامات ص ۸۸، ۸۹)

۳۔ محمد قاسم ہندو شاہ، فرشتہ: تاریخ فرشتہ جلد اول مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۲ء

۴۔ محمد فضل اللہ شیخ: عمدۃ المقامات مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء، ص ۹۹

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کے پانچویں جد حضرت امام رفیع الدین کے متعلق لکھا ہے: ۔ حضرت مجدد کے پانچویں جد امام رفیع الدین شیخ جلال الدین بخاری (المتوفی ۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء) کے مرید اور خلیفہ تھے اپنے مرشد کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے جب یہ دونوں حضرات موضع سرائس پہنچے جو سرہند شریف سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر ہے تو وہاں کے باشندوں نے درخواست کی کہ آپ دہلی رونق افروز ہوں تو سلطان فیروز تغلق (المتوفی ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) سے فرمائیں کہ سرائس سے سامانہ آنے والوں کے لیے راستہ پرخطر ہے جنگل میں وحشی درندے ہیں اس لیے ان دونوں موضعوں کے درمیان ایک شہر آباد کر دیا جائے تاکہ جو لوگ سامانہ سے مالیانہ جمع کرانے سرائس آنا چاہیں تو ان کو تکلیف نہ ہو۔ سلطان فیروز شاہ تغلق حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کا مرید تھا آپ نے سرائس والوں کی سفارش فرما دی ۔ چنانچہ سلطان وقت نے حضرت مجدد کے پانچویں جد شیخ امام رفیع الدین علیہ الرحمۃ کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ وہ جا کر اس مقام پر شہر آباد کریں ۔ خواجہ موصوف دو ہزار سوار لے کر وہاں پہنچے اور وہاں ایک قلعے کی تعمیر شروع کر دی لیکن یہ عجیب حادثہ پیش آیا کہ ایک دن میں جتنا قلعہ تعمیر کیا جاتا دوسرے دن وہ سب منہدم ہو جاتا ۔ حضرت جلال الدین بخاری کو جب اس حادثہ کا علم ہوا تو آپ نے حضرت امام رفیع الدین علیہ الرحمۃ کو سنام لکھا کہ وہ خود جا کر قلعہ کی بنیاد رکھیں اور شہر میں آباد ہوں چنانچہ آپ تشریف لائے، قلعہ تعمیر فرمایا اور پھر یہیں متوفن ہو گئے (۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ء) یہ قلعہ پہلے شہر سے دور تھا اب آبادی کی وجہ سے شہر کے اندر آ گیا ہے اس شہر کو سہرند کہا جاتا ہے جس کے معنی کچھار کے ہیں امتداد زمانہ کی وجہ سے سہرند سرہند بن گیا[1]

---

[1] محمد ہاشم کشمی، خواجہ، زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء ص ۸۹، ۹۱ ملخصاً

(۴)

حضرت مجدد کے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحد علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) کے کچھ حالات خواجہ محمد ہاشم کشمی نے خود حضرت مجدد سے نقل کیے ہیں یہاں حضرت مجدد اور خواجہ ہاشم کشمی کی ان روایات اور بیانات کو مجملاً بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ عبد الاحد ایام جوانی میں اکتساب فیض کے لیے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے آستانۂ عالی پر قیام کا ارادہ کیا لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آنا چنانچہ جب تحصیل علم کے بعد حاضر ہوئے تو حضرت شیخ وصال فرما چکے تھے اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ (المتوفی ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء) مسند خلافت پر متمکن تھے۔ شیخ عبد الاحد کو سلسلہ قادریہ اور چشتیہ میں خلافت سے مشرف فرمایا اور فصیح و بلیغ عربی میں اجازت نامہ مرحمت فرمایا[1]۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء) آپ کے پیر بھائی تھے اس لیے اکثر ان کے ساتھ مجلس رہتیں چنانچہ انھیں محافل میں آپ کی ملاقات حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) سے ہوئی جو سلسلہ قادریہ کے عارف کامل تھے حضرت موصوف ہی کے صاحبزادے حضرت شاہ سکندر کیتھلی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) حضرت مجدد کی خدمت میں خرقہ مبارکہ (حضرت غوث اعظم) لے کر حاضر ہوئے تھے۔[2]

(۵)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں سرہند شریف میں

---

[1] یہ اجازت نامہ ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء میں حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ نے خود تحریر فرمایا جس کو زبدۃ المقامات میں صفحہ ۹۲ تا ۹۶ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے نقل کر دیا ہے۔

[2] محمد ہاشم کشمی، خواجہ، زبدۃ المقامات، ص ۱۱۲

ہوئی۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے :۔ یہ آفتاب ولایت اپنے پیر بزرگوار (خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ) کی طرح سنہ ۹۷۱ھ میں طلوع ہوا۔ حضرت خود بھی تخمیناً یہی فرماتے تھے اور میں احقر نے آپ کے بعض معمر عزیز و اقارب سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی یہی بتایا[۵۱]۔ کلمہ خاشع سے سنِ ولادت سنہ ۹۷۱ھ معلوم ہو سکتا ہے ۔

(۶)

حضرت مجدد نے اوائلِ عمر ہی میں قرآن پاک پڑھ لیا بلکہ بقول خواجہ محمد ہاشم کشمی حفظ بھی فرما لیا[۵۲]۔ اور پھر اپنے والد ماجد شیخ عبد الاحد علیہ الرحمۃ سے اکثر علوم معقول و منقول حاصل کیے۔ والدِ ماجد کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا مثلاً مولانا کمال کشمیری علیہ الرحمۃ سے بعض مشکل کتابیں عضدی وغیرہ پڑھیں حضرت مولانا شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ[۵۳] سے کتبِ حدیث پڑھیں

---

۵۱ جدید محققین میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۲۹۷) اور سی اے سٹوری نے اسی سنِ ولادت کو ترجیح دی ہے (ہسٹری آف پرشین لٹریچر، جلد اوّل حصہ دوم ص ۹۸۸)

۵۲ اور دوسرے سوانح نگاروں نے بھی یہی لکھا ہے کہ اوائل عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا لیکن خود حضرت مجدد کے ایک مکتوبِ گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دولت قلعہ گوالیار میں نظر بندی کے زمانے (سنہ ۱۰۲۸ھ تا سنہ ۱۰۲۹ھ) میں حاصل ہوئی چنانچہ آپ ایک مکتوب میں اپنے صاحبزادگان کو تحریر فرماتے ہیں :۔ دوسری بات یہ کہ قرآن پاک سورہ عنکبوت تک ختم ہو گیا ہے۔ رات کو جب اس مجلس (جہانگیر بادشاہ کی مجلس) سے واپس ہوتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں حفظ کی یہ دولت عظمیٰ اس پریشانی میں حاصل ہوئی جو جانِ جمعیت تھی الحمد للہ اولاً و آخراً (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۲)

۵۳ شیخ یعقوب کشمیری شیخ حسین خوارزمی علیہ الرحمۃ کے اجلہ خلفاء سے تھے اور حرمین شریف کے کبار محدثین سے سندِ حدیث حاصل کی تھی (زبدۃ المقامات، ص ۱۲۸)

اور سندلی۔ قاضی بہلول بدخشی علیہ الرحمۃ سے یہ کتابیں پڑھیں :۔

۱۔ تفسیر واحدی اور اس کی مؤلفات، تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول

۲۔ تفسیر بیضاوی اور اس کی مصنفات، منہاج الوصول، الغایۃ القصوٰی

۳۔ بخاری شریف اور اس کی مؤلفات ثلاثیات، ادب المفرد، افعال العباد

۴۔ مشکوٰۃ تبریزی

۵۔ شمائل ترمذی

۶۔ جامع صغیر سیوطی

۷۔ قصیدہ بردہ شیخ بوسعید بوصیری

قاضی بہلول بدخشی علیہ الرحمۃ[1] نے حدیث مسلسل اِرْحَمُوا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ کے ساتھ حضرت مجدد کو مشکوٰۃ المصابیح کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حصولِ اجازت کے بعد حضرت مجدد نے فرمایا :۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقہ محدثین میں داخل کرلیا گیا ہے[2]

(۷)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے متعدد شیوخ سے مختلف سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت حاصل فرمائی مثلاً :۔

۱۔ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے استادِ محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ سے

---

[1] قاضی صاحب کے متعلق خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں "قاضی مذکور اجازت ایں کتب مذکورہ باں حدیث مسلسل از شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد داشتہ کہ او و آبائے او در اں بلادِ معظمہ از کبار محدثین بودہ اند و خانۂ ایشاں اباً عن جدٍ بیت الحدیث"

[2] محمد ہاشم کشمی، خواجہ، زبدۃ المقامات، ص ۱۳۰

اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔[51] حضرت شیخ ممدوح شیخ حسین خوارزمی کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔

۲۔ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد (المتوفی ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء) سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔[52] موصوف حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کے فرزند حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ کے اجل خلفاء میں تھے اور آپ ہی سے سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ قادریہ میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

۳۔ سلسلہ قادریہ میں کیتھل (مضافات سرہند) کے بزرگ حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء) سے اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔[53] موصوف عارف کامل حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ و جانشین تھے۔

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔[54] حضرت ممدوح شیخ المشائخ حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمۃ کے اجل خلفاء میں تھے۔

حضرت مجدد غالباً سب سے پہلے اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے مستفیض ہوئے اس کے بعد اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سے، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے اور آخر میں حضرت شاہ سکندر سے۔ حضرت مجدد نے ان سلاسل ثلاثہ میں اپنے اکتساب فیض کا اس طرح ذکر فرمایا ہے: مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی واسطوں سے

---

[51] بدرالدین سرہندی، شیخ: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ص ۱۰

[52] محمد ہاشم کشمی، شیخ زبدۃ المقامات ص ۲۴

[53] بدرالدین سرہندی، شیخ: حضرات القدس ص ۴۴ تا ۴۸

[54] احمد سرہندی مجدد الف ثانی، مکاشفات غیبیہ ص ۱۰، ۱۱

ارادت ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقۂ قادریہ میں پچیس واسطوں سے اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے[5] ۔ ایک اور جگہ اپنے اکتساب باطنی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے اس کے علاوہ اس فقیر کو عبادات نافلہ خصوصاً نماز نافلہ کی توفیق بھی اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے[6]

(۸)

غیر مسلم مورخوں نے اکبر بادشاہ کو اکبر اعظم کا خطاب دیا ہے اور اس قدر بڑھایا چڑھایا کہ شاہ جہان اور اورنگ زیب کے چراغ ٹمٹماتے نظر آنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مورخین نے ان مسلم حکمرانوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے جن کے دور میں اسلام کا استیصال کیا گیا اور ان مسلمان بادشاہوں سے یا تو اغماض نظر کیا گیا یا ان کے محاسن کو مصائب بنا کر پیش کیا گیا جن کے دور حکومت میں اسلام اور مسلمانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ تاریخی اور مذہبی حیثیت سے جب دور اکبری کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے دور حکومت میں الحاد اور بے دینی کو بہت فروغ ہوا جو شاید کسی مسلم بادشاہ کے عہد میں نہ ہوا ہوگا، غالباً اسی لیے یہ مسلمان بادشاہ غیر مسلموں کا محبوب ترین مسلم حکمران ہے (ص ۸۵)

(۹)

عیسائی مبلغوں کے علاوہ (بقول ملا عبدالقادر بدایونی) اکبر کے دربار میں ہندو اور بدھ رشی اکثر باریاب ہوتے تھے ان رشیوں کی یہی کوشش رہتی تھی کہ اکبر کی نگاہوں میں اسلام کو دین باطل قرار دے کر اپنی حقانیت جتائیں چنانچہ یہ لوگ مذہب اسلام پر

---

[5] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۸۷

[6] (الف) ، ، : مبداء و معاد، مطبوعہ لاہور، ص ۵

(ب) محمد ہاشم کشمی، شیخ : زبدۃ المقامات، ص ۱۳۳، ۱۳۴

بے باکانہ حملے کرتے تھے اور اکبر اطمینان وسکون سے یہ سب کچھ سنتا رہتا کسی کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ کے سامنے دم مارے انھیں رشیوں سے متاثر ہوکر اکبر نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اتھروید، راماین اور مہابھارت وغیرہ کے ترجمے کا حکم دیا اور دوسری طرف پادریوں سے متاثر ہوکر ابوالفضل کو انجیل کے ترجمے کا حکم دیا گیا۔

ہندو گھرانوں سے ازدواجی تعلقات پہلے ہی تھے اس کے علاوہ اعیانِ مملکت اور ملکی امور میں ہندوؤں کا بڑا عمل دخل تھا اور اب ہندو رشیوں کی باقاعدہ تعلیم نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ چنانچہ اکبر کو عربی تعلیم سے نفرت ہوگئی اور اس نے ہوتم نامی ایک برہمن سے چیزوں کے عربی نام کے بجائے سنسکرت نام تجویز کرنے کی فرمائش کی اور عربی حروفِ تہجی کو تلفظاً ساقط کردیا گیا۔ دیبی نامی ایک اور برہمن جس نے مہابھارت کی شرح بھی لکھی تھی، اکثر باریاب ہوتا تھا اس نے اکبر کو بتوں کی پوجا پاٹ کے طریقے سکھائے۔ آگ، سورج اور ستاروں کی پوجا کے طریقے بھی بتائے اور اپنے دیوتاؤں کی پرستش کے آداب سکھائے۔ اکبر نے اپنی اس بے راہروی کے لیے کچھ اسلام سے بھی سہارا لیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اس وبال کا بوجھ مسلمانوں پر بھی رہے اس سلسلے میں تصورِ وحدت الوجود کی غلط تعبیر و تشریح سے اس کو بڑی مدد ملی اور وہ الحاد کی طرف مائل ہوگیا۔ (ص ۹۹، ۱۰۰)

(۱۰)

دینِ الٰہی کی شریعت میں یہ تمام خرافات اس کو ہر دلعزیز اور مقبول بنانے میں معین ثابت نہ ہوئیں وہ دَور اس روشن خیالی اور اس رواداری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ اکبر کے چند درباریوں کے سوا عام لوگوں نے اس جدید مذہب کو قبول نہ کیا۔ ابوالفضل و فیضی اور شیخ مبارک ناگوری قبول کرنے میں پیش پیش تھے۔

اڈورڈ برنے اس مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: اکبر نے لوگوں کو دینِ الٰہی

میں شمولیت کا لالچ دیا اور جبریہ اس کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا اس پر بھی یہ مذہب عوام میں مقبول نہ ہو سکا حتیٰ کہ اس کے محبوب درباریوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے متبنیٰ کنور مان سنگھ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مرید ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا جائے تو میں تو پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہوا ہوں اس کے بعد مزید ثبوت کی کیا حاجت ہے ؟ لیکن اگر مرید ہونے سے تبدیلی مذہب مراد ہے تو میں تو ہندو ہی ہوں اگر آپ حکم دیں تو مسلمان ہو سکتا ہوں مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں مذاہب کے علاوہ بھی کوئی تیسرا مذہب ہے مغربی مؤرخین نے بھی یہی لکھا ہے کہ دینِ الٰہی کو ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ کسی نے قبول نہ کیا اور اس طرح یہ خود اپنی موت مرگیا (ص ۱۰۸ ، ۱۰۹)

(۱۱)

اس میں شک نہیں کہ جہانگیر ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء میں راجہ بہاری مل کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا اور ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء میں راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی اور اس کے علاوہ اس نے اور بھی ہندو بیویاں کیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء میں کیپٹن ہاکنز ، جیمز اوّل کا پیغام لے کر دربار جہانگیری میں آیا اور اس کے بعد ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں ولیم ایڈورڈ نیز ایک دوسرا پیغام لایا اور اس کے بعد سر تھامس رو بھی جہانگیر کے دربار میں آیا اور تین سال مقیم رہا یہ سب کچھ ہوا لیکن حقائق کی بنیاد پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہندو ذہنیت رکھتا تھا یا عیسائیوں کی طرف مائل تھا ۔ جہانگیر اوّل و آخر مسلمان تھا ۔ البتہ جیسا کہ حضرت مجدد کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آخر عمر میں ایک متقی اور پرہیزگار مسلمان ہو گیا تھا تو یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی وہ آزاد منش مسلمان تھا اس نے آخر وقت تک شراب پی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی خصوصاً اہلِ سنت و جماعت کی اور اس کے عہد میں اسلام کو بہت فروغ ہوا

اور بعد میں شاہ جہان (المتوفی ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) اور اورنگ زیب عالمگیر (المتوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) کے دورِ حکومت میں حالات بہتر سے بہتر ہو گئے۔

ترویج شریعت کے اعتبار سے جہانگیر کے دَور کو عبوری دور کہہ سکتے ہیں جس میں ان بہت سی خرابیوں کا قلع قمع کر دیا گیا جس کی بنیاد اکبر بادشاہ نے رکھی تھی اور انقلاب نو کی تکمیل شاہ جہان اور اورنگ زیب کے دَور میں ہوئی۔ کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک، پاکستانی مؤرخ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے تبلیغی و اصلاحی مساعی کے تدریجی ثمرات کا اس طرح ذکر کیا ہے: جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ میدانِ عمل میں آئے آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریکِ احیائے دین کا آغاز ہوا چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی طور پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے شاہ جہان اگرچہ ایک پارسا سُنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی دھیل برداشت نہیں کرتا تھا تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا۔ اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشان فتح و ظفر تھا

(ص ۱۶۳، ۱۶۴)

(۱۲)

جس بادشاہ کے آگے اس کی رعایا سجدہ ریز ہو اس کی فرعونیت اور نخوت و غرور کا کیا عالم ہوگا؟ ہاں آج اسی جابر و قاہر بادشاہ نے اپنے دربار میں آپ کو طلب کیا ہے۔ دربار کے باہر بیگانوں اور بیگانوں نے غل مچا رکھا ہے دربار کے اندر کچھ دوست ہیں مگر خاموش خاموش۔ دشمن ہیں کہ ریشہ دوانیوں میں مصروف۔ کچھ ایسی لگائی ہے کہ شاہ وقت

غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گیا، جی ہاں آپے سے باہر! تزک جہانگیری میں اس کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت غضب ناک اور پندار شاہی میں بدمست ہے۔ قوت تمیز سلب ہو چکی ہے۔ دوں فطرت اور عالی فطرت میں تمیز کر نہیں پا رہا۔ جو منہ میں آ رہا ہے، بک رہا ہے۔

غور کرو ایک دردمند مصلح نے اپنی خستہ حال قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ہو اور جس بادشاہ کی رعیت میں رہ کر وہ اصلاح کرنا چاہتا ہو وہی اس کا دشمن جان بن گیا ہو۔ آتش غضب نے اس کو فرعون بے ساماں بنا دیا ہو۔ ایسے غضب ناک فرعون کے سامنے جانا اور بے دھڑک جانا کوئی آسان بات نہیں آج ہمارا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمولی اور عاجز سے عاجز افسر کے سامنے جاتے ڈرتے سہمتے ہیں۔ اس کی رضا طلبی کے لیے اس طرح کوشاں رہتے ہیں کہ رضائے الٰہی کا ذرا خیال نہیں آتا اور اگر خدانخواستہ وہ غضب ناک ہو کر جواب طلبی کے لیے بلائے تو پیر تلے سے زمین نکل جاتی ہے، چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ منہ سے کچھ نہیں نکلتا۔ سراپا عجز و نیاز بن جاتے ہیں۔

لیکن دیکھو، دیکھو! وہ جانے والا کس آن بان سے جا رہا ہے کوئی اس کا مونس و غمخوار نہیں، کوئی اس کا دلدار و دمساز نہیں۔ ہاں اس کا رب اس کے ساتھ ہے وہ بے نیازانہ دربار میں داخل ہوتا ہے کس کا سجدہ کیسی زمین بوسی، کیسا بادشاہ، کس کا بادشاہ؟ وہ اس کا غلام ہے جس نے شہنشاہیت کو پیروں تلے روندا تھا اور بندوں کو خدا کے سامنے، ہاں صرف خدا کے سامنے جھکا کر، زمین سے آسمان پر پہنچا کر بے نیاز عالم کر دیا تھا جس نے فقیری میں شاہی کی تھی، جو اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اس طرح بیٹھتا تھا کہ دنیا کا کوئی بادشاہ اس طرح نہ بیٹھا ہوگا۔ وہ ایسا رعب و دبدبہ رکھتا تھا کہ چہار دانگ عالم میں ہر کوئی لرزہ براندام تھا . . . . ہاں وہ اسی صاحب جبروت آقا کا غلام ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گیا، جی ہاں آپے سے باہر! تزکِ جہانگیری میں اس کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت غضب ناک اور پندار شاہی میں بدمست ہے۔ قوتِ تمیز سلب ہو چکی ہے۔ دوں فطرت اور عالی فطرت میں تمیز کر نہیں پا رہا۔ جو منہ میں آرہا ہے، بک رہا ہے۔

غور کرو ایک درد مند مصلح نے اپنی خستہ حال قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ہو اور جس بادشاہ کی رعیت میں رہ کر وہ اصلاح کرنا چاہتا ہو وہی اس کا دشمنِ جان بن گیا ہو۔ آتشِ غضب نے اس کو فرعونِ بے ساماں بنا دیا ہو۔ ایسے غضب ناک فرعون کے سامنے جانا اور بے دھڑک جانا کوئی آسان بات نہیں آج ہمارا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمولی اور عاجز سے عاجز افسر کے سامنے جاتے ڈرتے سہمتے ہیں۔ اس کی رضا طلبی کے لیے اس طرح کوشاں رہتے ہیں کہ رضائے الٰہی کا ذرا خیال نہیں آتا اور اگر خدا نخواستہ وہ غضب ناک ہو کر جواب طلبی کے لیے بلائے تو پیر تلے سے زمین نکل جاتی ہے، چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ منہ سے کچھ نہیں نکلتا۔ سراپا عجز و نیاز بن جاتے ہیں۔

لیکن دیکھو، دیکھو! وہ جانے والا کس آن بان سے جا رہا ہے کوئی اس کا مونس و غمخوار نہیں، کوئی اس کا دلدار و دمساز نہیں۔ ہاں اس کا رب اس کے ساتھ ہے وہ بے نیازانہ دربار میں داخل ہوتا ہے کس کا سجدہ کیسی زمین بوسی، کیسا بادشاہ، کس کا بادشاہ؟ وہ اس کا غلام ہے جس نے شہنشاہیت کو پیروں تلے روندا تھا اور بندوں کو خدا کے سامنے، ہاں صرف خدا کے سامنے جھکا کر، زمین سے آسمان پر پہنچا کر بے نیازِ عالم کر دیا تھا جس نے فقیری میں شاہی کی تھی جو اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اس طرح بیٹھتا تھا کہ دنیا کا کوئی بادشاہ اس طرح نہ بیٹھا ہوگا۔ وہ ایسا رعب و دبدبہ رکھتا تھا کہ چہار دانگ عالم میں ہر کوئی لرزہ براندام تھا . . . . ہاں وہ اسی صاحبِ جبروت آقا کا غلام ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جو کچھ پوچھا گیا برملا جواب دیا گیا .... قربان جائیے اس جرأت و ہمت کے!
نثار ہو جائیے اس استقامت و استقلال کے! ...... ہاں جواب دیا اور معقول
جواب دیا کچھ غصہ ٹھنڈا ہوا مگر دشمنوں نے ایسی لگائی کہ پھر غضبناک ہو گیا، دل میں آگ
سلگنے لگی ...... اس نے دربارِ شاہی میں یہ منظر نہ دیکھا تھا کہ جس شخص کو مجرمانہ حیثیت
سے طلب کیا گیا ہو وہ اس طرح سامنے کھڑا ہو جیسے آقا غلام کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔
وہ فقیرِ غیور کی یہ ادا دیکھ کر جل گیا اور سمجھا کہ شاید اس مردِ کامل کو نخوت و غرور نے دیوانہ و
خودسر بنا دیا ہے پندارِ شاہی نے یہ سمجھنے پر مجبور کیا اس نے قدم اٹھایا اور بہت سخت
قدم اٹھایا۔ اسی وقت دربار میں ایک ہندو راجپوت افسر کے سپرد کیا کہ جا کر قلعہ گوالیار
میں بند کر دے ہاں اس انسانِ کامل کو بند کر دے جس نے صرف شہنشاہِ مطلق کے سامنے
سر جھکا دیا اور اس سر جھکانے میں وہ لطف محسوس کیا کہ پھر کسی کے سامنے سر نہ جھکایا۔
جس نے عہد کیا کہ وہ ناموسِ پیمانِ محبت کو خاک میں نہ ملائے گا۔ ہاں اس کو
بند کر دو۔

نہ معلوم اس ہندو راجپوت نے کیا سلوک کیا؟ آگرے سے گوالیار کس طرح
لے گیا۔ قلعہ گوالیار میں لے جا کر کیا کیا؟ ہاں اس پائے نازنین کو پابندِ سلاسل کیا، یہ
کیسا ظلم کیا؟ سرزمینِ ہند میں اس کے جاں نثار و فدا کار اس کے اشارے کے منتظر
ہیں مگر وہ اپنے ربِّ کریم کی رضا پر راضی ہے۔ ظالم ظلم کیے جا رہا ہے مگر وہ لطف اٹھا
رہا ہے۔ کیا چشمِ عالم نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے؟ ظالم نے نہ صرف پابندِ سلاسل کیا، گھر اجاڑ
دیا ...... کتب خانہ ضبط، جائیداد ضبط، زمین ضبط، جو کچھ پاس تھا سب ضبط
کر کے بے آسرا کر دیا گیا۔ مگر جس کا آسرا خدا پر ہو وہ کسی آسرے پر نہیں رہتا۔ اس پر بھی
بس نہیں کیا۔ وہ آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں شہادت کی
خبر اڑ چکی تھی اس زمانے میں کسی کی گردن مار دینا بازیٔ طفلاں سے زیادہ نہ تھا۔

معمولی بات تھی جس کا چاہا سر اڑا دیا۔ کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ زندگی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

لیکن نہ معلوم کیوں وہ ایسا نہ کر سکا۔ ایک سال کے اندر اندر کچھ ایسا مجبور ہوا کہ چھوڑتے ہی بن پڑی لیکن ابھی ترکش میں کچھ تیر باقی تھے۔ مشقِ ستم ختم نہ ہوئی تھی۔ یوں کھانے کو خلعت و انعام سے نوازا مگر جانے نہ دیا۔ اپنے ساتھ رکھا۔ ایک قید سے چھوٹے دوسری قید شروع ہوگئی۔ نظر بندی ختم ہوئی تو پابندی شروع ہوگئی۔ تزکِ جہانگیری میں لکھتا ہے کہ ہم نے کہا: "چاہو تو گھر چلے جاؤ یا پھر ہمارے ساتھ رہو تو انھوں نے ہمارے ساتھ رہنا پسند کیا"۔ شاہِ وقت اور جھوٹ! توبہ توبہ! استغفراللہ! پانچ سال پابند رکھا اور پھر بدقت تمام اعیانِ مملکت کی سفارش سے اجازت دی لیکن شاید اس شرط پر کہ سرہند جا کر مجلسیں نہ جمائیں گے، خلوت میں وقت گزاردیں گے تو ایسا ہی کیا گیا اور اسی خاموشی میں جانِ عزیز جان آفریں کے سپرد کردی۔ افسوس صد افسوس! جو باتیں لکھنے کی تھیں مورخ نے نہ لکھیں مگر نگاہِ تیز قرائن سے سب کچھ معلوم کرسکتی ہے۔ ۱۰۲۸ھ سے ۱۰۳۴ھ تک کے چھ سالہ دور پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟ ہاں جو کچھ معلوم ہوا آج ہم ان رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھاتے ہیں (ص ۱۶۵ تا ۱۶۷)

(۱۲)

بعض مخالفین و معاندین نے جہانگیر کے خوب کان بھرے اور حضرت مجدد کے خلاف بھڑکایا۔ مخالفین میں شیعہ حضرات پیش پیش تھے ان کی مخالفت اسی وقت سے چلی آرہی تھی جب کہ حضرت مجدد نے اواخر دسویں ہجری میں روافض کے خلاف اپنا معرکۃ الآرا رسالہ تصنیف فرمایا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جہانگیر کے وزیرِ اعظم آصف جاہ (جو مذہبًا شیعہ تھا) نے جہانگیر کو حضرت مجدد کے خلاف بھڑکایا۔ ڈاکٹر

برہان احمد فاروقی نے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے : جہانگیر کے وزیر اعظم آصف جاہ نے جہانگیر کو مشورہ دیا کہ شیخ احمد کے باب میں احتیاط سے کام لیا جائے کیونکہ ان کا اثر ہندوستان، ایران، توران اور بدخشاں میں پھیلتا جا رہا ہے۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ فوج کے سپاہیوں کو شیخ احمد کے مریدین کے پاس آنے جانے اور عہد کرنے سے روکا جائے اور شیخ احمد کو نظر بند کر دیا جائے۔[1]

اس خیال کی تائید اس واقعہ (متعلقہ خواجہ بدیع الدین سہارن پوری) سے بھی ہوتی ہے جو حضرت مجدد کے خلیفہ اجل خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے زبدۃ المقامات میں نقل کیا ہے[2]۔ (ص ۱۲۹)

(۱۴)

اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں روافض کا کافی اثر و رسوخ تھا اور وہ حضرت مجدد سے خوش نہ تھے بلکہ آپ کو زک پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے[3]۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آصف جاہ کے بھڑکانے سے حضرت مجدد کی گرفتاری عمل میں آئی ہو خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ[4]

---

[1] برہان احمد فاروقی پروفیسر: مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۲ء، ص ۳۶

[2] محمد ہاشم کشمی، شیخ زبدۃ المقامات ص ۲۴۸

[3] شیعہ حضرات اپنی پوری تاریخ میں مسلمانوں سے کبھی خوش رہے ہی نہیں ہیں یہودیوں کی طرح اسلام دشمنی ان کی فطرت میں بھری ہوئی ہے (کوٹ کوٹ کر) مسلمانوں کو زک پہنچانے کا کوئی موقع اگر انھیں مل سکتا تھا تو انھوں نے کبھی اسے ہاتھوں سے نہیں جانے دیا۔ ملت اسلامیہ کو آج تک جتنے بڑے بڑے نقصان اٹھانے پڑے ہیں ان میں سے اکثر کی تہہ میں روافض کی ریشہ دوانیاں کار فرما نظر آئیں گی اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے آمین (اختر شاہجہان پوری مظہری)

[4] اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ خود خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے مرید اور خلیفہ تھے (مقامات احمدیہ ص ۱۰۸)

(المتوفی ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کے مرید خواجہ محمد امین بدخشی نے اپنی تالیف مقامات احمدیہ وملفوظات معصومیہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے حضرت مجدد کی گرفتاری کے اسباب وعلل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور روافض کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے[1]

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے بھی اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے: شیعوں کا جہانگیر کے دربار میں کافی اثر ورسوخ تھا حضرت مجدد نے جس شدومد کے ساتھ ان کے نظریات کی تردید کی۔ اس سے آپ کی شخصیت ان کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔ چنانچہ انھوں نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ حضرت مجدد کی سرگرمیاں سلطنت کے لیے خطرناک ہیں چنانچہ آپ کی ایک مکاشفانہ تحریر کی بناء پر ۱۰۲۸ھ میں آپ کو دربار میں طلب کیا گیا اور دربار میں داخلے کے وقت آپ کے بے نیازانہ طرز عمل کو دیکھ کر بادشاہ جل گیا اور قلعہ گوالیار میں قید کرنے کا حکم دیا[2]

۱۵

بات یہی تھی، روافض نے ایسی لگائی کہ بجھائے نہ بجھی لیکن بہانے کی ضرورت تھی جیسا کہ اکثر فرامین روزگار کو بہانوں کی ضرورت رہتی ہے۔ تکتے کہیں ہیں اور نشانہ کہیں لگاتے ہیں۔ اہل اللہ اور علماء کو گرفتار کرنے کے لیے ایسا بہانہ تلاش کیا جاتا ہے کہ خود ان کے معتقدین بھی ہکا بکا رہ جائیں۔ حضرت مجدد کے متوسلین ومریدین مسلک اہل سنت وجماعت سے وابستہ تھے جن کے نزدیک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردار اولیاء ہیں اس لیے الزام یہ لگایا گیا کہ حضرت مجدد کہتے ہیں کہ میں حضرت صدیق اکبر سے افضل ہوں۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

---

[1] محمد امین بدخشی شیخ، مقامات احمدیہ وملفوظات معصومیہ، مطبوعہ لاہور ص ۶۳، ۶۴

[2] عنایت اللہ شیخ ڈاکٹر، دی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد اوّل، جزء ص ۲۹۷، ۲۹۸

ظاہر ہے کہ اس الزام سے یہی مقصود تھا کہ ایک طرف شیعہ حضرات کو بچا لیا جائے اور دوسری طرف خود حضرت مجدّد کے خلفاء و مریدین کو ان کو بدظن کر کے منتشر کر دیا جائے ورنہ جہانگیر ایسا کون سا پکا سُنی تھا کہ محض یہ کہہ دینے سے کہ ہیں صدّیق اکبر سے افضل ہوں ایک شخص کو کشتنی، سوختنی، گردن زنی قرار دیتا وہ اکبر کے سایۂ عاطفت میں پلا بڑھا تھا اس لیے تدیّن سے کوسوں دور تھا۔ اکبر کی صحبت میں ایسا پکا سنی بن جانا عجائب روزگار سے ایک عظیم عجوبہ ہوتا۔ جہانگیر نے معاندین کی اس یقین دہانی پر کہ حضرت مجدد کی قوت بڑھتی جا رہی ہے عین ممکن ہے کہ وہ اسلامی انقلاب لاکر مملکت میں ایک عظیم قیامت برپا کر دیں آپ کو ایک بہانے سے دربار میں طلب کیا (ص ۱۷۱)

(۱۶)

حضرت مجدد پر یہ الزام محض ایک بہانہ تھا جہانگیر کے پوتے اور شاہ جہان کے بیٹے دارا شکوہ (المتوفی ۱۰۷۰ھ / ۱۶۹۵ء) نے اس الزام کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے ...... آخر سال میں شیخ پر بعض اشخاص نے یہ اعتراض کیا بلکہ تہمت لگائی کہ آپ اپنے کو خلفائے راشدین سے بھی افضل مانتے ہیں لیکن درحقیقت یہ محض بہتان تھا جو مخالفین نے آپ پر لگایا تھا[۱] . . . ایک دوسری جگہ دارا شکوہ نے اپنے استاد حضرت میرک بن شیخ فصیح الدین اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ ملاقات ۱۰۲۴ھ میں ہوئی جبکہ حضرت مجدد لشکر شاہی سے رخصت حاصل کر کے

---

[۱] محمد امین بدخشی، شیخ: مناقب آدمیہ قلمی، ورق ۱۲۱

(نوٹ) نیز مولوی وکیل احمد سکندرپوری نے مندرجہ ذیل تصانیف میں اس واقعے کو مفصل بیان کیا ہے۔

(الف) الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی (عربی) مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ھ ص ۱۰۱، ۱۰۲

(ب) انوار احمدیہ، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۱۱، ۱۲

سرہند شریف تشریف لے آئے تھے۔ دارا شکوہ نے حضرت مجدد اور اپنے استادِ محترم کے درمیان گفتگو کو اس طرح نقل کیا ہے:۔

"فقیر نے خود اپنے استادِ محترم حضرت میرک بن فصیح الدین سے سُنا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جب میں سرہند شریف سے گزرا تو اتفاقاً شیخ احمد (حضرت مجدد الف ثانی) سے ملاقات ہو گئی۔ ملاقات کے دوران میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر شیخ صاحبِ کرامت ہیں تو لوگ ان کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے خاطر نشین فرما دیں۔ جب کچھ دیر شیخ کے سامنے بیٹھا تو آپ نے اپنی مسند کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر مطالعہ کے لیے دیا۔ جب میں نے اس کو پورا پڑھ لیا تو مجھ سے فرمایا کہ کیا اس تحریر سے کوئی ایسی ویسی بات معلوم ہوتی ہے؟ میں نے کہا کہ اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں اور جو کچھ آپ نے اس میں لکھا ہے، صحیح و درست ہے۔ فرمایا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرے ساتھ جو واقعہ گزرا یہی ہے۔ باقی جو کچھ کہا جاتا ہے افتراء ہے[1,2]"

سی اے اسٹوری نے بھی لکھا ہے کہ حقیقتاً حضرت مجدد پر یہ الزام نہ تھا بلکہ گرفتاری کے لیے ایک بہانہ تلاش کیا گیا تھا اور مکتوبات شریف کے کلمات کی آڑ لے کر آپ کو گرفتار کیا گیا[3] (ص ۱۷۸، ۱۷۹)

(۱۷)

جہانگیر نے نہ صرف یہ کہ آپ کو پابندِ سلاسل کر کے جیل میں ڈالا بلکہ اہل و عیال کو خانماں برباد کر دیا۔ نہ معلوم ان عزیزوں پر کیا گزری؟ اگر جہانگیر اپنے اس دعوے میں سچا ہے کہ

---

[1] دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء اُردو، مطبوعہ لاہور ص ۲۲۳

[2] ،، ،، مطبوعہ لکھنو ۱۲۹۵ھ / ۱۸۸۰ء، ص ۱۹۰

[3] سی اے سٹوری: دی پرشین لٹریچر، جلد اوّل حصہ دوم مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۹۸۸

اس نے حضرت مجدّد کو محض تادیب اور تہذیب نفس کے لیے جیل میں ڈالا تھا تو پھر اہل و عیال پر یہ ظلم وستم کیوں روا رکھا گیا ہاں اسے عدل جہانگیری! تونے یہ کیا ستم کیا؟ مؤرخ کا ہاتھ کس نے پکڑ لیا کہ وہ اس داستان خونچکاں کا ایک حرف بھی نہ سنا سکا؟ لیکن ان مکتوبات شریف میں اس غمناک داستان کی جھلک نظر آرہی ہے آئیے ذرا دیکھیے اور یہ بھی دیکھیے کہ اس پیکر عزم و ہمت نے کس قدر حوصلگی اور کس عالی ظرفی کا مظاہرہ فرمایا:۔

ملاقات ہو گی یا نہیں، نصیحت یہی ہے کہ کوئی آرزو وطلب نہ رہے اپنی والدہ سے یہی کہیں اور یہ سمجھادیں کہ اس دنیا کے احوال آنے جانے ہیں اس لیے ان کو کیا بیان کیا جائے، بچوں پر شفقت رکھیں اور پڑھنے کی ترغیب دیں اور جہاں تک ممکن ہو ان لوگوں کو خوش رکھیں جن کا مجھ پر حق ہے۔

نفسانی خواہشات کو جو باطل خدا ہیں کلمہ لا کے تحت لائیں تاکہ تمام خواہشات کی نفی ہو جائے اور دل میں کوئی مراد مقصود باقی نہ رہے یہاں تک کہ میری رہائی جو سردست تمہارے اہم مقاصد سے ہے یہ بھی تمھاری آرزو نہ ہونی چاہیے اللہ کے فیصلے، اس کے فعل اور اس کی مشیت پر راضی ہیں۔ حویلی، سرائے، کنوآں، باغ، کتب خانا اور دوسری چیزوں کا غم بہت سہل ہے اس وقت تو کوئی چیز تمھارے مزاحم نہیں ہونی چاہیے اور سوائے مرضیات حق جل وعلا کے تمھاری کوئی اپنی مرضی بھی نہ ہونی چاہیے اگر ہم مرجاتے تو یہ سب چیزیں رہ جاتیں یہ ہماری زندگی ہی میں چلی گئیں، کچھ فکر نہ کریں[1]۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کیسا ظلم کیا؟ حویلی، سرائے، کنوآں، باغ، کتب خانہ اور اساس البیت سب کچھ لے لیا کچھ بھی نہ چھوڑا۔ مگر واہ رے استقامت اُف تک نہ کی۔ اور محبت بناد کے دکھادی۔ (ص ۱۸۴ - ۱۸۵)

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲

(۱۰)

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حضرت مجددؒ کے مخلصین نے اپنی سی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور جو جماعت ایذار سانی کے درپے تھی وہ مسلسل درپے آزار رہی لیکن بعض تذکرہ نگاروں اور مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اعیانِ مملکت میں حضرت مجددؒ کے مخلصین جہانگیر سے کچھ ایسے بددل ہوئے کہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ یہ بات قرینِ قیاس ہو سکتی ہے مگر حضرت مجددؒ کے خلفاء میں صاحبِ زبدۃ المقامات خواجہ محمد ہاشم کشمی اور صاحبِ حضرات القدس خواجہ بدرالدین سرہندی نے اس طرف اشارہ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ بعض سیاسی مصالح اس حقیقت بیانی میں مانع ہوں لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جس جہانگیر نے بڑے زور شور سے آپ کو طلب کیا تھا اور بڑے شدومد کے ساتھ آپ پر الزامات عائد کیے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید آپ کو یا تو شہید کر دیا جائے گا یا سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔ ہاں اسی جہانگیر نے ایک سال کے اندر اندر عزت و آبرو کے ساتھ آپ کو رہا کر دیا آخر یہ کیوں ہوا، کیسے ہوا؟

اگر حضرت مجددؒ کے مخلصین اعیانِ مملکت کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ گتھی سلجھنا مشکل ہے۔ پھر اس حرکت کو جہانگیر کی خبط الحواسی پر محمول کیا جانا چاہیے مگر وہ ایسا خبط الحواس نہ تھا وہ ہوشیار و زیرک جہاں بان تھا۔ اس لیے اس میں شک نہیں کہ اعیانِ مملکت کے سیاسی یا اخلاقی دباؤ سے مجبور ہو کر جہانگیر نے آپ کو رہا کیا ہوگا۔ گو اس نے اپنی من مانی کر کے ہی چھوڑی مگر باندازِ دگر۔

صاحبِ روضۃ القیومیہ نے لکھا ہے کہ اعیانِ مملکت میں خانِ خاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، قاسم خاں، تربیت خاں، خان جہاں لودھی، سکندر لودھی، حیات خاں اور دریا خاں بغاوت پر آمادہ ہو گئے[۱]۔ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو لیکن

---

[۱] کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ، مطبوعہ لاہور ص ۱۸۹

صاحب روضۃ القیومیہ اور بعض دوسرے حضرات نے جو مہابت خاں کی بغاوت، جہانگیر سے اس کا تصادم اور اس کے ہاتھوں جہانگیر کی گرفتاری کا ذکر کیا ہے اس کا سبب حضرت مجددؒ کی گرفتاری نہ تھا کیونکہ یہ واقعہ گرفتاری کے سات سال بعد واقع ہوا ہے جبکہ حضرت مجددؒ وصال فرما چکے تھے ہاں یہ ممکن ہے کہ جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو جو ایک سال نظربند رکھا اور پھر چار سال اپنے ساتھ پابند رکھا اس نے مہابت خاں کو بددل کر دیا ہو کیونکہ اس کو حضرت مجددؒ سے خاص تعلق خاطر تھا۔

تزکِ جہانگیری کے تکملہ نگار مرزا ہادی بیگ نے لکھا ہے کہ مہابت خاں کو آصف جاہ کی تجویز پر دربار میں طلب کیا گیا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اسے طرح طرح سے ذلیل و خوار کر کے اس کی عزت و ناموس اور جان و مال پر ہاتھ ڈالے[۱] آصف خاں وہی ہے جو حضرت مجددؒ کی گرفتاری کا اصل محرک بیان کیا جاتا ہے۔ مہابت خاں سے اس کی پرخاش معنی خیز ہے۔ مہابت خاں بھی اس کے اور اس کی بہن ملکہ نور جہاں کے سخت خلاف تھا آخر اس مخالفت کے اسباب تھے ہی ممکن ہے کہ دیگر اسباب کے ساتھ حضرت مجددؒ کا تعلق آپ کی بہی خواہی اور خیر خواہی بھی ایک سبب ہو (ص ۱۸۶، ۱۸۷)

(۱۹)

حضرت مجددؒ نے قید کے زمانے میں احباب و مخلصین اور فرزندانِ گرامی کو قلعہ گوالیار سے جو خطوط ارسال فرمائے ہیں ہر خط تاریخ عزیمت کا ایک سنہرا باب ہے۔ ظالم ظلم کرتے نہیں تھکتا لیکن مظلوم کی زبان پر شکوۂ جور و جفا نہیں۔ دعائیں ہی دعائیں ہیں۔ دستِ قاتل کو چومنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے ایک نیا اندازِ فکر، ایک نئی روشنی، ایک نئی تجلی اور ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ آیئے قلعہ گوالیار کے چاہِ ظلمات سے

---

[۱] مرزا ہادی بیگ، تکملہ تزکِ جہانگیری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۸۱۸

آبِ حیات پئیں اور پلائیں۔ سہ

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔ "مخدوم و مکرم ! مصیبتوں کے آنے پر ہر چند کہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام کی امید بھی لگی رہتی ہے۔ حزن و اندوہ میں یہ بڑا ہی اچھا سرمایہ اور خوانِ الم و مصیبت کی من بھاتی نعمت ہے ، ان شکر پاروں کے اوپر دارو ئے تلخ کا ہلکا سا غلاف چڑھا دیا گیا ہے اور اس بہانے سے بظاہر مصیبت دکھائی گئی ہے مگر نیک بخت مٹھاس پر نظر رکھتے ہوئے تلخی کو مٹھاس کی طرح کھا جاتے ہیں اور حرارت کو صفرائے شیریں کے برعکس پاتے ہیں شیریں کیوں نہ پائیں ؟ محبوب کے افعال تو سب ہی میٹھے ہوتے ہیں جو ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار ہوا اس کو کڑوے لگتے ہیں دولت مند تو محبوب کی دی ہوئی مصیبت میں اس قدر لذّت و حلاوت پاتے ہیں کہ انعام میں بھی متصوّر نہیں ، ہر چند کہ دونوں محبوب ہی کی جانب سے ہیں ، لیکن مصیبت میں محبّ کے نفس کو دخل نہیں اور انعام مرادِ نفسی پر مبنی ہے۔ [۱]

(۲۰)

فرزندانِ گرامی حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں .... فرزندانِ گرامی ! مصیبت کا وقت اگر چہ تلخ و بے مزہ ہے لیکن اگر اس میں فرصت میسر آجائے تو غنیمت ہے ، اس وقت چونکہ تم کو فرصت میسر ہے خدا کا شکر بجالا کر اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور ایک لمحہ بھی

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : مکتوبات امام ربانی ، دفتر سوم ، مکتوب ۲۹

فارغ نہ بیٹھو۔ تین باتوں میں سے ہر ایک کی پابندی ضرور رہنی چاہیے۔

۱۔ تلاوت کلام پاک

۲۔ طول قراءت کے ساتھ نماز

۳۔ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تکرار۔

کلمہ لَآ کے ساتھ نفس کے خود ساختہ خداؤں کی نفی کریں۔ اپنی مرادوں اور مقصدوں کی بھی نفی کریں۔ اپنی مراد پر چاہنا خدائی دعویٰ کرنا ہے۔ اس لیے چاہیے کہ سینے میں کسی مراد کی گنجائش ہی نہ رہے اور ہوس کا خیال تک نہ آنے پائے تاکہ حقیقتِ حیات متحقق ہو۔ ہوائے نفسانیہ کو جو جھوٹے خدا ہیں۔ لَآ کے تحت لائیں تاکہ ان سب کی نفی ہو جائے اور تمہارے سینے میں کوئی مراد و مقصد باقی نہ رہے حتیٰ کہ میری رہائی کی آرزو بھی جو اس وقت تمہاری سب سے اہم آرزوؤں میں ہے نہ ہونی چاہیے۔ تقدیرا ور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہیں۔ جہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کو اپنا وطن سمجھیں[۵۱]۔ یہ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے اللہ کی یاد میں گزرنی چاہیے[۵۲]

(۲۱)

خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ[۵۳] (المتوفی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں .... عاشق جس طرح محبوب کے انعام میں مزہ پاتا ہے

---

۵۱ اس جملے سے کچھ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری کے بعد اہل و عیال کو گھر سے بے گھر کر دیا گیا تھا ورنہ اپنے گھر کو گھر سمجھنا کیا معنی؟ (مسعود)

۵۲ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲

۵۳ خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ حضرت مجدد کے خلیفہ ہیں ۱۸ صفر المظفر ۱۰۵۸ھ میں اکبر آباد میں وصال فرمایا "نعمان زبدۂ بہشت عدن" مادہ تاریخ وفات ہے۔

(محمد فاضل۔ قمرالواصلین ۱۲۴۹ھ/ص ۹۹)

اُسی طرح اُس کے ایلام میں بھی اُس کو لطف آتا ہے بلکہ ایلام میں اور زیادہ مزہ آتا ہے کیونکہ اِس میں حظِ نفس کا شائبہ نہیں ہوتا اور اُس کی آرزو کو بھی دخل نہیں ہوتا۔ جب حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو جمیلِ مطلق ہے اور وہ اُس شخص کو آزار پہنچانا چاہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اُس شخص کی نظر میں جمیل ہے، بلکہ اِس میں اُس کو زیادہ لطف آتا ہے۔

چونکہ اُس جماعت (مخالفین) کی مراد اللہ تعالیٰ کی مراد کے عین مطابق ہے اور یہ مراد اُس مراد کے ظاہر ہونے کا دریچہ ہے، اِس لیے یقیناً اِن کی مراد بھی بھلی اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور اِس میں لطف آتا ہے اور اُس شخص کا عمل جو محبوب کے عمل کا آئینہ دار ہو محبوب کے عمل کی طرح پیارا لگتا ہے اور اُس کا کرنے والا اُسی نظر کی وجہ سے عاشق کی نظر میں محبوب ہے عجیب بات ہے کہ اُس شخص کی طرف سے جتنی جفائیں ہوتی ہیں، عاشق کی نظر میں وہ اُتنا ہی زیادہ پسندیدہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ اِس صورت میں وہ غضبِ محبوب کی پوری پوری نمائندگی کر رہا ہے۔ اِس راہ کے دیوانوں کا معاملہ نرالا ہے۔ پس اُس شخص کی بُرائی چاہنا اور اُس سے بددل ہونا محبوب کی محبت کے منافی ہے کیونکہ وہ شخص تو فعلِ محبوب کے آئینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اِس لیے جو لوگ آزار پہنچانے کے درپے ہیں وہ دوسری مخلوق سے زیادہ نگاہوں کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اِس لیے دوستوں کو کہہ دیں کہ وہ تنگی دل کو دُور کریں اور جو لوگ یا جماعت آزار کے درپے ہے اُس سے بُرا سلوک نہ کریں بلکہ اُن کے فعل سے لُطف اُٹھائیں[1] ——— اللہ اللہ! کیا اندازِ فکر ہے، ظالم کو محبوب بنا دیا۔ ظلم سے درگزر کرنا بھی بڑی بات ہے مگر ظالم کو چاہنا اور اُس سے محبت کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے، یہ حوصلہ اُس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسان فنا فی اللہ ہو جائے۔ فنائیت کے بعد ہی یہ نظر پیدا ہو سکتی ہے۔ عام انسان کے لیے یہ باتیں قطعی ناممکن ہیں بلکہ وہ یہ باتیں سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کاملین کی صحبت کے بعد یہ باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

---

[1] احمد سرہندی، مجددالف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۵

(۲۲)

غسل کے وقت حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرہندی موجود تھے۔ انھوں نے بعض مشاہدات کا ذکر فرمایا ہے جو نہایت حیرت انگیز ہیں وصال کے وقت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے حضرت مجددؒ کے ہاتھ سیدھے کر دیئے تھے .... غسل کے وقت داہنی کروٹ سے جب نہلایا گیا تو دستِ مبارک اسی طرح بندھے رہے جس طرح نماز میں یعنی داہنا اوپر اور بایاں ہاتھ نیچے۔ حالانکہ کروٹ کا تقاضا یہ تھا کہ بایاں اوپر ہوتا لیکن اعضائے مبارک موم کی طرح نرم ہونے کے باوجود داہنا ہاتھ بائیں کے اوپر ہی رہا۔ اور جب کفن دینے کے لیے ہاتھ پھیلائے گئے تو حاضرین نے دیکھا کہ دونوں ہاتھ متحرک ہوئے۔ یہاں تک کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر زیر ناف آگیا یعنی نیت باندھ لی حاضرین نے بے ساختہ تحسین وآفرین کی صدا بلند کی .... (غوغا از حضار برخاست)۔ حضرت شیخ محمد سعید نے فرمایا کہ جب حضرت کی مرضی اسی طرح ہے تو رہنے دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ کما تعیشون تموتون [1]

(۲۳)

حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد صاحبزادہ مرحوم خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا یہ وہی مقام تھا جہاں حضرت مجدد نے اپنی زندگی میں ایک نور دیکھا تھا اور وصیت فرمائی تھی :۔ " میرے بیٹے کی قبر کے سامنے رکھنا کہ وہاں میں جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری دیکھ رہا ہوں (چنانچہ اس جگہ آپ نے ایک قبہ تعمیر کرایا)[2] ...... اس قبے میں پہلے فرزندِ مرحوم خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ

---

[1] بدرالدین سرہندی خواجہ : وصال احمدی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۹، ۲۰

[2] " " " ص ۲۲

(المتوفی ۱۰۲۵ھ) کو رکھا گیا اور اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو...... اب اس روضہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے جس پر یہ قطعۂ تاریخ تعمیر کندہ ہے۔

بعد از سہ صد سال بنا شد — روضۂ محبوبِ ربانی
پرتو گنبد خضرا گویا — کانَ مجدد الف ثانی

۱۳ ھ ۴۴

(۲۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی وفات پر بہت سے حضرات نے مادہ تاریخِ وفات نکالے اور قطعات کہے۔ مثلاً حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے فرزند دل بند خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء) نے یہ مادہ تاریخ نکالا۔

مات ولم یمت بل حیّ ابدا

۱۰ ھ ۳۴

حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید اور حضرت مجدد کے خلیفہ مولانا محمد صادق علیہ الرحمۃ نے یہ مادہ تاریخ نکالا ہے: الموت ھو جسر یوصل الحبیب الی الحبیب[۵۱]

حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۴ء) نے یہ مادہ تاریخِ وفات نکالا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ[۵۲]

۱۰ ھ ۳۴

(۲۵)

اس میں شک نہیں کہ اولیاء اللہ اور علمائے ربانی میں سے کسی خاص ہستی کی

---

۵۱ محمد ہاشم کشمی خواجہ : زبدۃ المقامات، مطبوعہ کان پور، ص ۳۰۰

۵۲ ″ ″ ″ ص ۳۰۰

افضلیت کے بارے میں ہم اس طرح کی کوئی قطعی رائے تو قائم نہیں کر سکتے جس طرح انبیائے کرام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی افضلیت پر یا جس طرح حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں علی الترتیب رکھتے ہیں اس لیے کہ ان کی افضلیت تو نصِ قطعی سے ثابت ہے لیکن اس کے بعد افضلیت کے بارے میں ہمارا یہ کام ہوگا کہ ان کے تاریخی اور اصلاحی کارناموں پر نظر ڈالیں ، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے میں انھوں نے انجام دیئے اور ان کی علمی تصانیف، رسائل مکتوبات اور ملفوظات دیکھیں۔

اس نقطہ نظر سے اگر حضرت مجدّد قدس سرہ العزیز کے کارناموں اور آپ کی علمی تخلیقات پر نظر ڈالی جائے تو آپ بالکل منفرد نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدّد قدس سرہٗ کے ہاں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے بارے میں بہت کچھ ملے گا۔ لیکن سب سے بڑھ کر حقائق و معارف ہیں جن تک رسائی بہت مشکل ہے، اس کے لیے بلندی فکر و نظر کی ضرورت ہے جو شاذ و نادر ہی میسّر ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگلستان میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک لیکچر میں حضرت مجدّد قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف سے ایک حوالے کا انگریزی میں ترجمہ کرنا چاہا تو کہا کہ "افسوس! علمِ نفسیات میں اس ترقّی کے باوجود انگریزی زبان اتنی تنگ داماں ہے کہ اس میں حضرت مجدّد قدس سرہ کے حقائق و معارف کا بیان کرنا بہت مشکل ہے"۔ جب بیان کرنا مشکل ہے تو سمجھنا کتنا مشکل ہو گا۔[1]

(ص ۱۲ ، ۱۴)

---

[1] مخدوم و مکرم پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کی طرف سے ان کی تصنیف سیرت مجدّد الف ثانی سے یہ دیباچہ لکھا جا رہا ہے اس کتاب کی تقدیم مجدّدی خانوادے کے چشم و چراغ حضرت خواجہ محمد ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی یہ اور اگلے دونوں اقتباس اسی تقدیم سے لیے ہیں (اختر)

(۲۶)

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نے مکتوبات شریف میں اسلامی نظریۂ حیات کو اس خوبی سے سمجھایا ہے کہ جس کے پڑھنے سے شوقِ عمل اور ذوقِ کار پیدا ہوتا ہے اور ایک طالبِ سالک صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی لیے اکابرِ طریقت نے سالکین کے لیے مکتوبات شریف کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے اِن کے معانی کی بلندی تو اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن عبارات بھی ادبی حیثیت سے اتنی دل رُبا، بلند پایہ اور دلنشین ہیں کہ اس کے پڑھنے سے روح وجد میں آجاتی ہے۔ اور دل و دماغ دونوں کیف اندوز ہوتے ہیں۔

مکتوبات شریف کے سلسلے میں یہ بات قابلِ غور و فکر ہے کہ مختلف حالات اور ہر دور کے لیے اس میں ہدایتیں موجود ہیں۔ معنوی حیثیت سے یہ اتنے ہمہ گیر ہیں کہ شاید ہی ایسی کوئی تصنیف ہو۔ دسویں صدی ہجری سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک کے عالمِ اسلام کے تاریخی حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس عرصے میں ملّتِ اسلامیہ میں جو امراض پیدا ہوئے یا جو مشکلات پیدا ہوئیں سب کا حال مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ گویا کہ مکتوبات ملّتِ اسلامیہ کے لیے تریاق و اکسیر ہیں (ص ۱۴)

(۲۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے رسالہ ردِّ رافض کی شرح میں حضرت مجدد کے القابِ عالیہ مبسوط طور پر بیان کیے ہیں اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ پر جو آپ کے احسانات ہیں ان کی تفصیل لکھنے کے بعد . . . . . . ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ ''آج جو مساجد میں اذانیں دی جا رہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل نواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی

گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں، ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بارِ منّت ہے۔ اگر حضرت مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں نہ مدارس دینیہ میں قرآن وحدیث وفقہ اور باقی علومِ دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ، اللہ کے روح افزاء ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے اِلَّا مَا شَآءَ اللہ (ص ۱۴)

از عالی جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ
(صوبہ سندھ)

۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ
مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۸۷ء

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ مخلوق کے کسی فرد کی نہ اس جیسی ذات ہے اور نہ کسی کے اندر اس جیسی صفات ہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے کو توحید کہتے ہیں جو اسلام کا اوّلین سبق ہے۔ اگر کوئی شخص مخلوق کے کسی فرد کی ذات اللہ تعالیٰ جیسی ماننے یا اس فرد کی صفات کو اللہ جل مجدہ جیسی ماننے یا یہ سمجھے کہ اس فرد کو یہ صفات اللہ تعالیٰ نے نہیں دیں بلکہ یہ اسے خود حاصل ہیں یا اللہ تعالیٰ جیسی کوئی ایک صفت بھی مخلوق کے کسی فرد میں ماننے تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور وہ شخص اصطلاحِ شرع میں مشرک ہو جاتا ہے خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا رہے اور خواہ بے خبر لوگ اسے بہت بڑا بزرگ ہی کیوں نہ مانتے اور منواتے رہیں لیکن شریعت محمدیہ کے لحاظ سے وہ مسلمان نہیں رہتا۔ توحید و شرک کے مفہوم کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کیونکہ آجکل بعض گندم نما جوفروش قسم کے مسلمان ان دونوں باتوں کے مفہوم میں دل کھول کر گڑ بڑ کر رہے ہیں تاکہ ان مسلمانوں کو مشرک ٹھہرائیں جو چودہ سو سالہ عقائد پر قائم ہیں اور بہلا پھسلا کر انھیں گستاخانِ رسول کے ٹولے میں لے جانے کے لیے ہر گلی کوچے میں شیطان کی طرح گشت لگاتے اور مساجد میں مورچے لگا کر تبلیغی نصاب کی تلاوت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو گمراہوں کے شر سے محفوظ و مامون فرمائے، آمین۔

(۱)

واضح ہو کہ عام مسلمانوں کا عقیدۂ توحید یہ ہے کہ اس ذات پاک کو واجب الوجود اور

معبودِ برحق تسلیم کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اسی نتیجے پر آخرت کی نجات اور غیر فانی سعادت کا دار و مدار ہے اور بظاہر انبیائے کرام نے مخلوقِ خدا کو اسی امر کی دعوت دی تھی۔ مگر وہ صوفیائے کرام جو خدا پرست، صاحبِ کشف اور شمعِ نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں، زمین ان کے سہارے قائم ہے اور انھیں کے فیوض و برکات سے اہلِ زمین پر نزولِ رحمت ہوتا ہے، انھیں کی وجہ سے لوگوں پر بارش برسائی جاتی ہے اور انھیں کی بدولت انھیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا۔ ان صوفیائے کرام کے نزدیک توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں اس لیے وہ وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں مانتے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ (تخلیقِ عالم سے پہلے) موجودِ مطلق تھا اور اس وقت نہ کسی قسم کی تخلیق تھی اور نہ کوئی اور قید لگی ہوئی تھی بالکل اسی طرح وہ اب بھی موجود ہے اور جس چیز کو دنیا، غیر، مقید اور سویٰ سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ محض دیکھنے کی چیزیں اور قدرت کے کرشمے ہیں [1]

(۲)

(جب یہ بات تسلیم کر لی جائے) تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز (حقیقی طور پر) موجود نہیں ہے لہٰذا واجب اور ممکن کے درمیان درجۂ وجود کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق رہے گا کیونکہ باری تعالیٰ کی ذات عین وجود ہے اس کے برخلاف ممکن کی ذات نہ تو عین وجود ہے اور نہ وجود کے ساتھ متّصف و ملحق ہے اور نہ وجود کے ساتھ اس کا عارضی قیام ہے بلکہ وجود کے ساتھ مخصوص نسبت، تعلق کی وجہ سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے گویا کہ وہ ممکنات کے وجود کے ساتھ موجود ہے یعنی قائم بالذات وجود کے ساتھ ان کا خاص تعلق و نسبت قائم ہے مگر وجود (مطلق) کا قیام و بقا ان کی وجہ سے نہیں ہے [2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: رسالہ تہلیلیہ مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹

[2] ایضاً: ص ۳۱

(۳)

صوفیائے کرام ارشاد فرماتے ہیں :۔ ہمیں کشف اور مشاہدہ سے اس بات کا پتہ چلا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس کی عین ذات ہے اور حقیقت میں اس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے اس کی ذات کے علاوہ تمام اشیاء اس کا پرتو اور عکس ہیں جو اس کی ذات سے ملحق ہیں اس لیے اصل اور حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کا ہے جو بذاتِ خود مستقل اور قائم بالذات ہے اس لیے وجود اور موجود دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ موجود کا مفہوم یہ ہے کہ جس کے ساتھ وجود کا قیام ہو، خواہ وہ صفت موصوف کی شکل میں ہو یا وہ بذاتِ خود قائم ہو۔ ایسی صورت میں یہ وجود ایک جداگانہ اور مستقل حقیقت ہے اور ایسی صفت نہیں جو کسی دوسرے کے ساتھ قائم ہو سکے[۱]

(۴)

مخلوق کے لیے اطاعت حقیقی اور ذاتی محتاجی ہے کیونکہ حقیقت میں ان کا نہ کوئی وجود ہے اور نہ ظاہری نمود ہے ۔ بلکہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے وجود کا عکس ہے جو اعیان (چیزوں) کے آئینوں اور ان کی جلوہ گاہوں میں نمودار ہے مگر وہ خود معدوم ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی جس برتن میں ہو اس کا رنگ قبول کر لیتا ہے حالانکہ پانی کا کوئی رنگ نہیں ہوتا اور اس میں جو رنگ نظر آتا ہے وہ دوسری چیز کا رنگ ہوتا ہے اس کا اپنا رنگ نہیں ہوتا چنانچہ جب حضرت جنید بغدادی سے توحید کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا : " پانی کے رنگ میں اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے "۔ یعنی وہ کمالات اور وجود جو اعیان میں نظر آرہے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کا عکس ہے انھوں نے وجود کی خوشبو تک بھی نہیں سونگھی لہٰذا یہ کائنات ان اعیان (چیزوں) سے مرکب ہے جو تجلی باری تعالیٰ کے

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : رسالہ تہلیلیہ مترجم مطبوعہ کراچی، ص ۲۱

ذریعے موجود و مخلوق سمجھی گئی ہیں۔ اسی طرح اس ظاہری وجود سے، جو حقیقت میں عدم ہے، نظامِ عالم قائم ہے[1]

(۵)

یہ ذہن نشین رہے کہ فلاسفہ اور صوفیائے کرام کی یہ متفقہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس کی عین ذات ہے اور اس کے ماسولی کا وجود ذات واجب الوجود اور قائم بالذات ہستی سے خاص تعلق اور نسبت مخصوصہ کی بنا پر ہے مگر اس کا وجود مستقل اور قائم بالذات وصف نہیں جیسا کہ لوہار اور دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی کی مثال میں وضاحت کی گئی ہے[2]

(۶)

حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ وجود کے ساتھ بہ خلاف تمام موجودات کے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ ذات کے ساتھ موجود ہونے سے اللہ تعالیٰ کو وجود کی احتیاج لازم نہیں آتی تاکہ لوگ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود عین ذات ہے اور غیر کی احتیاج لازم نہ آئے۔ اللہ جل سلطانہٗ کے وجود کو عین ذات ثابت کرنے کے لیے بلند دلائل کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور جمہور اہلسنت و جماعت کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ بزرگ وجود کے عین ذات ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ وجود کو زائد سمجھتے ہیں یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر ہم ذاتِ واجب تعالیٰ و تقدس کو ایسے وجود کے ساتھ موجود کہیں جو اس کی ذات پر زائد ہو اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس وجود کو ہم عرضِ عام کی حیثیت سے لیں تو اہلِ حق کے جمہور متکلمین کا نظریہ بھی درست قرار پا جاتا ہے اور احتیاج کا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: رسالہ تہلیلیہ مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۳۲

[2] ایضاً: ص ۳۵

اعتراض جو مخالفین پیش کرتے ہیں وہ بھی دفع ہو جاتا ہے۔ اس بات کے درمیان کہ:

۱۔ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور وجود کا اس میں دخل نہ دیں

۲۔ اسے وجود کے ساتھ موجود کہیں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کریں دونوں میں واضح فرق ہے یہ معرفت ان خصوصیات سے ہے جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھے خاص فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ [1]

(۷)

اللہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی خصوصیات سے ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور موجود ہونے میں اپنے وجود کا قطعاً محتاج نہیں ہے .... خالق کائنات اگر مستقل طور پر اپنی ہی ذات سے موجود ہو اور موجود ہونے میں قطعاً وجود کا محتاج نہ ہو تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے حقیقت سے دُور لوگ اگر اسے بعید سمجھتے ہیں تو ان کا معاملہ مبحث سے خارج ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْہَمُ لِلصَّوَابِ [2]

(۸)

ہم ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتے جو احاطہ شہود میں آسکے جو دیکھا جاسکے، دائرہ معلومات میں آسکے اور وہم و گمان میں سما سکے کیونکہ مشہود، مرئی، معلوم اور موہوم و متخیل بھی مشاہدہ کرنے والے، دیکھنے والے، جاننے والے، وہم کرنے والے اور خیال دوڑانے والے کی طرح مخلوق و حادث ہے۔ ع

سما سکتا نہ منہ میں ہو، میں اس لقمہ کا طالب ہوں [3]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبداء و معاد: ص ۴۴

[2] ایضاً : ص ۴۵، ۴۶

[3] ایضاً : ص ۴۷

(۹)

اسی طرح وجود جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات کا عین ہے وہ بسیط حقیقی ہے اور نقطہ کی طرح تجزیہ و تقسیم اس میں ہرگز جاری نہیں ہو سکتی لیکن بے شمار اشیاء کے ساتھ تعلق رکھنے کے باعث منسبط اور مسطح نظر آتا ہے[۱]

(۱۰)

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اس کی ہستی بذاتِ خود قائم ہے اور جس طرح سے وہ اب ہے ہمیشہ سے اسی طرح ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کی اس ذات مقدس تک رسائی نہیں کیونکہ وجوبِ وجود اس کی بارگاہ عالی کا ادنیٰ خادم ہے اور سلبِ عدم اس کی مقدس بارگاہ کا کمترین خاکروب۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے جسے عالم کہتے ہیں خواہ وہ عناصر و افلاک ہوں، خواہ عقول و نفوس اور خواہ بساط و مرکبات، تمام خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدم ذاتی اور زمانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے اور اس کے ماسوا کے لیے حدثِ ذاتی و زمانی ثابت ہے[۲]

(۱۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات پر شیون کی زیادتی محض اعتباری ہے اور اس کی ذات پر صفات کی زیادتی، وجود خارجی کے ذریعے ہے، اس لیے کہ صفات خارج میں ذات پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں جیسا کہ اہلِ حق کا مذہب ہے اور شیون و صفات میں فرق بہت ہی دقیق ہے۔ اُمتِ محمدیہ کے صرف کامل ترین افراد، اس فرق سے باخبر ہیں اس

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، معارف لدنیہ، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء ص ۱۷

[۲] " " مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۶۷

گروہ میں سے اکثر نے اس فرق کو نہ سمجھنے کے باعث شیون کو عین صفات سمجھا ہے۔ اور خارج میں صفات کے وجود سے منکر ہو گئے ہیں حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ یہ بات اجماعِ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس فقیر نے مذکورہ فرق کو اپنے بعض مسودات میں تفصیل کے ساتھ لکھا۔ نیز نظیروں اور مثالوں کے ساتھ روشن واہین کر دیا ہے۔ قصہ مختصر کہ شیون دائرہ اصل میں داخل ہیں کسی ظلیت کو ان کی جانب راہ نہیں [1]

(۱۲)

حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے۔ تمام مسلمانوں کا اس عقیدے پر اجماع ہے اور جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی کے قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی اسی وجہ سے تکفیر کی تھی کہ وہ عقول ونفوس کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ نیز صورت اور ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو بھی ان اشیاء سمیت جو ان میں ہیں، وہ قدیم سمجھتے ہیں [2]

(۱۳)

اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے جوہر اور عرض نہیں ہے۔ محدود اور متناہی نہیں ہے طویل اور عریض نہیں ہے، دراز اور کوتاہ نہیں ہے، فراخ اور تنگ نہیں ہے، وہ فراخی والا ہے لیکن ایسی وسعت کے ساتھ نہیں جو ہمارے فہم میں آسکے۔ وہ محیط ہے لیکن اس کا احاطہ ایسا نہیں ہے جس کا ادراک کیا جا سکے۔ وہ قریب ہے لیکن ایسے قرب کیساتھ

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکاشفات عینیہ مجددیہ، ص ۲۹

[2] 〃 〃 مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ سوم مکتوب ۵،

نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن معیتِ متعارفہ کے ساتھ نہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ فراخی والا ہے، احاطہ کرنے والا ہے، قریب ہے، ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیات کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیسی ہیں؟ اور جو کچھ اس سلسلے میں ہم سمجھتے ہیں کہ اس پر یقین کرنا مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے[1]

(۱۴)

اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے اور کوئی چیز اس سے متحد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے اجزاء و حصص ہونے محال ہیں اور ترکیب و تحلیل اس کی بارگاہ میں ممنوع ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی کفو اور مثل نہیں ہے۔ اس کے بیوی بچے نہیں ہیں۔ ان کی ذات و صفات بے چون و بے چگون اور بے شبیہ و بے نمونہ ہیں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اپنے ان اسماء و صفاتِ کاملہ سے متصف ہے جن کے ساتھ خود اس نے اپنی تعریف کی ہے لیکن ان صفات کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آئے یا جس کا ہم تصوّر کر سکتے ہیں ان سے اس کی ذات پاک اور بلند ہے[2]

(۱۵)

اللہ تعالیٰ کے اسماء توفیقی ہیں یعنی شارع سے سننے پر موقوف ہیں ایسا نام جس کا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر شریعت میں اطلاق ہوا ہے صرف اسی کا اطلاق کرنا چاہیے اور جو اس کے لیے وارد نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے اگرچہ اس اسم میں اچھے معنی ہی پائے جائیں مثلاً جَوَاد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہنا جائز ہے کیونکہ یہ شریعت میں وارد ہوا ہے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۶۷
[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۶۷

لیکن سخی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ یہ شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے [۱]

(۱۶)

اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں نہ وجود میں اور نہ الوہیت میں اور نہ استحقاق عبادت میں۔ کیونکہ شریک کی ضرورت اس وقت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیت کے منافی ہے اور جب وہ کافی اور مستقل ہے تو شریک بے کار ٹھہرے گا اور یہ بھی نقص کی علامت ہے جو الوہیت اور وجوب کے منافی ہے [۲]

(۱۷)

صفاتِ امکان وحدوث جو سراسر نقص و شرارت ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی جناب قُدس سے دُور رکھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ جزئیات وکلیات کا جاننے والا ہے اور اسرار و خفیات سب اس پر روشن ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی حقیر سے حقیر ذرہ بھی ایسا نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو [۳]

(۱۸)

اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے وجود میں آئی ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے انھوں نے عدم سے وجود کے میدان میں قدم رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وہ عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہے اور باقی تمام چیزیں حادث اور نو پید۔ جو قدیم و ازلی ہے وہ

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[۲] 〃 〃 〃 دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[۳] 〃 〃 〃 دفتر سوم، مکتوب ۱۷

باقی اور ابدی بھی ہے اور جو حادث و ناپید ہے ۔ وہ فانی اور زوال کے میدان میں ہے [1]

(۱۹)

نقص کی صفات اللہ تعالیٰ کی جناب سے مسلوب ہیں اللہ تعالیٰ جواہر و اجسام و اعراض کے لوازمات وصفات سے پاک ہے ، زمان و مکان و جہت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں ۔ بڑا بے خبر ہے وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کو عرش کے اوپر بتاتا ہے اور اس کے لیے فوق کی جہت تجویز کرتا ہے ۔ عرش اور اس کے ساتھ تمام چیزیں حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ، حادث اور مخلوق کی کیا مجال کہ وہ خالقِ قدیم کا مکاں قرار پائے یا اس کی قرارگاہ بنے [2]

(۲۰)

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کوئی بھی ایسا نہیں جو الوہیت و معبودیت کا استحقاق رکھتا ہو مگر خداوند تعالیٰ جو بے مثل ، واجب الوجود اور حدوث و نقص سے پاک اور بری ہے عبادت کی مستحق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کو تمام کمالات حاصل ہوں کیونکہ عبادت کمال تذلل اور خضوع و انکساری کا نام ہے اور خدا کے سوا تمام چیزیں اپنے وجود اور اس کے توابعات میں خدا کی ہی محتاج ہیں جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور حقیقی نافع و ضارّ وہی ہے اور کوئی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتی ۔ ایسی صفاتِ کاملہ والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا ہے [3]

---

[1] شیخ احمد سرہندی ، مجدد الف ثانی ، مکتوبات امام ربانی ، دفتر دوم مکتوب ۶۷

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 دفتر سوم ، مکتوب ۲

(۲۱)

جاننا چاہیے کہ بہشت اور بہشت کے علاوہ باقی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نسبت کے لحاظ سے سب برابر ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان میں سے کسی میں بھی حلول و تمکن نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بعض چیزوں میں خداوند تعالیٰ کے ظہورِ انوار کی قابلیت ہے اور بعض میں نہیں، مثلاً آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے جبکہ پتھر اور اینٹ یہ قابلیت ہے۔ پس جو فرق ہے وہ اس جانب سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب کی برابر نسبت ہے[۱]

(۲۲)

جاننا چاہیے کہ ممکنات کیا جواہر، کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر، سب کے سب اس قادر و مختار کی محتاج کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اسی طرح بقا میں بھی اسی کی محتاج ہیں اور اس نے اسباب و وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ نہیں بنایا بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ۔ وہ دانش مند جن کی چشم بصیرت انبیائے کرام کی متابعت کے سرمہ سے سرمگیں اور روشن ہوئی ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں حقیقت میں جماد محض ہیں۔ دریں حالات وہ کس طرح دوسرے پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور کس طرح ان میں اختراع و احداث پیدا کر سکتے ہیں جبکہ وہ بھی انھیں کی طرح جماد محض ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

ہوسکتا کہ ان کے سوا کوئی اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا اور ہر ایک کو اس کے لائق کمالات عطا فرماتا ہے۔ پس جس طرح عقل مند آدمی کسی جمادِ محض کے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کا سراغ لگاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس جماد کے مناسبِ حال نہیں ہے بلکہ فاعل اس کے سوا کوئی اور ہے جس نے یہ فعل اس کے اندر ایجاد کیا ہے۔

یہ فعل عقل مندوں کے نزدیک فاعلِ حقیقی کے فعل کا چھپانے والا نہ ہوا، بلکہ بجادیت کی طرف دیکھنے کے لحاظ سے اس کا فاعلِ حقیقی کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے ہاں اس بے وقوف کی نظر میں جماد کا فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا چھپانے والا ہوسکتا ہے۔ جس نے اپنی کمال نادانی اور بے وقوفی کے باعث جمادِ محض کو اس فعل کے سبب صاحب قدرت سمجھا ہے اور فاعلِ حقیقی کی طرف سے کافر و منکر ہوگیا ہے [1]

(۲۲)

باقی رہی اسباب کی تاثیر تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ان میں تاثیر پیدا نہ کرے اور کوئی اثر ان پر مرتب نہ ہو جیسا کہ ہم اسباب میں روزمرہ اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسبباب کے وجود مترتب ہوتے ہیں اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے تاثیر کو ماننا چاہیے اور اسی تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیے فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے [2]

واللہ سبحانہٗ اعلم

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۲۶۶، دفتر اوّل

[2] ایضاً۔

(۲۴)

حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ و رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہلسنت وجماعت کو ہدایت فرمائی ہے جبکہ باقی تمام فرقے اس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کے باعث گمراہ ہیں۔[1]

(۲۵)

جاننا چاہیے کہ عرش کیا کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ عرش کے اوپر قرار پذیر ہے اور اس طرح مقام اور جہت اس کے لیے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور ہر ایسی شئے سے جو اس کی جناب تقدس وتعالیٰ کے لائق نہیں۔ پاک اور منزہ ہے۔ زید کی صورت کا شیشے میں نظر آنا زید کے شیشے میں قرار پذیر ہونے کو مستلزم نہیں۔ اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پھنس جاتے ہیں۔[2]

(۲۶)

اللہ تعالیٰ جیسے بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے وہ فعل اچھے ہوں یا برے سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی نہیں ہے ہر چند کہ یہ دونوں اسی کے ارادے اور مشیت سے ہیں لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی اور برے کاموں سے راضی نہیں ہے ہر چند کہ یہ دونوں اسی کی طرف سے ہیں لیکن تنہا شر کو سوئے ادبی کے باعث اس کی طرف منسوب نہ کریں یعنی خالق الشر نہیں کہنا چاہیے بلکہ خَالِقُ الْخَیْرِ وَالشَّرِّ کہا جائے اسی طرح علماء نے فرمایا ہے کہ

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مکتوبات ۲۶۶، دفتر اول

[2] ” ” مکتوب ۱۱، دفتر دوم

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق کہنا تو بالکل درست ہے لیکن گندگیوں اور خنزیروں کا خالق نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے [۱]

(۲۷)

معتزلہ جو اپنے اندر بُت پرستی کا اثر رکھتے ہیں وہ افعال کا خالق بندے کو جانتے ہیں اسی لیے اچھے بُرے فعل کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں۔ شریعت اور عقل دونوں ان کی تکذیب کرتے ہیں ہاں علمائِ حق نے بندے کی قدرت کو اس کے فعل میں دخل انداز جانا ہے اور بندہ کے لیے کسب کا اثبات کیا ہے اس لیے کہ رعشہ والے کی حرکت اور اختیار والے کی حرکت میں واضح فرق ہے۔ رعشہ والے کی حرکت میں بندے کی قدرت اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہے جبکہ اختیاری حرکت میں دخل ہے اور یہ دخل کا اتنا فرق ہی مواخذے کا باعث ہوتا اور عذاب و ثواب کا اثبات کرتا ہے۔ کتنے ہی لوگ بندے کی قدرت اور اختیاری میں شک رکھتے ہیں اور اسی لیے بندوں کو مجبور اور عاجز جانتے ہیں ایسے لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا ہے۔

(۲۸)

بندے میں اختیار و قدرت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے یہ بات تو اصولِ بندگی سے دُور ہے بلکہ اختیار کا مطلب تو یہ ہے کہ جس چیز کا بندے کو مکلف ٹھہرایا گیا ہے اسے کرنے کی طاقت بھی دی ہے مثلاً بندہ پنج وقتہ نماز پڑھ سکتا ہے چالیسواں حصہ مال سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ سال میں ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ ہوتے ہوئے حج کر سکتا ہے۔

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم مکتوب ۶۷

[۲] 〃 〃 〃 〃 〃

علیٰ ہذا القیاس شریعت کے باقی احکام بھی ہیں ان میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے بندے کے ضعف اور کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمال مہربانی سے سہولت اور آسانی کی رعایت رکھی ہے[1]

(۲۹)

وہ جو علماء نے کہا ہے کہ لَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ تعالیٰ زَمَانٌ یعنی اللہ تعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہوتے اس کی صورت یہی ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سامنے ازل سے ابد تک ایک آنِ واحد ہے، جو حاضر ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اسی ایک آن میں متعدد امور کا ظہور ہوتا ہے اور لوحِ ہستی پر مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لہٰذا اس تعلق کی وجہ سے وہی ایک آن متعدد آنوں اور متعدد زمانوں کی صورت میں نظر آتی ہے[2]

(۳۰)

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے، پہاڑوں اور سمندروں کا خالق ہے درختوں اور پھلوں کا خالق ہے۔ کانوں اور نباتات کا خالق ہے جس طرح اس نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے۔ اسی طرح زمین کو انسانوں سے مزین فرمایا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے مختصر یہ کہ تمام اشیاء کو وہی عدم سے وجود میں لایا ہے اور حادث بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز بھی قدیم نہیں ہے اور نہ قدیم ہوسکتی ہے۔ تمام اہلِ مذہب اللہ تعالیٰ کے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۶۷

[2] 〃 〃 〃 معارف لدنیہ، مطبوعہ کراچی ص ۱۷

سوا ہر چیز کے حدوث پر اجماع رکھتے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قدیم نہیں ہے اور جو خدا کے سوا کسی اور کے قدیم ہونے کا قائل ہو اسے گمراہ اور کافر کہتے ہیں امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ منقذ من الضلال میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کو کافر کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی قدیم جانتے ہیں اور وہ لوگ جو آسمانوں ستاروں اور ان جیسی دوسری چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ قرآنِ مجید ان کی تردید کرتا ہے[1]

(۲۰)

جس طرح بندے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں پیدا کرنے کا اس کے سوا کسی میں یارا نہیں کیونکہ ممکن سے ممکن کی ایجاد نہیں ہو سکتی ممکن قصورِ قدرت اور نقصِ علم سے داغدار ہے لہٰذا ایجاد اور خلق کے لائق نہیں ہے[2]

(۲۱)

بندہ جو اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے وہ بندے کا کسب ہے جو اس کی قدرت اور ارادے سے واقع ہوتا ہے فعل کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور کسبِ فعل بندے کی جانب سے ہے پس بندے کا اختیاری فعل بندے کے کسب اور اللہ تعالیٰ کی خلق کے مجموعے سے واقع ہوتا ہے اور اگر بندے کے کسب اور اختیار کو فعل میں بالکل دخل نہ ہو تو رعشہ کا حکم پیدا ہو گا اور یہ بالکل خلافِ محسوس و مشاہدہ ہے۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ رعشہ والے کا فعل اور ہے اور اختیار والے کا فعل اور ہوتا ہے اور یہی فرق اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ فعل میں بندے کے کسب کا دخل ہے۔

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] ایضاً

اور خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے فعل میں قصد بندہ کے تابع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ بندے کے قصد کے بعد بندے میں فعل ایجاد فرماتا ہے جس کے باعث بندہ ممدوح یا ملوم ٹھہرتا ہے اور اسی پر اسے عذاب یا ثواب ملتا ہے [1]

(۲۳)

اللہ تعالیٰ نے جو قصد و اختیار بندے کو دے رکھا ہے وہ فعل اور ترکِ فعل دونوں کے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی فعل کا حسن و قبح تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے اس کے باوجود جب بندہ ایک جہت کو اختیار کرتا ہے تو اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اس کی ملامت کی جائے یا اسے ممدوح ٹھہرایا جائے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو وہ قدرت و اختیار دیا ہے کہ شرعی اوامر و نواہی سے عہدہ برآ ہو سکے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ پوری قدرت اور پورا اختیار دیا جاتا بلکہ اتنا دے دیا ہے جتنا چاہیے تھا اور اس کا منکر ہدایت کا معارضہ کرتا ہے۔ بیمار دل والا ہے اور شریعت کی تکمیل میں عاجز ہے ...... یہ مسئلہ علم کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے اس مسئلہ کی انتہائی شرح و بیان یہی ہے جو ان اوراق میں مندرج ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے جو کچھ علمائے اہلِ حق نے فرمایا ہے وہ پورا کرنا چاہیے اور مقابلہ اور جنگ میں پڑنا نہیں چاہیے [2]

(۲۴)

سفیہے باشد بلکہ منکر نص قرآنی	وہ بے وقوف بلکہ نصِ قرآنی کا
بود کہ بقدم بعض ماسوی لب	منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بعض

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم مکتوب ۱۷

[2] ایضاً

کشاید و بقدم افلاک و کواکب حکم
کند و بسائط عناصر را قدیم داند و
عقول و نفوس را ازلی و قدیم
داند و تصوّر نماید، اجماعِ اہلِ ملت
بر حدوثِ ماسوائے حق جلّ و
علا منعقد گشتہ است و باتفاق
حکم بوجود ماسوای بعد از عدمِ
سابق نمودہ اند چنانچہ امام
حجۃ الاسلام در رسالہ المنقذ
من الضلال تصریح باین معنی
نمودہ است و جماعہ کہ بقدم
بعضے از اجزائے عالم قائل
گشتہ اندازیں راہ تکفیر آنہا
فرمودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس
حکم بقدمے شے از اشیاءِ
ممکنہ خروج از ملّت است
و دخول در فلسفہ و چنانچہ ماسوائے
حق را جل سلطانہ، عدمِ سابق
کائن است عدم لاحق نیز دامنگیر
اوست ۱؎

چیزوں کو قدیم بنانے میں لب کشائی
کرتا ہے اور افلاک و کواکب کے
قدیم ہونے کا حکم لگائے اور بسیط
عناصر کو قدیم جانے اور عقول و نفوس
کو قدیم اور ازلی تصوّر کرے۔
ماسوائے حق جل و علا کے حادث
ہونے پر ملت اسلامیہ کا اجماع منعقد
ہو چکا ہے اور سب نے اتفاق رائے
سے عدم سابق کے بعد ماسوای کے وجود
میں آنے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ
حجۃ الاسلام، امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے اپنے رسالہ "المنقذ من الضلال"
میں اس معنی کی تصریح فرمائی ہے اور
وہ جماعت جو اجزائے عالم میں سے بعض
کے قدیم ہونے کے قائل ہیں ان کی تکفیر
فرمائی ہے پس اشیائے ممکنہ میں سے کسی
چیز کے قدیم ہونے کا حکم لگانا ملتِ
اسلامیہ سے خارج ہو کر فلاسفہ میں
داخل ہونا ہے کیونکہ حق جل سلطانہ کے
ماسوای کا جہاں عدم سابق ثابت ہے

۱؎ شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم مکتوب ۵۷

وہاں عدم لاحق بھی اس سے دامنگیر ہے۔

(۲۵)

اس بارگاہِ قدس تک کسی عالم کا علم نہیں پہنچ سکتا اور اسے معرفہ بنانے میں کسی معرفہ ساز کی معرفہ سازی مفید نہیں ہو سکتی لہٰذا حق تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بزرگ تر ہے کہ اس کا ادراک کیا جائے اور اس سے کہیں عظیم تر ہے کہ اسے پہچانا جا سکے اور اس سے کہیں بلند تر ہے کہ اسے کوئی جان سکے [۱]

(۲۶)

حق تعالیٰ سبحانہٗ کسی جہت میں نہیں ہے وہ مکان اور زمان نہیں ہے ارشاد باری اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی سے جہت و مکان کے ثبوت کا وہم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے اس جہت و مکان کا ثبوت ہو رہا ہے جہاں جہت ہے نہ مکان پس یہ اللہ تعالیٰ کی بے جہتی و مکانی ہی سے کنایہ ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے جوہر و عرض نہیں ہے۔ اشارے کے قابل نہیں ہے اس کے متعلق حرکت اور تبدیلی کا تصوّر کرنا بھی درست نہیں ہے اس کی ذات قدیم کے ساتھ حوادث کا قیام جائز نہیں ہے۔ اعراض محسوسہ و معقولہ میں سے وہ کسی عرض کے ساتھ متصف نہیں ہے نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے نہ وہ عالم سے متصل ہے اور نہ منفصل ہے۔ کائنات کے ساتھ اس کی معیت علمی ہے نہ کہ ذاتی اور دنیا کا احاطہ اس نے علم کے ساتھ کیا ہوا ہے نہ کہ ذات کے ساتھ۔ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا [۲]

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : معارف لدنیہ ، مطبوعہ کراچی ص ۱۰

[۲] 〃 〃 〃 〃 ص ۲۸

(۴۷)

جاننا چاہیے کہ شہود اور کشف سے بعض صوفیا جو معنی نکالتے ہیں اس کی اصل ان ذہنوں میں ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے بیکراں ہونے کے قائل ہیں۔ اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے ہم ایمان لاتے ہیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر محیط ہے وہ ان کے قریب ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ احاطہ اور قرب کا (حقیقی) مفہوم کیا ہے احاطہ اور قرب علمی بھی کہنا متشابہات میں ایک طرح کی تاویل کرنا ہے اس لیے ہم یہ بات بھی جائز نہیں سمجھتے اور اس کا علم بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں[۱]

(۴۸)

حق سبحانہ تعالیٰ تمام معلومات کا جاننے والا ہے ایسی صفتِ علم کے ساتھ جو اس کی ذات پر زائد ہے خواہ وہ معلوم واجب ہو یا ممکن اور علم حقیقی صفت ہے جس کا معلوم سے تعلق ہے جس طرح صفت باری تعالیٰ کی کیفیت معلوم نہیں جیسا کہ مذکور ہوا اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا معلومات کے ساتھ تعلق کس طرح ہے بس اتنی سی بات سمجھ میں آیا کرتی ہے کہ یہ تعلق معلوم نہیں کہ انکشاف کا سبب ہوتا ہے اور کتنے ہی آدمی ایسے ہیں جو اس حقیقت پر مطلع نہیں ہوتے وہ حاضر کو غائب پر قیاس کر کے اضطراب اور حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں[۲]

(۴۹)

اللہ تعالیٰ و تقدس کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں۔

قسم اول:۔ صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالق ہونا، رازق ہونا۔

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، شرح رباعیات، مطبوعہ کراچی ص ۲۷

[۲] 〃 〃 مبداء و معاد ص ۸۷

قسم دوم[2]: صفاتِ حقیقیہ ہیں لیکن یہ اپنے اندر اضافت کا بھی ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

قسم سوم[3]: بصر اور کلام او رحقیقت محض ہے جیسے حیات، اس صفت میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے۔ اور اضافت سے ہماری مراد دنیا کے ساتھ تعلق ہے صفات کی یہ تیسری قسم باقی اقسام سے اعلیٰ اور تمام اقسام سے اس کی جامع اور امہات صفت ہے۔ صفتِ علم اپنی جامعیت کے باوجود صفت حیات کے تابع ہے اور صفات و شیونات کا دائرہ حیات پر ختم ہوتا ہے اور مطلوب کے حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی ہے جبکہ صفتِ حیات کا درجہ صفت علم سے اونچا ہے تو لامحالہ اس مقام تک رسائی بھی مراتبِ علم کو طے کر لینے کے بعد ہو گی خواہ وہ علمِ ظاہر ہو یا علمِ باطن، خواہ علمِ شریعت ہو یا علم طریقت، اور اس دروازے میں داخل ہونے والے خوش نصیب بہت ہی کم ہیں اور جو گلیوں میں کھڑے ہو کر مکان کے اندر جھانک لیتے ہیں۔ وہ بھی کم ہیں۔ اگر میں اس مقام کے اسرار میں سے کوئی ایک بھید بھی ظاہر کر دوں تو لوگ میرا گلہ کاٹ ڈالیں گے[1]

(۴۰)

حیات[1]، علم[2]، قدرت[3]، ارادہ[4]، سمع[5]، بصر[6]، کلام[7] اور تکوین[8] ان آٹھ[8] صفات کو صفاتِ حقیقیہ کہتے ہیں کیونکہ وہ قدیم ہیں اور خارج میں اللہ تعالیٰ کے وجود ہیں جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور مخالفین اہلِ سنت میں سے کوئی فرقہ بھی صفاتِ زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے یہاں تک کہ خود اس فرقہ ناجیہ میں سے بعض متاخرینِ صوفیاء بھی صفات کو عین ذات کہتے ہیں اور مخالفینِ حق کے ہم نوا بن گئے ہیں وہ اگرچہ نفی صفات سے پرہیز کرتے ہیں لیکن ان کے اصول اور

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مبداء و معاد ص ۸۷

ان کی بعض عبارتوں کے متبادر معنی سے صفات کی نفی لازم آتی ہے جبکہ مخالفوں نے صفاتِ کاملہ کے انکار کو اپنا کمال سمجھا ہوا ہے اور اپنی عقل کے پیچھے لگ کر نصوصِ قرآنیہ سے دُور چلے گئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انھیں سیدھے راستے کی جانب ہدایت فرمائے [1]

(۴۱)

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نفسِ وجود اور تمام کمالات میں جو کہ وجود کے توابع ہیں مثلاً حیات[1]، علم[2]، قدرت[3]، بصر[4]، ارادہ[5]، سمع[6]، کلام[7] اور تکوین[8] میں بذاتِ اقدس خود کافی ہے ۔ اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفاتِ زائدہ کا محتاج نہیں ہے اگرچہ صفاتِ کاملہ زائدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں پس اللہ تعالیٰ جس طرح خود اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ اپنے وجود سے ۔ اسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ صفتِ حیات سے اور اپنی ذات سے جاننے والا ہے نہ کہ صفتِ علم سے اور اپنی ذات سے دیکھنے والا ہے نہ کہ صفتِ بصر سے اور اپنی ذات سے سننے والا ہے نہ کہ صفتِ سمع سے اور اپنی ذات سے قادر ہے نہ کہ صفتِ قدرت سے اور اپنی ذات سے ارادہ کرنے والا ہے نہ کہ صفتِ ارادہ سے اور اپنی ذات سے متکلم ہے نہ کہ صفتِ کلام سے اور اپنی ذات سے کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفتِ تکوین سے [2]

(۴۲)

اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی صفات کے واسطہ سے ہے چنانچہ اس معنی کی تحقیق عنقریب آئے گی تکوین قدرت کے سوا اور چیز ہے قدرت میں فعل اور ترکِ فعل دونوں برابر ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے نیز یہ فرق بھی ہے کہ قدرت ارادے کہ

---

[1] شیخ احمد سرہندی ، مجدد الف ثانی ، مکتوبات امام ربانی ، دفتر سوم ، مکتوب ۱۷

[2] 〃 〃 〃 〃 مکتوب ۲۶

مقدم ہوتی ہے اور تکوین ارادے کے بعد ہے تکوین بظاہر بندوں کی استطاعت کے مشابہ ہے اسی لیے علمائے اہل حق نے اس کو بندے کے فعل سے متصل رکھا ہے اور اسے قدرت وارادے کی صفت کے علاوہ سمجھا ہے کیونکہ قدرت طرفین یعنی فعل اور ترکِ فعل کو برقرار رکھتی ہے جبکہ ارادہ ایک طرف کو ترجیح دینے والا ہے اور ترجیح وارادہ کے بغیر ایجاد کا فعل تکوین سے ہے اگر قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین کی مصحح ہے تو جبر لازم آئے گا اور اگر تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد بے سہارا رہ جاتی ہے کیونکہ قدرت ایجاد کی مصحح ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے پس تکوین کا اثبات کیے بغیر چارہ نہیں ہے اور علمائے ماتریدیہ کو اس کی جانب رہنمائی حاصل ہوئی ہے جبکہ اشاعرہ نے اس کی نسبت اور تعلق کو بہت سی چیزوں کے ساتھ ہونے کے باعث اسے صفاتِ اضافیہ سے شمار کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی حق دکھانے والا اور سیدھے راستے کی جانب راہنمائی کرنے والا ہے[1]

(۴۳)

حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل یگانہ ہے اس کی ذات وصفات مخلوق کی ذات وصفات سے بالکل مختلف ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کی مناسبت نہیں ہے پس حق سبحانہ تعالیٰ مثل یعنی مماثل موافق سے اور ند یعنی مماثل مخالف سے معبود ہونے، صانع ہونے اور واجب الوجود ہونے میں شریک نہیں رکھتا[2]

(۴۴)

آیہ کریمہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ میں حق سبحانہ تعالیٰ نے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۶

[2] 〃 〃 معارف لدنیہ : ص ۲۷

بلیغ انداز میں اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے چونکہ اس آیت میں اپنی مثل کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود تو صرف اپنی مثل کی نفی کرنا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ جب اس کی مثل کا مثل بھی نہیں ہوسکتا تو خود اس کی مثل بطریقِ اولیٰ ناممکن ہے لہٰذا کنایہ کے طور پر اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ صریح کے مقابلے میں کنایہ بلیغ ترین اندازِ بیان ہے، جیسا کہ ماہرینِ بیان وادب کے نزدیک ثابت ہے۔

اس کے متصل ہی وھو السمیع البصیر فرمانے سے صفاتی مماثلت کی نفی فرما دینا مقصود ہے، جیسا کہ اس سے پہلے مماثلت ذات کی نفی فرمائی گئی ہے' اس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی حقیقت میں سمیع وبصیر ہے کسی دوسرے کو سمع وبصر حاصل نہیں ہے۔ یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے کیونکہ مخلوقات میں صفات کی صورت تو پائی جاتی ہے لیکن ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر علم ایک صفت ہے جس کے باعث انکشاف ہوتا ہے اور قدرت بھی ایک صفت ہے جس کے ذریعے افعال اور آثار صادر ہوتے ہیں لیکن مخلوقات میں ان صفات کا وجود نہیں پایا جاتا بلکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی کمالِ قدرت سے مخلوق میں انکشاف کو پیدا کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ انکشاف کا اصل سرچشمہ جو صفتِ علم ہے وہ ان کے اندر موجود ہو، اسی طرح افعال کو بھی وہی ان کے اندر سننے اور دیکھنے کو پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ خود ان کے اندر سننے اور دیکھنے کی قوت موجود ہو۔ اسی طرح حس اور حرکتِ ارادی وغیرہ قسم کے آثارِ حیات بھی ان میں ظاہر ہوجاتے ہیں بغیر اس کے کہ خود وہ حیات رکھتے ہوں۔ وہی مخلوقات میں کلام پیدا کرتا ہے بغیر اس کے کہ قوتِ تکلم پیدا کرے مختصر یہ کہ صفات کے آثار جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے ان میں ظاہر ہوگئے ہیں محض ان آثار کے پائے جانے کی وجہ سے ان پر ان صفات کا (مجازی طور پر) اطلاق کر دیا جاتا ہے بغیر اس کے کہ ان کی صفات کی حقیقت ان کے اندر متحقق ہو حقیقت میں

وہ چند بے حس وحرکت جمادات کے سوا اور کچھ بھی نہیں آیہ مبارکہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ اسی بات کی تصدیق کر رہی ہے۔

یہ مبحث ایک مثال سے بالکل واضح ہو جاتا ہے ہم کہتے ہیں کہ شعبدہ باز لکڑی کا کوئی ماڈل یا کاغذ پر کوئی تصویر بناتا ہے وہ خود پس پردہ بیٹھ کر اس صورت کو حرکت میں لاتا ہے اور عجیب وغریب حرکات اس سے ظاہر کرتا ہے سادہ لوح لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ تصویر اپنی قدرت واختیار سے حرکتیں کر رہی ہے۔ چنانچہ بظاہر حرکات کا اسی سے صدور اس بات کا وہم پیدا کر دیتا ہے کہ تصویر کو قدرت اور ارادے کی صفات حاصل ہیں حالانکہ حقیقت میں نہ اسے قدرت حاصل ہے اور نہ وہ ارادے کی صفت سے متصف ہے۔ اسی طرح یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی بھی رکھتی ہے کیونکہ اس میں زندگی کے آثار جو نظر آتے ہیں اسی طرح یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ علم بھی رکھتی ہے کیونکہ ارادہ تو علم ہی کے تابع ہے اور اگر بالفرض وہ شعبدہ باز اس میں کلام بھی ایجاد کر دے تو کہیں گے کہ وہ کلام بھی رکھتا ہے۔ حالانکہ اس کا حال سامری کے بچھڑے جیسا ہوگا جس نے صفت تکلم سے متصف ہونے کے بغیر آواز نکالی تھی لیکن جن حضرات کی چشم بصیرت دوبینی کے پردے کو چاک کر چکی ہوتی ہے وہ بخوبی دیکھتے اور جانتے ہیں کہ یہ تصویر محض ایک بے جان چیز ہے ان میں سے کوئی ایک صفت بھی اس میں نہیں اس حقیقت کے باوجود ان افعال وحرکات کو تصویر کی جانب ہی منسوب کیا جاتا ہے اور بنانے والے کی طرف کوئی منسوب نہیں کرتا (یعنی عام بول چال میں) مثلاً یہی کہتے ہیں کہ تصویر حرکت کر رہی ہے اور یوں نہیں کہتے کہ بنانے والا حرکت کر رہا ہے کیونکہ بنانے والا تو حرکات وافعال کا پیدا کرنے والا ہے۔

اس کے بعد یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ لذت حاصل کرتا اور الم محسوس کرتا ہے جیسا کہ بعض صوفیا نے کہا ہے اور لذت والم کی ذات باری تعالیٰ سبحانہ کی جانب نسبت ہے، حاشا وکلا۔ اللہ تعالیٰ تو لذت والم کا خالق ہے۔ متلذذ ومتألم ہرگز نہیں ہے۔

جب مخلوق سے صفات کی حقیقت منتفی ہوگئی تو ذات کی حقیقت بھی ان سے منتفی ہوگئی کیونکہ ذات تو اسی کو کہتے ہیں جو خود بخود قائم ہوا اور صفات اسی ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ ذات ہی ان صفات کے آثار کا سرچشمہ ہوا کرتی ہے جبکہ مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بغیر توسطِ صفات و ذات کے ان صفات کے آثار کا اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ پس مخلوق کی ذات نہ ہوئی مگر ان آثار کے ایجاد کا محل۔ پس ذاتِ مخلوق کی حقیقت اس سے منتفی ہوگئی اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی ذات و صفات کی (حقیقت پر نہیں بلکہ) صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

پس ثابت ہوگیا کہ نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کا مثل ہے اور نہ اس کی صفات کا پس ارشاد باری تعالیٰ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ تنزیہ کا پورا کرنے والا اور نفی مماثلت کی تکمیل کرنے والا ہے یہ تنزیہ کے منافی یا تشبیہ کو ثابت کرنے والا نہیں ہے یعنی یہ معنی نہیں ہے کہ جو سمع و بصر مخلوق کے لیے ثابت ہیں اسی طرح کی اللہ تعالیٰ سبحانہ تعالیٰ کی سمع و بصر ہوں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو نہ سمع کی قوت حاصل ہے اور نہ بصری بلکہ ان کا سننا اور دیکھنا صرف اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ مخلوق کی صفاتِ سمع و بصر کے بغیر ان چیزوں کو مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف سمع و بصر ہی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ تمام صفات کی صورت یہی ہے۔ صرف ان دو کا ذکر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کر دینے سے کیونکہ یہ دونوں صفات بہت ظاہر اور مخلوق میں ان کا ثبوت واضح طور پر نظر آتا ہے۔ باقی صفات کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانا جا سکتا ہے اور نہ اس کی صفات کو۔ آدمی جس طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت میں عاجز ہے اسی طرح اس کی صفات کی معرفت میں

بھی عاجز ہے کہاں ایک مشتِ خاک اور کہاں رب الارباب [1]

(۴۵)

اہلِ حق وجودِ صفات کے قائل ہیں اور ان کے وجود کو ذات کے وجود پر زائد سمجھتے ہیں وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو علم کے ساتھ عالم اور قدرت کے ساتھ قادر جانتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس جبکہ معتزلہ اور شیعہ اور حکماء صفات کی نفی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو چیز صفات پر مترتب ہوتی ہے وہ خود ذات پر ہی مترتب ہوتی ہے۔ مثلاً مخلوقات میں انکشاف، صفتِ علم پر مترتب ہوتا ہے اور واجب تعالیٰ میں وہ اس انکشاف کو ذاتِ حق عز سلطانہ پر مترتب کہتے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے ذات ہی علم کی حقیقت ہے اور اسی طرح قدرت اور تمام صفات کا حال ہے اور متاخرین صوفیا میں سے بعض حضرات جو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ نفی صفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور حکماء کے ساتھ متفق ہیں [2]

(۴۶)

اس مسئلہ میں فقیر کا جداگانہ قول ہے اور وہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات ہی ان تمام امور میں جو صفات پر مترتب ہوتے ہیں کافی ہے اس معنی میں نہیں جو علمائے معقول نے کہا ہے کہ انکشاف مثلاً صفتِ علم پر مترتب ہوتا ہے بلکہ اس معنی میں کہ ذاتِ حق عز سلطانہٗ اس انداز پر مکمل اور مستقل ہے کہ وہی سب کا کام کر لیتی ہے یعنی جو کام علم و دانش سے کرنا چاہیے ذاتِ حق عز سلطانہٗ بغیر صفتِ علم کے وہ کام کر لیتی ہے ایسے ہی جو چیز صفتِ قدرت کی اثراندازی سے ظہور پذیر ہوتی ہے ذاتِ حق اس چیز کے ظہور پذیر ہونے میں بغیر اس صفت کے بھی کافی ہے۔

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، معارف لدنیہ، مطبوعہ کراچی ص ۴۲ تا ۴۵

[2] 〃 〃 〃 〃 ص ۴۳ تا ۴۴

میں ایک مثال بیان کرتا ہوں جو جلدی سے سمجھ میں آجانے والی ہے کہ جو پتھر خود اپنے طبعی تقاضے سے اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے ان کی ذات ہی علم، قدرت اور ارادہ کا کام کر لیتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں علم، قُدرت اور ارادہ کی صفات پائی جائیں۔ علم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نیچے کی جانب کو ترجیح دے اور حرکت مقتضائے قدرت ہے۔ پس پتھر کی اپنی طبیعت خود ان تینوں صفات کا کام بغیر ان صفات کا لحاظ کیے ہوئے کر لیتی ہے۔

لہٰذا واجب تعالیٰ میں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اس کی ذات بھی تمام صفات کا کام کرتی ہے اور ان امور کے مترتب ہونے میں وہ صفات کا محتاج نہیں ہے لیکن انکشاف تاثیر اور تخصیص مثلاً علم، قدرت اور ارادہ کی صفت پر مترتب ہوتے ہیں وہ دانا ہے علم کے ساتھ، نہ کہ ذات کے ساتھ وہ مؤثر ہے قُدرت کے ساتھ اور مخصّص ہے ارادہ کے ساتھ۔ اگر بات تو یہ ہے کہ جو کچھ ان صفات کے ذریعے کرنا چاہیے ذات حق جلّ شانہٗ ہی اس میں کافی ہے لیکن یہ معانی صفات پر ہی مترتب ہیں۔ ذات کو ان معانی کے پائے جانے کے بغیر عالم، قادر اور صاحبِ ارادہ نہیں کہہ سکتے۔

مثال کے طور پر اسی پتھر میں اگر علم، قدرت اور ارادہ کی صفات ایجاد کر دیں تو اس پتھر کو صاحبِ علم، صاحبِ قدرت اور صاحب ارادہ کہہ سکتے ہیں لیکن ان زائد معانی کے وجود کے بغیر وہ ان صفات کے بغیر متصف نہیں ہوتا اگرچہ وہ خود ہی ان صفات کا کام کر لیتا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس میں ان معانی کا وجود اس کے کمال کا باعث ہے لہٰذا واجب تعالیٰ میں بھی اگرچہ ذات عزّ سلطانہٗ ہی ان تمام اشیاء میں جو صفات پر مترتب ہوتی ہیں کافی ہے لیکن خود ان معانی کاملہ کے ثبوت میں صفات درکار ہیں اور ذاتِ حق عزّ شانہ ان معانی کے پائے جانے سے صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے [1]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، معارف لدنیہ ص ۲۵ تا ۲۷

(۴۷)

قدرت اور ارادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات پر زائد صفات ہیں قدرت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے لیے عالم کی ایجاد (پیدا کرنا) بھی درست ہے اور ایجاد عالم کو چھوڑ دینا (پیدا نہ کرنا) بھی درست ہے اس ایجاد اور ترک ایجاد میں کوئی بھی حق تعالیٰ کی ذات پر لازم و ضروری نہیں ہے تمام اہلِ مذاہب اس بات پر متفق ہیں [۵۱]

(۴۸)

کلام جو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی صفت ہے وہ بھی نرالی ہے اور ازل سے ابد تک وہ اسی ایک کلام کے ساتھ متکلّم ہے کیوں کہ گونگا ہونا یا خاموش ہونا تو اس بارگاہ جلّ ذکرہٗ کے لیے جائز نہیں اور وہی ایک کلام مختلف مواقع کے ساتھ تعلق ہونے کے باعث متعدد کمالات اور متعدد صیغوں کی صورت میں نظر آتا ہے کبھی اسے امر کہتے ہیں اور کبھی نہی کبھی اسے اسم کہا جاتا ہے اور کبھی حرف۔ وَعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس [۵۲]

(۴۹)

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام کے ساتھ متکلّم ہے یہ کلام ایسا ہے کہ اس کے ٹکڑے اور اجزاء نہیں کیے جا سکتے کیونکہ خاموشی اور گونگا پن اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ کیا عجب ہے کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن ہو کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات پر زمانہ جاری نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ ایک آنِ واحد میں ایک بسیط کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا ہے؟ اس کلامِ واحد سے تعلقات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے کلام کی اس قدر ہو تو اس کا نام نہی ہو جاتا ہے اور اگر اخبار سے متعلق ہو

---

۵۱ شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، معارفِ لدنیہ ص ۳۹ تا ۴۰

۵۲ 〃 〃 〃 ص ۱۷

تو خبر پیدا ہو جاتی ہے۔

اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ اور آئندہ زمانہ کے متعلق خبر دینا بہت سے لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے اور انھیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و تاخر کی طرف لے جاتا ہے لیکن یہ کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ماضی اور مستقبل دلالت کرنے والی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں جو اس آن (ازل تا ابد) کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہو گئی ہیں لیکن مدلول کے مرتبہ میں چونکہ وہ آن خود اپنی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اس میں پیدا نہیں ہوا لہٰذا اس مرتبہ میں گزشتہ اور آئندہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ علمائے معقول (منطق اور فلسفہ) نے کہا ہے کہ ایک ہی حقیقت کے لیے وجود خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجود ذہنی کے اعتبار سے جدا ہوتی ہیں جبکہ ایک ہی چیزیں جیسے دال اور مدلول میں وجود درحقیقت ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی آن ہے تو یہ تعبیر کی تنگ دامانی کے باعث ہے ورنہ وہاں تو درحقیقت اس کی بھی گنجائش نہیں ہے زمانہ کے رنگ میں یہ آن بھی وہاں گراں ہے۔[۵]

(۵۰)

تکوین بھی واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقی صفات میں سے ایک مستقل صفت ہے۔ اشاعرہ تکوین کو صفاتِ اضافیہ سے شمار کرتے ہیں اور وہ قدرت و ارادہ ہی کو ایجادِ عالم کے لیے کافی سمجھتے ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فعل و ترک یعنی کسی کام کا کرنا اور چھوڑ دینا یہ دونوں باتیں صحیح ہوں اور ارادہ کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی ان دونوں جہتوں یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو

---

[۵] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبداء و معاد ص ۶۸

مخصوص اور متعین کر دیا جائے لہٰذا اس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجے پر مقدم ہوتا ہے اور تکوین جسے ہم صفات حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں اس کا درجہ قدرت اور ارادہ دونوں کے بعد ہے اس صفت کا کام اس مخصوص جہت کو وجود میں لے آنا ہے۔

پس قدرت تو فعل کی جہت کو درست قرار دینے والی (مصحح فعل) صفت ہے اور ارادہ فعل کی جہت کو خاص کرنے والی (مخصص فعل) صفت ہے اور تکوین اسے وجود میں لانے والی صفت ہے لہٰذا تکوین کی صفت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے اس کی وہی صورت ہے جو استطاعت مع الفعل کی ہوتی ہے جسے علمائے اہل سنت نے بندوں میں ثابت کیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ استطاعت ثبوتِ قدرت کے بعد ہی ہو سکتی ہے بلکہ ارادہ کے تعلق کے بھی بعد ہوتی ہے اور وجود بخشی کا تحقق اسی استطاعت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی جہت کو ضروری قرار دیتی ہے اور اس کے بالمقابل ترک کی جہت وہاں مفقود ہے۔

تکوین کی صفت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وجود بخشی اس کے ساتھ بطور ایجاب یعنی واجب اور ضروری قرار دینے کے ہوتی ہے لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کی ذات میں کوئی ضرر نہیں پہنچاتا کیونکہ اس کا ثبوت صفتِ قدرت اور صفتِ ارادہ کے متحقق ہو جانے کے بعد ہوتا ہے جبکہ قدرت کے معنی فعل اور ترک کو صحت بخشنے کے ہیں اور ارادہ کے معنی قدرت کی کسی ایک جہت کو خاص کر لینے کے ہیں۔

برخلاف اس کے حکمائے فلسفہ نے کہا ہے اور انھوں نے شرطیۂ اُولیٰ یعنی صحتِ فعل کو واجب الصدق تصور کر لیا ہے اور شرطیہ ثانیہ یعنی صحتِ ترک کو ممتنع الصدق قرار دے لیا ہے اور صفت ارادہ کی نفی کر دی ہے۔ یہ قول ایجاب کے بارے میں واضح ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِیْرًا۔

وہ ایجاب جو ارادہ کے تعلق اور دو زیر قدرت جہتوں میں سے ایک جہت کی

تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ اختیار کو مستلزم ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرنے والا ہے اس کی نفی کرنے والا نہیں ہے اور صاحبِ فتوحات (علامہ ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق ہی واقع ہوا ہے وہ قدرت کے سلسلہ میں شرطیہ اولیٰ کو واجب الصدق سمجھتے ہیں اور ثانی کو ممتنع الصدق۔ یہ تو ایجاب کو تسلیم کر لینا ہوا اس کے نتیجہ میں ارادہ بالکل ہی بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ دو برابر کی جہتوں سے ایک کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا۔ اور اگر صفتِ تکوین میں اس مضمون ایجاب کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ وہ اس ایجاب کے شائبہ سے مبرّا اور پاک ہے۔

یہ فرق بہت دقیق ہے جس کو اس سے پہلے بیان کرنے کی کم ہی سبقت کی ہے۔ علمائے ماتریدیہ نے بھی اگرچہ اس صفت (یعنی تکوین) کا اثبات فرمایا ہے لیکن وہ بھی حدّتِ نظر کے اس مقام تک نہیں گئے۔ علمائے ماتریدیہ کو اتباعِ سنتِ سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے ہی تمام متکلمین میں اس معرفت کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے اور یہ حقیر بھی ان اکابر ہی کے خوشہ چینوں سے ہے ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مُعْتَقَدَاتِهِمُ الْحَقَّةَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا [1]

رویت باری تعالیٰ

(۵۱)

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ از مومناں در آخرت میں ایمان والے اللہ تعالیٰ کو بے جہت

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مبداء و معاد : ص ۷۵، ۷۱

آخرت در بہشت خواہند دید، بے جہت و بے کیف و بے شبہ و بے مثال مسئلہ الیست کہ جمیع فرقِ اہلِ ملت و غیر اہلِ ملت ہمہ منکر آنند در رویت، بے جہت و بے کیف را تجویز نے نمائید[1]

و بے کیف و بے شبہ و بے مثال بہشت میں دیکھیں گے یہ ایک مسئلہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے سوا تمام اہلِ ملت و غیر اہلِ ملت فرقے اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف دیدار کی تجویز کو درست نہیں سمجھتے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

(۵۲)

مومن اللہ تعالیٰ کو بہشت میں بے چون و بے چگون دیکھیں گے کیونکہ جو رویت بے چون سے متعلق ہے وہ خود بھی بے چون ہوگی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چون سے وافر حصہ پائے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔ بادشاہ کے عطیات کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔

آج اس معمہ کو اپنے اخص اولیاء پر حل کر دیا اور ان پر منکشف فرما دیا ہے یہ دقیق مسئلہ ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے لیے تقلیدی۔ اہلِ سنت وجماعت کے علاوہ دیگر فرق و مذاہب سے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، کوئی بھی اس مسئلہ کا قائل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رویت کو بزرگانِ اہلِ سنت وجماعت کے سوا سب محال سمجھتے ہیں اور ان مخالفین کی دلیل غائب کا حاضر پر قیاس ہے جس کا فساد ظاہر ہے ایسے دقیق مسئلہ میں ایمان کا حصول سنتِ سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نورِ متابعت کے بغیر محال ہے۔

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

س لائقِ دولت نہ بود ہر سرے
بارِ مسیحا نہ کشد ہر خیرے [1]

(۵۳)

دنیا میں رویت باری تعالیٰ واقع نہیں ہے یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو دنیا میں رویت کا قائل ہو وہ مفتری ہے اس نے خدا کے سوا کسی اور کو خدا سمجھ رکھا ہے یہ دولت اگر دنیا میں میسر آسکتی تو حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے کی نسبت اس کے زیادہ حق دار تھے [2]

(۵۴)

آخرت میں رویت کا ہونا برحق ہے ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن ہم اس بات کے درپے نہیں ہوتے کہ اس کی کیفیت کیا ہوگی، کیونکہ عوام کا فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے اس وجہ سے نہیں کہ خواص بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے لیے تو اس دولت سے دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے اگرچہ اس کا نام رویت نہیں رکھا جاتا اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے [3]

(۵۵)

آخرت میں ایمان والوں کو اللہ عزوجل کا دیدار ہونا برحق ہے یہ وہ مسئلہ ہے کہ اہلِ سنت وجماعت کے علاوہ مسلمانوں کے باقی فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے اس کے انکار کی وجہ غائب کو حاضر پر قیاس کر لینا ہے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 〃 مبداء ومعاد ؛ ص ۴۷

جو بہر حال خلط فاسد ہے نظر آنے والی ہستی جبکہ بے چون و بے چگون ہو گی اور جو رویت اس سے متعلق ہو گی وہ بھی بے چون ہی ہو گی بس اسی پر ایمان لانا چاہیے اور کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہیے قدرت نے اس راز کو آج بھی خواص اولیاء پر ظاہر فرما دیا ہے وہ مشاہدہ اگرچہ رویت نہیں ہے لیکن وہ رویت سے جدا چیز بھی نہیں ہے۔ جبکہ کیفیت یہ ہوتی ہے کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ کل تمام مومن حق سبحانہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے لیکن ادراک نہیں کر سکیں گے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔

وہ صرف دو چیزیں معلوم کر سکیں گے ایک تو اس بات کا یقینی علم کہ دیکھ رہے ہیں اور دوسرے وہ لذت جو رویت پر مترتب ہوتی ہے ان دو چیزوں کے علاوہ باقی جس قدر رویت کے لوازم ہیں وہ سارے مفقود ہوں گے۔ یہ مسئلہ مسائلِ کلام میں سب سے باریک تر اور مشکل تر ہے۔ عقل کا اندازہ اسے ثابت کرنے اور اس کی صورت کشی کرنے سے عاجز ہے جو علماء اور صوفیا انبیاء کی پیروی کرنے والے ہیں انھوں نے اپنے نورِ فراست سے، جو انوارِ نبوت ہی سے مقتبس ہے اسے دریافت کر لیا ہے ایسے ہی علمِ کلام کے اور بھی کئی مسائل ہیں جن کو ثابت کرنے سے عقل عاجز اور حیران رہ جاتی ہے۔ علمائے اہلِ سنت کو صرف نورِ فراست ہی حاصل ہے لیکن صوفیا کو نورِ فراست کے ساتھ کشف و شہود بھی حاصل ہے[1]

(۵۶)

آخرت میں اہلِ ایمان بہشت کے اندر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو دیکھیں گے حالانکہ بہشت اور غیر بہشت اللہ تعالیٰ کی نسبت کے لحاظ سے برابر او رسب اس کی

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبداء و معاد: ص ۷۱، ۷۲

مخلوق ہیں ۔ وہ تجلّی جو کوہِ طور پر پڑی تھی ۔ حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں رکھتی تھی، زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ بعض مقامات ظہور کی قابلیت رکھتے ہیں جبکہ دوسرے مقامات میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ شیشہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے لیکن گھوڑوں کے نعل اس کی قابلیت نہیں رکھتے حالانکہ دونوں لوہے سے بنے ہیں پس فرق مظہر میں ہے ظاہر میں نہیں اور ظاہر کی نسبت سب مظاہر برابر ہیں قابل ہوں یا ناقابل۔ اسی طرح وہ الفاظ جو کلیات اور جزئیت کا وہم ڈالتے ہیں یا جن سے حالیت اور محلیت کا شبہ ہوتا ہے وہ سب ظاہر سے بچھڑے ہوئے ہیں اور اس بلند ذات کی بارگاہِ اقدس کے لائق نہیں ہیں ۔ عبارت کی تنگی کے باعث یہ الفاظ اختیار کیے گئے ہیں ۔

ے اِیں قاعدہ یاد دار کا بجا کہ خدا است
نے جزو، نے کل ، نے ظرف، نے مظروف است[1]

(۵۷)

اہلِ ایمان کا اللہ تعالیٰ کو۔ بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا برحق ہے ہم آخرت کی رویت پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے اس لیے کہ اس کی ذات بے چون ہے اور اربابِ چون پر اس دنیا میں اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی اور ایمان کے بغیر کسی کو ذاتِ باری تعالیٰ کا دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ افسوس ہے فلاسفہ، معتزلہ اور دوسرے تمام بدعتی فرقوں پر کہ وہ اپنی محرومی اور اندھے پن سے اخروی رویت کا انکار کرتے ہیں ، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں اور اس یقین کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں[2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی ؛ مکتوبات امام ربانی ، دفتر دوم ، مکتوب ۱۱

[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۶۷

مقامِ مصطفےٰ و شانِ انبیاء

انبیاء اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں بزرگ و بالا اور افضل و اعلیٰ ہیں ان بزرگوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش ہے ان میں سے تین سو تیرہ حضرات وہ ہیں جو ان میں سب سے ممتاز ہیں ایسے حضرات کو رسول کہا جاتا ہے۔ رسولوں میں سے بھی پانچ حضرات ممتاز ہیں جن کی مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ترتیب یوں ہے (۱) سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۵) حضرت نوح علیہ السلام ان پانچوں حضرات کو اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے جو سارے انبیاء و مرسلین سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ ہیں۔ ان پانچوں میں سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم باقی سب سے برگزیدہ اور رحمۃ للعالمین ہیں پوری کائنات کے لیے یہی وسیلہ فیض اور باعثِ حصولِ رحمت ہیں بغیر ان کے واسطے کے نہ کسی کو کوئی رحمت و نعمت ملی ہے اور نہ ملے گی۔ خدا کے بعد یہ سب سے بزرگ و برتر ہیں۔ خدائے ذوالمنن نے اپنے لطف و کرم سے اپنی خدائی میں ان کی بادشاہی جاری و ساری فرمائی ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

(۵۸)

ہر وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزات دکھلائے اسے (صحیح معنوں میں) نبی اور پیغمبر تسلیم کر لینا چاہیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ نبوت کے دعویدار کی طرف سے معجزہ کے ظہور کے بعد وہ لوگوں کے دلوں میں اس کی صداقت کا یقین پیدا کر دیتا ہے کیونکہ بالعموم جھوٹے انسان کی طرف سے معجزہ کا اظہار نہیں ہو سکتا

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے : "میں پیغمبر ہوں" پھر وہ پہاڑ کو اکھاڑ کر لوگوں کے سروں پر کھڑا کر دے اور یہ کہے : اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو یہ (پہاڑ) تم پر گر پڑے گا اور اگر تم میری تصدیق کرو گے تو یہ (پہاڑ) تمھاری طرف سے ہٹ جائے گا پھر جب لوگ اس کی تصدیق کرنے کا ارادہ کریں تو (فی الواقع وہ پہاڑ) ان سے دور ہو جائے گا اور جب وہ اسے جھٹلانے کا قصد کریں تو ان کے قریب آ جائے ایسی صورت میں واضح طور پر یقین حاصل ہو گا کہ یہ شخص اپنے دعوای (نبوت) میں سچا ہے اور عقل و عادت یہی فیصلہ کرے گی کہ ایک جھوٹا شخص ایسا کام نہیں کر سکتا[۵۵]

(۵۹)

اس کے علاوہ نبوت سے پہلے تبلیغ کے وقت اور تبلیغ دین کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعات اور حالات (آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کیلیے) واضح ثبوت ہیں۔ (اسی طرح) آپ کے اعلیٰ اخلاقِ حسنہ اور دانش مندانہ احکام ہیں۔ آپ ایسے خطرناک مواقع پر پیش قدمی فرماتے تھے جہاں بڑے بڑے بہادر اور دلیر انسان بھی پیچھے ہٹ جایا کرتے ہیں نیز آپ نے نہ صرف مذہبی کاموں بلکہ دنیاوی امور میں بھی کبھی دروغ گوئی سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہوتا تو آپ کے دشمن اسے ساری دنیا میں مشہور کر دیتے۔ آپ نے نہ دعوٰی نبوت سے پہلے اور نہ بعثت کے بعد کوئی غلط کام کیا آپ امی اور ناخواندہ ہونے کے باوجود بے حد فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ آپ نے تبلیغ رسالت کے سلسلے میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں چنانچہ آپ خود فرماتے تھے : "کسی پیغمبر کو اس قدر اذیتیں نہیں پہنچائی گئیں جتنی اذیتیں مجھے دی گئی ہیں" اس کے باوجود آپ نے صبر و استقلال کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کیا اور آپ کے عزم و ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب آپ دشمنوں پر غالب آ گئے اور آپ (دنیاوی حیثیت سے) اس قدر بلند مرتبہ پر پہنچ گئے

---

[۵۵] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی۔ رسالہ تہلیلیہ، مطبوعہ کراچی، ص ۴۱

کہ لوگوں کی جان و مال کے بارے میں آپ کے حکم کے مطابق فیصلے ہونے لگے تو اس موقع پر بھی آپ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ آپ آغاز زندگی سے لے کر آخر تک اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے مطابق عمل پیرا رہے۔ آپ اپنی امت پر بے حد شفقت فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تمھاری جان نہ جاتی رہے ان لوگوں پر پچھتاتے ہوئے"۔ آپ بے حد سخی تھے یہاں تک کہ یہ فرما کر آپ کو ہدایت کی گئی: "تم اپنے ہاتھ کو پوری طرح نہ کھولو"۔ آپ دنیا کے اسباب و آرائش کی طرف رخ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ آپ فقہاء و غرباء سے انتہائی عاجزی کے ساتھ ملتے تھے اور دولت مندوں کے ساتھ اپنی خودداری اور سربلندی قائم رکھتے تھے آپ دشمنوں سے (ڈر کر) کبھی نہیں بھاگتے خواہ کتنا ہی خوف و خطر لاحق ہو جیسا کہ جنگ اُحد اور جنگ احزاب (کے واقعات) سے ثابت ہے۔ اس سے آپ کی قلبی طاقت اور اولوالعزمی کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ فرمایا تھا: "اللہ تمھیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا لیکن اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر مکمل اعتماد نہ ہوتا تو یہ چیزیں عادتاً ناممکن ہوتیں اس کے بعد تمام کائنات کے حالات تبدیل ہو گئے مگر آپ کے اوصاف و عادات تبدیل نہیں ہوئے، یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو کسی سمجھ دار اور انصاف پسند انسان سے پوشیدہ نہیں ہے[1]

(٦٠)

جب تم نے نبوت کے معنی جان لیے تو قرآن میں اور احادیث میں بہت زیادہ غور کرو، اس سے تمھیں اس کا علم ضروری ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں اور زمانہ کی دوری اس تصدیق میں مخل نہیں ہے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، رسالہ تہلیلیہ مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۴۳ تا ۴۷

جس طرح سابق تصدیق میں مخل نہیں ہے اس لیے کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے تمام اقوال وافعال، اعمالِ صالحہ وعقائدِ حقّہ کے ذریعے قوتِ علمیہ وعملیہ میں نفوس بشریہ کی تکمیل کی خبر دیتے ہیں اور بیمار دلوں سے علاج اوران کی تاریکیوں کے ازالے کی خبر دیتے ہیں اور نبوّت کے معنی اس کے سوااور کچھ نہیں ہے[1]

(۶۱)

اسی طرح معجزے کی دلالت صدقِ نبی پر دلالتِ سمعیہ نہیں ہے ورنہ تو دور لازم آئے گا کیونکہ معجزہ کا نبی کی صداقت پر دلالت کرنا نبی کے صادق ہونے پر موقوف ہوگا بلکہ وہ دلالتِ عادیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت جاری کی ہے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے بعد صدق کا علم پیدا کردیتا ہے کیونکہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا ظاہر کرنا اگرچہ عقلاً ممکن ہے لیکن عادتاً اس کا انتفا معلوم ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میں نبی ہوں پھر پہاڑ چل کر آئے اور وہ اس کو لوگوں کے سروں پر لا کھڑا کرے اور کہے کہ اگر تم نے میری تکذیب کی تو پہاڑ تم پر گر جائے گا اور اگر تم میری تصدیق کرو تو یہ تم سے دُور ہٹ جائے گا اور جب بھی وہ لوگ اس کی تصدیق کا ارادہ کریں تو وہ پہاڑ ان سے دُور ہو جائے اور جب وہ لوگ اس کی تکذیب کا ارادہ کریں تو پہاڑ ان کے قریب آ جائے۔ تو اس سے بالبداہت یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور عادت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جھوٹے سے ایسا ہونا ناممکن ہے[2]

(۶۲)

معتزلہ نے کہا ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت

---

[1] احمد سرہندی، اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۵۷، ۵۸

[2] ،، مجدد الف ثانی، ،، ،، ،، ص ۶۶

میں ہے، اس لیے کہ ان کی قدرت عام ہے لیکن اس کا وقوع اس کی قدرت پر ممتنع ہے اس لیے کہ اس صورت میں اس کے سچے ہونے کا وہم پیدا کرنا ہے اور گمراہ کرنا ہے جو ایک قبیح بات ہے چنانچہ اس کا صدور اللہ تعالیٰ سے دیگر قبائح کی طرح ممتنع ہے یہ شیخ اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا پیدا کرنا فی نفسہ قدرت میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ معجزہ صدق پر قطعاً دلالت کرتا ہے اس طور پر کہ صدق کا تخلف اس سے ممتنع ہے چنانچہ اس کی دلالت من وجہ ضروری ہے کیونکہ اسی وجہ سے صحیح دلیل فاسد سے ممتاز ہوتی ہے اگرچہ ہم اس کی وجہ کو متعین طور پر نہ جانیں۔ پس اگر وہ معجزہ جو جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر ہوا دروصدق پر دلالت کرے تو جھوٹا سچا ہو جائے گا۔ اور یہ محال ہے ورنہ معجزہ اس چیز سے جدا ہو جائے گا جو اس کو لازم ہے یعنی اپنے مدلول پر اس کی قطعی دلالت، اور یہ بھی محال ہے[1]

(۶۲)

قاضی نے کہا کہ ظہورِ معجزہ کا صدق کے ساتھ شامل ہونا امر لازم نہیں ہے یعنی لزومِ عقلی نہیں ہے جیسا کہ فعل کا وجود فاعل کے وجود کو شامل ہے بلکہ وہ ایک عادی امر ہے جیسا کہ تم نے جان لیا پس اگر ہم اس کی عادی جگہ سے اس کے انحراف کو جائز قرار دیں تو معجزہ کا صدق کے اعتقاد سے خالی کرنا جائز ہو گا اور اس وقت جھوٹے کے ہاتھ پر اس کا ظاہر کرنا جائز ہو گا اس میں کوئی دشواری نہیں، بجز اس کے کہ معجزے میں خرق عادت ہوتا ہے اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ جائز ہے لیکن اس کو جائز قرار دیئے بغیر اسکا اظہار جھوٹے کے ہاتھ پر جائز نہیں اس لیے کہ جھوٹے کے سچے ہونے کا علم محال ہے[2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۶۷

[2] ” ” ” ص ۶۷، ۶۸

(۶۴)

میں کہتا ہوں کہ عادی امور کا ان کی عادی جگہ سے ہٹنے کو مطلقاً جائز قرار دینا اس کو واجب کرتا ہے کہ معجزہ کو نبی کے صدق کے اعتقاد سے خالی کرنا بھی جائز قرار دیا جائے اس لیے کہ اس کے صدق کا علم معجزہ کے بعد عادی ہے اور اس صورت میں صادق کا امتیاز کاذب سے نہیں ہو سکتا اور اثباتِ نبوت کا دروازہ بند ہو جائیگا اس لیے کہ اس کے ثابت کرنے میں اعتماد اس پر ہے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے وقت نبی کے صادق ہونے کا علم ضروری عادی طور پر حاصل ہو بلکہ لازم آتا ہے کہ معجزہ معجزہ نہ رہے اور یہ کہ اس کی دلالت صدق پر بالکل نہ ہو اس لیے کہ وہ باعتبار اپنے خرقِ عادت کے معجزہ کہا جاتا ہے اور صدق پر دلالت کرتا ہے پس اگر ہم مطلقاً خرقِ عادت کو جائز قرار دیں تو وہ اس صورت میں صدق پر دلالت نہ کرنے کے اعتبار سے امور عادیہ کی طرح ہوں گے۔ مثلاً روزانہ آفتاب کا طلوع ہونا۔ پس حق اس مقام میں وہ ہے جو میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ ہم نے خرقِ عادت کو صرف نبی کے حق میں اعجاز کے طور پر اور ولی کے حق میں کرامت کے طور پر اس کے سفسطہ ہونے کے باوجود جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کا حصول اور اس کا تحقق ہر زمانے میں ہے۔ یہاں تک کہ یہ عادت مستمرہ ہو گئی ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں ہے اور اس کا مستعبد ہونا مرتفع ہو گیا[1]

(۶۵)

عقل کے اوپر ایک اور درجہ ہے جس میں اس کی ایک دوسری آنکھ کھل جاتی ہے اور اس کے ذریعے غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے اور دیگر ایسے امور کو دیکھتا ہے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۶۸، ۶۹

جس سے عقل معزول ہے، جس طرح کہ قوتِ حس تمیز کے مدرکات سے معزول ہے اور جس طرح کہ تمیز والے کے سامنے مدرکاتِ عقل پیش کیے جائیں تو وہ ان کا انکار کر دے اور مستبعد جانے۔ چنانچہ اسی طرح بعض عقلا نے مدرکاتِ نبوّت کا انکار کیا اور انھیں مستبعد جانا۔ اور یہ عین جہل ہے اس لیے کہ اس استبعاد کا سبب، بجز اس کے کچھ نہیں کہ یہ ایسا درجہ ہے جہاں تک وہ پہنچا نہیں اور نہ اس کے حق میں پایا گیا ہے۔ پس اس نے گمان کیا کہ وہ فی نفسہٖ موجود نہیں اور مادر زاد اندھا اگر تواتر اور تسامع سے رنگوں اور شکلوں کو نہ جانے اور اس کے سامنے یہ چیزیں ابتداً بیان کی جائیں تو وہ نہ ان کو جانے گا اور نہ ان کا اقرار کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مخلوق کے قریب کر دیا ہے اس طرح پر کہ ان کو خاصۂ نبوت کا ایک نمونہ عطا کیا اور وہ نیند ہے کہ سونے والا اس غیب کا ادراک کرتا ہے جو عنقریب ہونے والا ہے خواہ صریحاً یا لباسِ مثال میں ہو جو تعبیر سے منکشف ہوتا ہے[1]

(۶۶)

اس طرح نبوت سے مراد وہ درجہ ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اس کی روشنی میں غیب اور وہ دیگر امور ظاہر ہوتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نبوت میں شک یا تو اس کے امکان میں یا اس کے وجود میں یا ایک شخص معین کیلیے اس کے حصول میں ہو گا حالانکہ اس کا وجود اس کے امکان کی دلیل ہے اور اس کے وجود کی دلیل وہ علوم و معارف ہیں جن کا عقل سے حاصل ہونا متصور نہیں ہو سکتا مثلاً علم طب و نجوم کہ جو شخص ان دونوں علوم سے بحث کرے گا یا اس کو بالبداہت اس کا علم ہو گا کہ ان دونوں کا ادراک الہامِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق کے بغیر نہیں

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۱۷

ہو سکتا اور تجربہ کے ذریعے ان دونوں کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں کیونکہ بعض احکام نجوم ایسے ہیں کہ ہر ہزار سال میں ایک بار واقع ہوتے ہیں تو یہ تجربہ سے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے یہی حال ادویہ کے خواص کا ہے پس اس دلیل سے ظاہر ہوا کہ جن امور کا ادراک عقل نہیں کر سکتی ان کے ادراک کے طریقے کا وجود ممکن ہے اور نبوت سے یہاں یہی مراد ہے کیونکہ نبوت صرف اسی سے عبارت ہے بلکہ اس جنس کا ادراک جو مدرکاتِ عقل سے خارج ہے۔ نبوت کے خواص میں سے ہے اور اس کے علاوہ نبوت کے اور بھی بہت سے خواص ہیں ان خواص میں جو ہم نے بیان کیے ہیں وہ سمندر کا ایک قطرہ ہے [1]

(۹۷)

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں اور ان اخبار میں غور کیا جو آپ سے منقول ہیں اور ان میں آپ نے لوگوں کے حق میں مختلف قسم کی رفق و نرمی کے ذریعے تہذیبِ اخلاق اور بچھڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کی اور راہنمائی کا اہتمام کیا تو اس کو لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ امت پر آپ کی شفقت اس سے زیادہ ہے جو باپ کو بیٹے پر ہوتی ہے اور اگر ان عجیب افعال پر غور کرے جو آپ سے ظاہر ہوئے اور غائب کے عجائب پر غور کرے جن کے متعلق قرآن مجید میں آپ کی زبان کے ذریعے خبر دی گئی اور ان خبروں پر غور کرے جو آخری زمانے کے متعلق دی گئی ہیں اور جس طرح آپ نے ذکر کیا اسی طرح ان کے وقوع پر غور کرے تو اسے لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ آپ اس درجے پر پہنچے ہوئے ہیں جو عقل سے ماوراء ہے اور اس میں وہ نظر کھل جاتی ہے جس سے غیب اور وہ خواص اور امور منکشف ہو جاتے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۷۷، ۷۲

ہیں جن کا اوراک عقل نہیں کر سکتی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی صداقت کے ضروری علم کو حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔[1]

(۶۸)

امام غزالی نے اس کو یوں بیان کیا ہے اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر تمھیں کسی شخص معیّن کے متعلق شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو تمھیں اس کا یقین صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کے احوال کا ذکر یا تو مشاہدے کے ذریعے یا تواتر کے ذریعے یا ایک دوسرے سے سن کر، کیونکہ جب تم نے طب اور فقہ کو جان لیا تو تمھارے لیے ممکن ہے کہ تم فقہاء اور اطباء کو بھی ان کے احوال کا مشاہدہ کر کے اور ان کے اقوال سن کر معلوم کر سکتے ہو، اگرچہ تم نے ان کو نہ دیکھا ہو چنانچہ امام شافعی کے فقیہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت سے تم عاجز نہیں رہو گے اور یہ معرفت حقیقی ہو گی، تقلید کی بناء پر نہیں ہو گی بلکہ اگر تم کچھ طب اور فقہ پڑھو گے اور ان کی کتابوں اور تصانیف کا مطالعہ کرو گے تو تم کو ان دونوں کی حالتوں کا علم ضروری حاصل ہو گا اسی طرح جب تم نے نبوت کے معنی سمجھ لیے تو قرآن وحدیث میں بہت زیادہ غور کرو اس وقت تمھیں اس کا علم ضروری حاصل ہو گا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نبوت کے اسی درجے پر فائز ہیں اور اس کی تائید اس تجربے سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے عبادات اور تصفیۂ قلب کی تاثیر کے متعلق فرمایا ہے۔[2]

(۶۹)

علماء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی نبوّت کے اثبات میں کئی دلیلیں

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم مطبوعہ کراچی، ص ۹۳، ۹۴

[2] ایضاً ص ۹۴، ۹۵

بیان کی ہیں۔ پہلی دلیل جو جمہور علماء کے نزدیک معتمد ہے وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ کے ہاتھوں پر معجزات کا ظہور ہوا۔ پہلی یعنی دعوئ نبوت والی بات متواتر ہے اور تواتر بھی ایسا جو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے قائم مقام ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ دوسری بات ظہور معجزات والی تو آپکے معجزات میں سے قرآن مجید بھی ہے۔ قرآن کریم اس وجہ سے بھی معجزہ ہے کہ آپ نے اس کے ذریعے تحدی کی اور کسی نے معارضہ نہیں کیا۔ جہاں تک تحدی کا تعلق ہے تو یہ بھی متواتر ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں تحدی کی بہت سی آیات ہیں مثلاً یہ ارشاد ربانی کہ وہ اسی جیسی بات لے آئیں یا مثلاً یہ قول کہ دس سورتیں اسی جیسی بنا لاؤ۔ یا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ایک سورت اس جیسی لے آؤ۔ باقی رہا یہ دعویٰ کہ کسی نے معارضہ نہیں کیا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن مجید نے تحدی کی اور بڑے بڑے بلغاء و فصحائے عرب سے اس جیسی سورت لانے کو کہا تو باوجود یکہ ان لوگوں کی تعداد بطحا کے سنگ ریزوں سے زیادہ تھی اور اس چیز کی اشاعت کے سب سے زیادہ حریص تھے جو آپ کے دعویٰ کو باطل کرتی۔ علاوہ ازیں وہ غایت عصبیت و حمیّت جاہلیہ کے لحاظ سے مشہور تھے بلکہ مباہات اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خاطر دوسروں کو ہلاک کر دینے میں معروف تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرنے سے قاصر رہے یہاں تک کہ الفاظ کے ذریعے معارضہ کرنے کے بدلے انھوں نے تیغ آزمائی کو ترجیح دی پس اگر وہ اس معارضہ پر قادر ہوتے تو یقیناً معارضہ کرتے اور اگر معارضہ کرتے تو وہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچتا کیونکہ اس کے نقل کرنے کے بہت سے ذرائع تھے۔[1]

باقی دیگر معجزات مثلاً شق قمر، جمادات کا کلام کرنا اور حرکت کر کے آپکی طرف آنا،

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۹۶، ۹۷

حیوانات کا کلام کرنا، تھوڑی خوراک سے بہت سے لوگوں کو آسودہ کر دینا اور انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑنا اور غیب کی خبریں دینا۔ اس قسم کے افعال بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں تو اگرچہ ان معجزات میں سے ہر ایک متواتر نہیں ہے لیکن ان کے درمیان قدر مشترک یعنی معجزہ کا ثبوت بلا شبہ متواتر ہے[1]

(۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کی دلیلوں میں سے دوسری دلیل جس کو معتزلہ میں سے جاحظ نے اور ہم میں سے امام غزالی نے پسند کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کردہ کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کے حالات اور دعوت کی حالت میں اور دعوت پوری ہونے کے بعد آپ کے حالات اور آپ کے عظیم اخلاق اور حکیمانہ احکام اور ایسی جگہ پیش قدمی کرنا جہاں بڑے بڑے بہادر ہچکچاتے ہوں ان امور سے نبوت کے ثبوت پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین و دنیا کے مہمات میں کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ اگر آپ ایک دفعہ بھی جھوٹ بولتے تو آپ کے دشمن اسے مشہور کرنے میں پوری کوشش کرتے اسی طرح آپ نے اعلانِ نبوت سے پہلے اور اعلانِ نبوت کے بعد کسی برے فعل کا اقدام نہیں کیا۔ آپ انتہائی فصیح تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میں جوامع الکلم دیا دیا گیا ہوں حالانکہ آپ اُمّی تھے آپ نے احکامِ رسالت کے پہنچانے میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ کسی نبی کو اس قدر تکلیف نہیں دی گئی جتنی مجھے پہنچائی گئی ہے اور ان پر عزیمت میں کوتاہی کیے بغیر صبر کیا اور جب آپ دشمنوں پر غالب آگئے اور لوگوں کی جانوں اور مالوں کے بارے میں حکم نافذ کرنے کے انتہائی مقام تک پہنچ گئے تب بھی پہلی حالت نہیں بدلی بلکہ دنیاوی عمر کی ابتداء سے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۷

انتہاء تک ایک ہی پسندیدہ طریقے پر قائم رہے۔ آپ اپنی امت پر شفیق بہت تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ (فاطر آیت ۸) اور فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ فرمایا۔ آپ بہت زیادہ سخی تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ کہا۔ دنیاوی ساز و سامان کی طرف آپ کی توجہ بالکل نہ تھی۔ چنانچہ قریش نے آپ کو مال، عورت اور سرداری کا لالچ پیش کیا کہ اپنی دعوت کو چھوڑ دیجیے تو آپ ان چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آپ فقراء و مساکین کے ساتھ غایت درجہ تواضع کے ساتھ لیکن مال داروں اور ذی ثروت لوگوں کے ساتھ پورے ترفع کے ساتھ پیش آتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اپنے دشمنوں کے مقابلے سے نہ بھاگے اگرچہ انتہائی خطرناک موڑ آجاتا جیسے کہ غزوۂ اُحد و جنگِ خندق کے روز۔ یہ بات آپ کے دل کے قوی ہونے اور باطن کی قوت پر دلالت کرتی ہے اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت پر پورا اعتماد نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے ذریعے وعدہ کیا تھا۔ جبکہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال نہیں بدلا۔ اگرچہ مختلف قسم کے حالات پیش آتے رہے غرض جو شخص ان امور کا اور ان جیسے دیگر امور کا تتبع کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اگرچہ ان میں سے ہر ایک خوبی اگرچہ نبوت پر تنہا دلالت نہیں کرتی کیونکہ کسی کا دوسرے اشخاص سے ایک آدھ خوبی میں ممتاز ہونا اس کے نبی ہونے پر دلالت نہیں کرتا لیکن ان کا مجموعہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں ان خوبیوں کا جمع ہونا آپ کے نبی ہونے کے عظیم دلائل میں سے ہے[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۷ تا ۱۰۹

(۷۲)

تیسری دلیل جس کو امام رازی نے اختیار کیا، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی قوم کے درمیان دعویٰ کیا جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی اور نہ ان میں حکمت تھی بلکہ وہ حق سے اعراض کیے ہوئے تھے یعنی یا تو مشرکین عرب کی طرح بتوں کی پوجا کرتے تھے یا یہود کی طرح دین تشبیہ وصنعت تزویر اور بے سروپا باتوں کو رائج کرتے تھے یا مجوس کی طرح دو خداؤں کے پجاری اور محارم سے نکاح کرتے تھے یا نصاریٰ کی طرح باپ اور بیٹا بنا کر تثلیث کے قائل تھے۔ آپ نے ان لوگوں میں دعویٰ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن کتاب اور حکمت باہرہ لے کر آیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو پورا کروں یعنی عقائد حقہ کے ذریعے لوگوں کی قوت علمیہ اور اعمال صالحہ کے ذریعے ان کی قوت عملیہ کو کامل کروں اور دنیا کو ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے منور کردوں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کردیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ کھوٹے دین کمزور پڑگئے اور فاسد کلام زائل ہوگئے بلکہ توحید کے آفتاب اور تنزیہ کے چاند اطراف عالم میں چمک اُٹھے اور نبوت کے یہی معنی ہیں کیونکہ نبی وہی ہے جو نفوس بشریہ کی تکمیل کرتا ہے اور دل کے ان امراض کا علاج کرتا ہے جو اکثر نفوس پر غالب ہوتے ہیں اس لیے کسی طبیب کا ہونا ضروری ہے جو ان کا علاج کرے اور جب مریض دلوں کے علاج اور تاریکیوں کے دور کرنے میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی تاثیر کامل واکمل تھی تو آپ کے نبی ہونے کا یقین ضروری ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ آپ جملہ انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں[1]

(۷۳)

باقی رہا نبوت کا معجزات کے ذریعے ثابت کرنا تو یہ برہان انیٰ ہے اور یہ دلیل نبوت کے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۱۰۹، ۱۱۰

ثابت کرنے میں طریق حکماء کے قریب ہے اس لیے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ اپنے معاش و معاد میں ایک ایسے شخص کے محتاج ہیں جس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہو اور وہ ان لوگوں کے لیے ایسا قانون وضع کرے جو دونوں جہان میں ان کی سعادت کا ذریعہ ہو۔[1]

(۷۴)

اگر تعین اوّل سے جو کہ علمی و اجمالی تعین ہے اور جس کو حقیقت محمدی سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ متعین نہ ہوتا تو اس کے نظارہ کرنے والوں کا اس کے جلال کے انوار و تجلیات کی وجہ سے نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔[2]

(۷۵)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت، جس کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ وحدت اور احدیت جامعہ کے نام سے موسوم ہے اور احمد بلا میم سے اشارہ اسی احدیت جامعہ کی طرف ہے اور چونکہ اس تعین کو جو تعینات میں سب سے پہلا ہے۔ ان بزرگوں نے ذات حق تعالیٰ و تقدس پر زائد اعتبار نہیں کیا ہے اور اس کی تجلی کو تجلی ذات کہا ہے۔ اسی لیے (حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے) یہ فرمایا ہے۔[3]

(۷۶)

انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات خدا کی طرف سے مخلوق کے پاس بھیجے گئے تاکہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی جانب بلائیں اور گمراہی سے راہ راست پر لائیں اور جو ان کی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: اثبات النبوۃ مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۱۱۱

[2] 〃 〃 شرح رباعیات مترجم، مطبوعہ کراچی ص ۶۵

[3] ایضاً ص ۶۸، ۶۹

دعوت کو قبول کرے اسے بہشت کی خوش خبری دیں اور جو انکار کرے اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا ہے اور جس کی تبلیغ فرمائی ہے وہ سب حق و صداقت پر مبنی ہے اور اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں [۱]

(۷۷)

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے خاتم اور آپ کا دین، ادیانِ سابقہ کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب پہلی کتب سے بہترین ہے۔ آپ کی شریعت کا ناسخ کوئی نہیں ہوگا اور قیامت تک یہی شریعت رہے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نزول فرمائیں گے وہ بھی آپ کی شریعت ہی پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی کی حیثیت میں رہیں گے [۲]

(۷۸)

باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نورِ حق جل وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، "خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللہِ" ودیگراں

جاننا چاہیے کہ خلقِ محمدی دوسرے انسانی افراد کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی بھی فرد کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عنصری پیدائش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ تعالیٰ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللہِ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں)

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[۲] ایضاً

ایں دولت میسر نشدہ است [1]

دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے ۔

(۷۹)

بکشفِ صریح معلوم گشتہ است کہ خلقتِ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ناشی ازیں امکان ست کہ بصفاتِ اضافیہ تعلق دارد نہ امکانے کہ در سائرِ ممکناتِ عالم کائن ست وہر چند بدقتِ نظر صحیفۂ ممکنات عالم را مطالعہ نمودہ می آید وجودِ آنسرور آنجا مشہود نمیگردد بلکہ منشاءِ خلقت و امکانِ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وجودِ صفاتِ اضافیہ و امکانِ شان محسوس میگردد، وچوں وجودِ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوقِ ایں عالم باشد، ناچار او را سایہ نبود و نیز در عالم شہادت سایۂ شخص از شخص لطیف تر است وچوں لطیف ترے ازوے در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد علیہ وعلیٰ آلہ

کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہے جو صفاتِ اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے اس امکان سے نہیں جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے اور جس قدر بھی دقتِ نظر سے ممکناتِ عالم میں صحیفے کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود اس میں مشہود نہیں ہوتا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا منشا اور آپ کا امکان صفاتِ اضافہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے ۔ جب آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام عالمِ ممکنات میں سے نہیں ہوں گے بلکہ اس عالم سے اوپر ہوں گے تو یقینی بات ہے کہ ان کا سایہ اس سے لطیف تر ہوتا ہے لیکن جب ان سے لطیف تر اس دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے تو ان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰

الصلوات والتسلیمات [1]

والتسلیمات کا سایہ کس صورت ہوتا ۔

(۸۰)

علمِ جملی کہ از صفاتِ اضافیہ گشتہ است
نوریست کہ در نشاۃِ عنصری بعد از
انصاب از اصلاب با ارحامِ متکثرہ
بمقتضائے حِکم و مصالح بصورتِ انسانی کہ
احسنِ تقویم است ظہور نمودہ است و
مسمیٰ بمحمد واحمد شدہ [2]

علمِ جملی جو کہ صفاتِ اضافیہ سے ہو گیا ہے
وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں
اصلاب سے متعدد ارحام میں پہنچتے ہوئے
اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق
انسانی صورت میں جو بہترین شکل ہے ظاہر
ہوا اور وہی محمد واحمد کے نام سے موسوم
ہوا صلی اللہ علیک یا رسول اللہ

(۸۱)

محجوباں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم را بشر گفتند و در رنگِ سائر
بشر تصور نمودند ناچار منکر آمدند و صاحب
دولتاں کہ اورا علیہ الصلوٰۃ والسلام
بہ عنوان رسالت و رحمتِ عالمیان دانستند
واز سائر ناس ممتاز دیدند بدولتِ ایمان
مشرف گشتند و از اہلِ نجات
آمدند [3]

خود مستی کا شکار ہونیوالوں نے محمد رسول اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو بشر کہا اور باقی انسانوں جیسا تصور کیا
نتیجہ یہ ہوا کہ منکر ہو گئے اور خوش قسمت
لوگوں نے انھیں علیہ الصلوٰۃ والسلام رسالت کے
رنگ میں دیکھا، رحمتِ عالم و عالمیان جانا اور تمام
انسانوں سے آپ کو ممتاز دیکھا تو ایمان جیسی متاعِ عزیز
سے مشرف ہو گئے اور ان کا شمار نجات پانے
والوں میں ہو گیا ۔

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰

[2] ایضاً

[3] ایضاً ، مکتوب ۶۴

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شخص کی حقیقت جسے کہ تعین وجوبی کو کہتے ہیں تعین امکانی کو بھی کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمات معلوم ہوگئے تو میں کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کی طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر سے مرکب ہیں اور وہ اسمِ الٰہی جو ان کے عالمِ خلق کی تربیت کرنے والا ہے شانِ العلیم ہے اور وہ جو ان کے عالمِ امر کی تربیت فرماتا ہے وہ معنی ہے جو اس شان کے وجود اعتباری کا مبداء ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور حقیقت محمدی شانِ العلیم سے مراد ہے اور حقیقت احمدی اس معنی سے کنایہ ہے جو اس شان کا مبداء ہے اور حقیقت کعبہ سبحانی بھی اسی معنی سے مراد ہے اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی اور جس کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ وہ باعتبار حقیقت احمدی کے تھی، جس کا تعلق عالمِ امر سے ہے اور اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ تھے اور عالمِ امر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری اسمِ احمد سے دی ہے اور فرمایا ہے: "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"۔

"اور وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے وہ صرف حقیقت محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہی شان کا مبداء ہے یہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت زیادہ اتم ہے کیونکہ اس مرتبہ میں آپ کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی کیونکہ آپ کی تربیت روحانیوں پر منحصر تھی اور اس مرتبہ میں آپ کی دعوت خلق و امر دونوں کو شامل ہے اور آپ کی تربیت اجساد وارواح

مشتمل ہے[1]

(۸۳)

حاصل کلام یہ کہ اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے، زیادہ پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بشریت ظاہر کرنے کے لیے بڑی تاکید سے امر فرمایا ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ لفظ مِثْلُکُمْ کا لانا تاکید بشریت کے لیے ہے اور وجود عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب روحانیت غالب ہو گئی اور بشریت کی مناسبت گم ہو گئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا[2]

(۸۴)

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ ابھی ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن سے فارغ نہ ہوئے کہ ہم نے اپنے دلوں میں فرق محسوس کیا یعنی ایمان شہودی، ایمان غیبی سے بدل گیا تھا اور معاملہ آغوش سے گوش تک آ پہنچا تھا یعنی دیکھنے کی جگہ صرف سننے کی نوبت آ گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے جب ہزار سال گزرے، جو لمبی مدت اور دراز زمانہ ہے تو جانب روحانیت اس طرح غالب ہوئی کہ جانب بشریت کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتیٰ کہ عالم خلق سے جس چیز نے اپنی حقیقت کی طرف رجوع کی تھی، یعنی حقیقت محمدی عروج کر کے حقیقت احمدی سے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۰۹

[2] ایضاً

لاحق ہوگئی اور حقیقتِ محمدی سے متحد ہوگئی[1]

(۸۵)

اس جگہ حقیقتِ محمدی اور حقیقتِ احمدی سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق و امر کا تعین امکانی ہے نہ کہ تعین وجوبی، کیونکہ تعین امکانی تو اس کا ظل ہے پس تعین وجوبی کے عروج کا کچھ معنی نہیں اور اس تعین کے ساتھ متحد ہونا معقول نہیں ہے، جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے اور اپنے مقام سے عروج فرما کر تبعیت کے طور پر حقیقتِ محمدی کے مقام میں پہنچیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو تقویت دیں گے[2]

(۸۶)

جاننا چاہیے کہ یہ عروجِ محمدی جو کہ صفات بشری کی نفی سے وابستہ ہے اگرچہ ان کے کاروبار کو بلند تر مقام پر لے گیا اور کمال کی بلند ترین چوٹی پر پہنچا دیا اور ان کو غیر اور غیریت کی کشاکش سے آزاد کر دیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کا معاملہ تنگ ہوگیا اور آپ کا نورِ ہدایت جو کہ بشریت کی وجہ سے تھا وہ سب کم ہوگیا اور وہ توجہ جو ان عاجز لوگوں کے حال پر تھی وہ کم ہوگئی اور آپ پوری طرح قبلہ حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئے[3]

(۸۷)

لہٰذا حقیقتِ محمدی کل ہوگی اور تمام موجودات کے حقائق اس کے اجزا ہوں گے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۰۹

[2] ایضاً

[3] 〃 〃 دفتر سوم، مکتوب ۹۶

اور جو جماعت کہ اطاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سعادت سے بہرہ مند ہو اور اتباع کے کمال تک رسائی پا چکی ہو اسے بھی مناسبت اور متابعت کی وجہ سے ذاتی تسلی سے کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے[1]

(۸۸)

اس رعایا پر افسوس ہے جس کا بادشاہ اس کے حال میں مشغول نہ ہو اور کلی طور پر اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر اور بدعت کے اندھیرے غالب آ چکے ہیں اور اسلام و سنت کا نور کم ہو چکا ہے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[2]

(۸۹)

محبت شعار غیب مقابل شہود است	محبت شعار! غیب شہود کے مقابل ہے
کہ شائبہ ظلیت دارد و غیب ازیں شوب	جو ظلیت کا شائبہ رکھتا ہے اور غیب اس
مبراست پس غیب شہود اکمل باشد	آمیزش کے عیب سے پاک ہے پس
لیکن ہر گاہ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ	غیب شہود سے کامل و اکمل ہے، لیکن
والسلام در شب معراج بدولت رویت	سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام
مشرف شدہ باشد کہ ماوراء وراء ستر	جب معراج کی رات رویت باری تعالیٰ
اوقات ظلال است و از شوب و	سے مشرف ہوئے جو کہ ظلال کے پردوں سے
شائبہ ظلیت اقدس است چرا	دور تھی بلکہ بہت ہی دور تھی کہ وہ ظلیت کے
درحق او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام	شائبہ اور آمیزش سے بھی پاک ہے تو انکے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: معارف لدنیہ ص ۲۰

[2] ،، ،، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۹۶

غیب اکمل از رویت بود چہ اکتفا بہ غیب از برائے رفع ظلیّت بودہ، وچوں رفعِ ظلیّت بالکلیہ در عین حضور میسّر شود غیب چہ درکار بود۔ ایں دولت است کہ مخصوص بسیّد الکونین است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام و کُمّل تابعانِ اورا علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ازیں مقام بہ تبعیّت و وراثت نیز نصیب است، چنانچہ رویت نیست شہود و مشاہدہ ہم نیست ازاں مقام تعبیر بہ غیب بہترین عبارات است [1]

حق میں غیب رویت سے کامل کب رہ گیا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ غیب پر اکتفا تو صرف ظلیّت کو رفع کرنے کے لیے تھا اور جب ظلیّت پوری طرح رفع ہو گئی اور عین حضوری میسّر آگئی تو غیب کی کیا ضرورت رہ گئی۔ یہ وہ متاعِ عزیز ہے جو صرف سیدالکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مخصوص ہے اور آپکے کامل ترین پیروکاروں کو تبعیّت اور وراثت کے طور پر اس دولت میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات لیکن چونکہ یہ مقام رویت نہیں ہے پس شہود و مشاہدہ بھی نہیں ہے۔ اس مقام کو لفظِ غیب سے تعبیر کرنا بہترین عبارت ہے۔

٭٭٭

۹۰

ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اگر اس دولت (رویت باری تعالیٰ) سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا ہے بلکہ آپ بہشت میں گئے اور وہاں دیکھا کہ وہ عالمِ آخرت سے ہے دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا سے باہر نکلے اور آخرت سے ملحق ہوئے تب دیکھا [2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوب امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۸

[2] 〃 〃 〃 دفتر دوم مکتوب ۶۷

(۹۱)

انبیاء و صلحاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی شفاعت باذن اللہ قیامت کے روز اہلِ ایمان کے لیے ثابت ہے، پہلے انبیاء کی پھر صلحاء کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت اہلِ کبائر کے لیے ہے۔[۱]

(۹۲)

لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ یہ حالات (واقعاتِ معراج) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسم اور روح دونوں کو پیش آئے تھے اور جو مشاہدات کیے تھے وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہوئے تھے لیکن دوسرے لوگوں کو جو طفیلی ہیں اگر یہ حالت بطور تبعیت کے پیش آتی ہے تو وہ صرف روح تک ہی محدود رہتی ہے اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوا کرتی ہے۔[۲]

(۹۳)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم، اولادِ آدم کے سردار اور آقا ہیں اور قیامت کے دن سب سے زیادہ تعداد آپ کے پیروؤں کی ہوگی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اوّلین وآخرین میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ بروزِ حشر آپ سب سے پہلے قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے آپ ہی سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی شفاعت ہی قبول ہوگی۔ سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور آپ کے لیے دروازہ کھولا جائے گا۔ قیامت کے روز حمد کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا اور اسی جھنڈے کے نیچے حضرت آدم اور

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[۲] " " مبداء و معاد : ص ۶۹

تمام انبیائے کرام علیہ وعلیہم الصلوٰت والسلام اور تمام لوگ ہوں گے آپ ہی کی وہ مبارک ہستی ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم سب کے بعد آنے والے ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہوں گے ۔

آپ نے فرمایا ، میں بغیر کسی فخر کے کہتا ہوں کہ میں اللہ کا حبیب ہوں ، رسولوں کا امام و پیشوا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں ہے ۔ میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں خداوند تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے بہترین میں سے بنایا پھر ان کی دو جماعتیں بنائیں تو مجھے ان کی بہترین جماعت میں سے بنایا پھر ان کے قبیلے اور خاندان بنائے تو مجھے ان میں سے بہترین خاندان میں سے بنایا پھر ان کے گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانے سے بنایا ۔ لہٰذا میں ان میں گھرانے کے اعتبار سے بہترین اور اپنی ذات کے اعتبار سے بہترین ہوں ۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے قبر سے باہر آنے والا ہوں گا ۔ جب وہ وفد کے طور پر بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا ۔ جب وہ سب خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا ۔ جب وہ سب روک دیئے جائیں گے تو میری ہی سفارش قبول کی جائے گی ۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دینے والا ہوں گا ۔ عظمت و بزرگی اور نجات کی کنجیاں اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہونگی ۔ حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوگا ۔ میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہوں ، میرے گرد ایک ہزار خادم طواف کر رہے ہوں گے جو روشن موتیوں کی طرح ہوں گے جب قیامت کا دن ہوگا تو میں ہی انبیاء کا امام اور خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گا ۔

اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو حق تعالیٰ سبحانہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے[۱]

(۹۴)

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں۔ قیامت کے دن آپ کے امتی سب نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی قبرِ انور شق ہوگی سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی کی شفاعت قبول ہوگی۔ سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے پس اللہ تعالیٰ آپ ہی کے لیے دروازہ کھول دے گا۔ قیامت کے روز آپ حمد کا جھنڈا (لواء الحمد) بلند فرمائیں گے۔ جس کے نیچے حضرت آدم اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمُ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہے: "ہم دنیا میں جلوہ گری کے لحاظ آخری اور قیامت میں سب پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔ میں رسولوں کا قائد ہوں اور فخر کے طور پر نہیں کہتا میں تمام نبیوں میں آخری ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہا۔ جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے نکلوں گا جب وہ وفد بنائیں گے تو ان کا قائد میں ہوں جب وہ خاموش ہونگے تو ان کی طرف سے میں عرض کروں گا۔ جب وہ روک دیئے جائیں گے تو میں ان کی شفاعت کروں گا۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو میں انھیں بشارت دوں گا۔ بزرگی اور کنجیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: معارف لدنیہ: ص ۷۶، ۷۷

میں اپنے رب کے نزدیک حضرت آدم کی ساری اولاد سے زیادہ عزت والا ہوں۔ میرے گرد ایک ہزار خادم گھومتے ہوں گے گویا وہ پوشیدہ انڈے یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو میں سارے نبیوں کا امام، خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا اور یہ فخریہ نہیں کہتا [1]

(۹۵)

اگر حضور نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔ اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ان کے پتلے کے لیے مٹی گوندھی جا رہی تھی) [2]

(۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے جمہور علماء کے نزدیک معتبر دلیل یہ ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ کے دست مبارک سے معجزات کا ظہور رہا۔ ہر وہ شخص جو ایسا ہو وہ یقینی طور پر نبی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہ متواتر روایات سے ثابت ہے اور یہ بات کہ آپ نے معجزے ظاہر فرمائے تو یہ اس لیے ہے کہ آپ کے معجزات سے قرآن مجید وغیرہ بھی ہیں [3]

(۹۷)

قرآن کریم اس وجہ سے بھی معجزہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، رسالہ تہلیلیہ مترجم، مطبوعہ کراچی، ۳۹

[2] ایضاً ص ۳۹

[3] ایضاً ص ۳۹۔

عرب کے فصیح و بلیغ لوگوں کو بلند بانگ چیلنج کیا اور دعوت دی کہ وہ قرآن مجید جیسی کوئی سورت پیش کریں۔ اس قسم کے لوگ بکثرت تھے اور وہ انتہائی درجے کے متعصب تھے اور ان کی عہد جاہلیت والی حمیّت و غیرت بہت مشہور تھی مگر وہ قرآن کریم کی کسی چھوٹی سی سورت کے برابر بھی کوئی چیز پیش نہ کر سکے یہاں تک کہ انھوں نے قلمی مقابلے پر جنگ کو ترجیح دی۔ اگر وہ قلمی مقابلہ کر سکتے تو ضرور کرتے اور ہمیں متواتر روایات سے اس کا علم ہوتا اس لیے کہ نقل و روایت کے بکثرت ذرائع ہیں[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: رسالہ تہلیلیہ مترجم، مطبوعہ کراچی ص: ۲۹، ۴۱

آسمانی کتابیں

اللہ جلّ مجدہٗ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاء پر مختلف کتابیں نازل فرمائیں جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ کل آسمانی کتابوں کی گنتی ایک سو چار ہے۔ ایک سو صحیفے مختلف انبیائے کرام پر نازل ہوئے۔

چار بڑی کتابیں نازل ہوئیں، جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ توریت:۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

۲۔ زبور:۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مرحمت فرمائی گئی تھی۔

۳۔ انجیل:۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی گئی تھی۔

۴۔ قرآن مجید:۔ یہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا۔

مذکورہ چاروں کتابوں کا قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ذکر آتا ہے۔ صحائف کا بھی ذکر ہوا ہے مثلاً ایک مقام پر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰت والسّلام کے صحیفوں کا یوں ذکر فرمایا گیا:۔

اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝ صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ۝ [1]	بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

[1] پارہ ۳۰، سورۃ الاعلیٰ، آیت ۱۸، ۱۹

زبور کا اللہ جل مجدہٗ نے یوں ذکر فرمایا ہے :۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ
اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ
وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ
وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ
وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ط
وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ؕ [1]

بے شک اے محبوب، ہم نے
تمھاری طرف وحی بھیجی جیسی وحی
نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں
کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل
اور اسحاق اور یعقوب اور عیسیٰ اور
ایوب اور یونس اور ہارون اور
سلیمان کو اور داؤد کو ہم نے زبور دی

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے زبور کا تذکرہ یوں فرمایا ہے :۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ
عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ
زَبُوْرًا ؕ [2]

اور بے شک ہم نے نبیوں میں
سے بعض کو بعض پر فضیلت دی
اور داؤد کو زبور عطا فرمائی ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت مرحمت فرمائی تھی۔ جس کا ذکر یوں فرمایا گیا :۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ
وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ [3]

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب
عطا کی اور اس کے بعد پے در پے
رسول بھیجے ۔

---

[1] پارہ ۶، سورۃ النساء، آیت ۱۶۳

[2] پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۵۵

[3] پارہ پہلا، سورہ البقرہ، آیت ۸۷

کتاب الٰہی ہونے کے باعث توریت میں ہدایت اور نور ہونے کا قرآن کریم نے یوں اعلان فرمایا ہے:-

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى
وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ
أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ
وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا
مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ [1]

بے شک ہم نے توریت اتاری
اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے
مطابق یہود کو حکم دیتے تھے
ہمارے فرماں بردار نبی اور عالم
اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ
کی حفاظت چاہی گئی تھی اور وہ
اس پر گواہ تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی گئی۔ جس کا قرآن کریم نے یوں ذکر کیا ہے:-

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى
ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ
وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى
وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِينَ ۝ [2]

اور ہم ان نبیوں کے پیچھے
ان کے قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے
تصدیق کرتا ہوا توراۃ کی جو اس سے
پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا
کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور
تصدیق فرماتی ہے توریت کی کہ اس
سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت
پرہیزگاروں کو۔

---

[1] پارہ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۴۴

[2] پارہ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۴۶

قرآن کریم، توریت اور انجیل کا یوں بھی مشترکہ ذکر فرمایا گیا ہے :-

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ	اس نے تم پر سچی کتاب اتاری،
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ	اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور
أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝	اس نے اس سے پہلے توریت اور
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ	انجیل اتاری لوگوں کو راہ دکھاتی اور
وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ط إِنَّ	فیصلہ اتارا، بے شک وہ جو اللہ کی
الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ	آیتوں سے منکر ہوئے ان کیلیے
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ط	سخت عذاب ہے اور اللہ غالب
وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ [1]	بدلہ لینے والا ہے ۔

اور اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کے بارے میں فرمایا :-

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ	وہ بلند رتبہ کتاب، کوئی شک کی
فِيهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ [2]	جگہ نہیں اس میں۔ ہدایت ہے ڈروالوں کے لیے ۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتادیا کہ میرا نام قرآن مجید ہے اور میں لوحِ محفوظ میں بھی موجود ہوں ۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي	بلکہ کمال شرف والا قرآن ہے
لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ [3]	لوحِ محفوظ میں ۔

---

[1] پارہ ۳ سورہ آلِ عمران ، آیت ۳ ، ۴

[2] پارہ پہلا ، سورۃ البقرہ ، آیت ۲

[3] پارہ ۳۰ سورہ البروج ، آیت ۲۱، ۲۲

قرآن مجید نے بتایا کہ میرا نام قرآن کریم بھی ہے اور مجھے رب العالمین نے نازل فرمایا ہے :-

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ	بے شک یہ عزت والا قرآن ہے
كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ	محفوظ نوشتہ میں، اسے نہ
اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۙ تَنْزِيْلٌ	چھوئیں مگر باوضو، اتارا ہے
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1]	سارے جہان کے رب نے۔

قرآن کریم آہستہ آہستہ نازل کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اس نے خود بیان فرمایا ہے :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ	بے شک ہم نے تم پر قرآن
الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۚ [2]	بتدریج اتارا۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ رمضان شریف کے مقدس مہینے میں نازل ہوا تھا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ	رمضان کے مہینہ میں قرآن
اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ	اترا، لوگوں کے لیے ہدایت
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ	اور راہنمائی اور فیصلہ کی
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ [3]	روشن باتیں۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ میں مبارک رات میں نازل ہوا تھا :-

---

[1] پارہ ۲۷، سورہ الواقعہ، آیت ۷۷ تا ۸۰

[2] پارہ ۲۹، سورہ الدھر، آیت ۲۳

[3] پارہ ۲، سورہ القدر، آیت ۱ تا ۵

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ [1]

قسم اس روشن کتاب کی، بے شک ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا، بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں، اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام۔

قرآنِ کریم نے مذکورہ رات کی نشاندہی کر کے اس کے فضائل یوں بیان فرمائے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ [2]

بے شک ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا اور تم نے کیا جانا کہ کیا ہے قدر کی رات، قدر والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے وہ سلامتی ہے صبح کے چمکنے (طلوع ہونے) تک۔

قرآن کریم نے بتایا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا ہے؛

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا — بے شک ہم نے اس قرآن کو

---

[1] پارہ ۲۵، سورہ دخان آیت ۲ تا ۴

[2] پارہ ۳۰، سورہ القدر، آیت ۱ تا ۵

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ ؎۱

عربی میں اتارا تاکہ تم سمجھ سکو

دوسرے مقام پر اسی امر کا یوں ذکر فرمایا گیا ہے :-

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۞ ؎۲

اور اسی طرح ہم نے اسے عربی زبان میں اتارا اور اس میں طرح طرح سے عذاب کے وعدے دیئے کہ کہیں انھیں ڈر ہو یا ان کے دل میں کچھ سوچ پیدا کر دے ۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے عربی میں نازل ہوا تھا ۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۞ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۞ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۞ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ؎۳

اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے ۔ اسے روح الامین (حضرت جبریل) لے کر اترا تمھارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں اور بے شک اس کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے ۔

قرآن کریم نے علی الاعلان بتایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے ۔

؎۱ پارہ ۱۲ ۔ سورہ یوسف آیت ۲

؎۲ پارہ ۱۶ ، سورہ طٰہٰ ، آیت ۱۱۳

؎۳ پارہ ۱۹ ، سورہ شعراء آیت ۱۹۲ تا ۱۹۶

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ
كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ [1]

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام
کیے اور اس پر ایمان لائے جو
محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے
رب کے پاس سے حق ہے اللہ
نے ان کی برائیاں دور کر دیں اور
ان کی حالت سنوار دی۔

اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے یوں اعلان کرایا:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ
بَلَغَ ۝ [2]

اور میری طرف اس قرآن کی وحی
ہوئی کہ میں اس سے تمھیں ڈراؤں
اور جس جس تک پہنچے۔

قرآن مجید نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے لیے نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس سرمایۂ زندگی پر اظہار مسرت کیا کریں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ
مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ
لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے
رب کی طرف سے نصیحت آئی،
اور دلوں کی صحت اور ایمان والوں
کے لیے ہدایت و رحمت، تم فرماؤ

---

[1] پارہ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۲

[2] پارہ ۷، سورہ الانعام، آیت ۱۹

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ	کہ اللہ ہی کے فضل اور اس کی
فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ	رحمت اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں
خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝	وہ ان کی سب دھن دولت سے
؎۱	بہتر ہے ۔

دوسرے مقام پر قرآن کریم کے شفا اور رحمت ہونے کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا	اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز
هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	جو ایمان والوں کے لیے شفا اور
وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ	رحمت ہے اور اس سے ظالموں
اِلَّا خَسَارًا ۝ ؎۲	کو نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے ۔

قرآن کریم نے بتایا کہ اسے نصیحت کے لیے نازل فرمایا گیا ہے :۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ	ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہ اتارا
لِتَشْقٰى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ	کہ تم مشقت میں پڑو ، ہاں یا اس
يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ	کو نصیحت ہے جو ڈر رکھتا ہو یہ
خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ	اس کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین
الْعُلٰى ۝ ؎۳	اور اونچے آسمان بنائے ۔

قرآن کریم نے بتایا کہ جس پر قرآن نازل ہوا وہ ساری کائنات کا نبی ہے ۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ	بڑی برکت والا ہے وہ جس نے قرآن

؎۱ پارہ ۱۱ ، سورۂ یونس ، آیت ۵۷ ، ۵۸

؎۲ پارہ ۱۵ ، سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۸۲

؎۳ پارہ ۱۶ ، سورہ طٰہٰ ، آیت ۲ ، ۴

الفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ؕ ١ ؎

اتارا، اپنے بندے پر، جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ جہاں وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے وہاں اس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۔ ٢ ؎

اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اس میں ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔ ہمیں اگر تفصیلی بیانات نظر نہیں آتے تو یہ ہماری نظر کی کوتاہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنی تفصیلات کا انکار کر دیا جائے اللہ تعالیٰ کی اور کون سی حکمتوں کا عقل احاطہ کر لیتی ہے۔ جو اس کی تفصیلات کو دیکھ پائے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جب مدنی سرکار کے بارے میں بتایا کہ :۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

اس صاحب قرآن کے علوم عظیمہ، کثیرہ، وافرہ، متکثرہ، محققہ کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ :۔

مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ

یہ (قرآن) کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کلاموں کی

---

١ ؎ پارہ ١٨، سورۃ الفرقان، آیت پہلی

٢ ؎ پارہ ١٤، سورہ النحل، آیت ٨٩

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ
وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ۱؎

تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل
بیان اور مسلمانوں کے لیے
ہدایت اور رحمت ۔

قرآنِ کریم نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ اس کی بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہات نیز یہ بھی وضاحت فرمادی کہ وہ کون لوگ ہیں جو متشابہات سے محکم آیات کی طرح استدلال کرتے اور تاویلیں ڈھونڈتے ہیں ۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ
وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ
فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ
تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ
اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي
الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا
يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۲؎

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب
(قرآن مجید) اتاری، اس کی کچھ آیتیں
صاف معنی رکھتی ہیں اور دوسری وہ
جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ
جنکے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ
والی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں
گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے
کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو
معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے
ہیں کہ ہم اس پر ایمان
لائے، سب کچھ ہمارے رب
کے پاس سے ہے ۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے کلام الٰہی ہونے کی یہ بھی دلیل ہے

۱؎ پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۱۱۱

۲؎ پارہ ۳، سورۃ آلِ عمران، آیت ۷

کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ
وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ
لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا
كَثِيرًا ۔ [۱]

تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں
اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے
ہوتا تو ضرور اس میں بہت
اختلاف پاتے۔

قرآن کریم نے اپنے مخالفین کو برملا چیلنج کیا ہے کہ اگر ان کے نزدیک یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا اپنا ہی گھڑا ہوا کلام ہے تو وہ بھی ایسی دس سورتیں لے آئیں، پیش تو کریں، کیونکہ انسان کے کلام کی مثل لے آنا ناممکن نہیں ہے۔ علاوہ بریں تمھیں تو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز بھی ہے، سب مل کر اس کی مثل لے آؤ۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ
فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ
مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ [۲]

کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسے
(قرآن کریم کو) جی سے بنا لیا ہے، تم
فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس
سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا
جو مل سکیں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو

قرآن کریم نے اسی مقام پر اعلان کو یوں دہرایا ہے:۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ
مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا
فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ

اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم
نے اپنے خاص بندے پر اتارا،
تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ،

---

[۱] پارہ ۵، سورہ النسآء، آیت ۸۲

[۲] پارہ پہلا، سورہ البقرہ، آیت ۲۳

وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [1] — اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائیتوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن کریم نے علی الاعلان بتا دیا کہ ساری کائنات مل کر بھی اس کی مثل نہیں بنا سکتی۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ [2] — اے محبوب! تم فرماؤ، اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس کلام کی مانند کلام لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار نہ ہو

قرآن کریم نے اپنے متعلق اور دیگر آسمانی کتابوں کے بارے میں اور بھی بہت سے گوشے اجاگر کیے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں ضمناً بعض عقائد کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض باتیں قارئین کرام کی خدمت میں یہاں پیش کر دیتا ہوں۔

۹۸

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حروف اور آواز کے الفاظ میں آیا ہے، اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم دیا گیا ہے جیسے ہم اپنے کلام کو اپنے حلق اور زبان کے ذریعے حروف اور آواز کا لباس پہنا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد کو میدانِ ظہور میں لاتے ہیں اسی طرح حق سبحانہٗ نے اپنے کلام نفسی کو حلق اور زبان کے بغیر اپنی قدرتِ کاملہ سے

---

[1] پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۳۸

[2] پارہ پہلا، سورۃ البقرہ، آیت ۲۳

حروف اور آواز کا لباس پہنا کر بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اپنے مخفی امامر نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لاکر منصۂ شہود پر جلوہ گر فرما دیا ہے۔ پس نفسی اور لفظی دونوں قسم کا کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور کلام کا اطلاق ان دونوں قسموں پر بطریقِ حقیقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام یعنی نفسی اور لفظی بطریقِ حقیقت دونوں ہمارے ہی کلام شمار ہوں گے۔ بات یوں نہیں کہ پہلی قسم حقیقت ہو اور دوسری قسم مجاز۔ یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ مجاز کی نفی جائز ہے جبکہ کلامِ لفظی کی نفی کرنا اور اسے خدا کا کلام نہ کہنا کفر ہے[1]

۹۹

تاویلِ متشابہات کا علم ان معاملات سے کنایات ہیں جو رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور امتیوں میں سے بہت ہی قلیل افراد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے حصہ عطا کرتے ہیں اور اس دنیا میں ان امتیوں پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا صرف نقاب اٹھاتے ہیں لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایک بہت بڑا گروہ تبعیت کے طور پر امتیوں میں سے اس دولت سے مشرف کریں لیکن حقیقتِ کار کا علم عطا نہیں کرتے اور تاویل کو منکشف نہیں فرماتے۔ بالجملہ جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل ان بعض کو حاصل ہو، لیکن نہیں جانتا کہ کیا حاصل ہے کیونکہ متشابہات جو معاملات سے اشارات و کنایات ہیں۔ روا ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو اور اس معاملہ سے علم حاصل نہ ہو۔ فقیر نے اس معنی کا اپنے خادموں سے بھی ایک کے اندر مشاہدہ کیا ہے اور دوسروں کی یہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے[2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۳۵

(۱۰۰)

اس فقیر پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ الفاظِ قرُب اور معیّت اور احاطہ حق تعالیٰ سبحانہ کے لیے جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں ۔منجملہ متشابہاتِ قرآنی کے ہیں جیساکہ لفظ یدؔ اور وجہ وغیرہ ہیں اور یہی حال اوّل و آخر وظاہر و باطن اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے لہٰذا ہم حق تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ قرب کیا چیز ہے ۔اسی طرح ہم اسے اوّل کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ یہاں اوّل سے کیا مراد ہے اور قرب واولیّت کے جو معنی ہمارے علم وفہم کے احاطہ میں آئے ہیں حق تعالیٰ سبحانہ اس سے منزہ اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف اور مشاہدہ میں سما سکتا ہے ۔حق تعالیٰ اس سے بہت بلند وبالا اور پاک ہے ۔

حق تعالیٰ کے قرُب اور معیّت کی جس کیفیت کو بعض خود ساختہ صوفیوں نے کشف کے طور پر دریافت کیا ہے اور وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہٗ کو قریب اور ساتھ سمجھتے ہیں وہ مستحسن نہیں ہے انھوں نے فرقۂ مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھ دیا ہے۔ تاویل میں کہا ہے یعنی قرب سے مراد علمی قرب لے لیا ہے تو وہ اسی طرح پر ہے جیسے انھوں نے یدؔ کی تاویل قدرت سے کی ہے اور وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے ۔ یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور ہم تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق تعالیٰ سبحانہ کے علم کے حوالے کردیتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے[1]

(۱۰۱)

وہ کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیائے کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر

؎ مجسمہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتا ہے ؛ اختر

[1] شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی : مبداء و معاد ، ص ۶۱ ، ۶۲

نازل فرمائے گئے تھے۔ وہ سب بھی خدا کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآنِ کریم، دیگر کتبِ سابقہ اور صحیفوں میں درج ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں کہ اپنے وقت کے مطابق بندوں کو ان پر عمل کرنے کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے[1]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوب امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

فرشتے

یہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق اور تعداد میں ہر مخلوق سے زیادہ ہیں یہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے فرمانبردار بندے ہیں کہ ان کی فرمانبرداری ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ قرآن کریم نے ان کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔ ان کی عبادت گزاری کا ذکر یوں فرمایا گیا :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ [۱]	بے شک وہ (فرشتے) جو تیرے رب کے پاس ہیں، اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بولتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ہر مخلوق ارضی ہو یا سماوی، وہ بارگاہِ خداوندی میں سجودِ عبودیت پیش کرتی ہے اگرچہ ہمیں اس امر کا شعور نہیں ہوتا اور فرشتے بھی سجدہ کرکے احکامِ خداوندی کی تکمیل کرتے رہتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝	اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے اور فرشتے اور

---

[۱] پارہ ۹، سورۂ اعراف، آیت ۲۰۶

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ؎۱	اور وہ غرور نہیں کرتے اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم ہو۔

فرشتوں کے پر بھی ہوتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم نے ہمیں بتایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ؎۲	سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، فرشتوں کو رسول کرنے والا، جن کے دو۲ دو۲، تین۳ تین۳، چار۴ چار۴ پر ہیں بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ فرشتے مونث نہیں ہیں چونکہ اس مخلوق میں سرے سے تذکیر و تانیث کا مسئلہ ہی ہے نہیں لہٰذا انھیں مونث بتانا نری جہالت ہے ہاں احتراماً ان کے لیے مذکر کے صیغے استعمال کرنے چاہییں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰى ۝ وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ	بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، فرشتوں کا نام عورتوں جیسا رکھتے ہیں انھیں اس کا کوئی علم نہیں وہ تو نرے گمان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں (یعنی یہ انکے

؎۱ پارہ ۱۴، سورہ نحل، آیت ۴۹، ۵۰

؎۲ پارہ ۲۲، سورہ فاطر، آیت پہلی

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ؀ ۱ | عقلی ڈھکوسلے ہیں) اور بے شک گمان، یقین کی جگہ کچھ کام نہیں دیتا۔

جملہ فرشتوں کے سردار چار² حضرات ہیں : ۱۔ جبرائیل ۲۔ میکائیل ۳۔ اسرافیل ۴۔ عزرائیل علیہم السلام۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام مذکورہ چاروں حضرات میں سب سے مقرب ہیں ، یہ انبیائے کرام پر وحی لانے کے لیے مامور تھے اور ان کا یہ کام نزول قرآن کریم کے بعد پورا ہوچکا تھا۔ اس کے بعد نہ وہ کسی پر وحی لے کر آئے اور نہ تاقیامت کسی پر وحی آئے گی علاوہ بریں لشکروں کو فتح شکست دینا اور ہواؤں کا چلانا بھی ان کے سپرد ہے۔

میکائیل علیہ السلام روزی کا بندوبست کرنے اور بارش برسانے پر متعین ہیں۔

اسرائیل علیہ السلام صور لے کر کھڑے ہیں کہ جب بھی باری تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو تو قیامت کا بگل بجادیا جائے تاکہ سب کچھ فنا ہوجائے۔ اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو مردے زندہ ہوجائیں گے۔

عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے پہ مامور ہیں۔ ان کے علاوہ رضوان فرشتہ جنت کا انچارج ہے اور مالک دوزخ کا ، رعد فرشتہ بادلوں پر متعین ہے، حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کے دشمنوں کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے : ۔

مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ ؀ ۲ | جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

---

۱ پارہ ۲۷ ، سورۃ النجم ، آیت ۲۷ ، ۲۸

۲ پارہ ۱ ، سورۃ البقرہ ، آیت ۹۸

قرآن کریم نے حضرت جبرئیل کی شان یوں بیان فرمائی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ	بے شک یہ عزت والے رسول کا
ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ	پڑھا ہے جو قوت والا مالک عرش
مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ	کے حضور عزت والا مطاع اور
اَمِيْنٍ ؕ [1]	امانت دار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پھونک مارنے سے پیدا ہوئی تھی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ	اور کتاب میں مریم کو یاد کرو جب اپنے
انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا	گھر والوں سے مشرق کی جانب ایک
شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ مِنْ	جگہ الگ گئی تو ان سے ادھر ایک
دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ	پردہ کر لیا تو اس کی طرف ہم نے
اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا	اپنا روحانی (حضرت جبرئیل) بھیجا
سَوِيًّا ۙ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ	وہ اس کے سامنے ایک تندرست
بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ	آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا، بولی
تَقِيًّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا	میں تجھ سے رحمٰن (خدا) کی پناہ مانگتی
رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ	ہوں اگر تجھے خدا کا ڈر ہے، بولا میں
لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۙ [2]	تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں
	تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

❁ ❁

---

[1] پارہ ۳۰، سورہ تکویر، آیت ۱۹ تا ۲۱

[2] پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۱۶ تا ۱۹

حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت ہیں ۔ ان کا قرآن کریم نے یوں ذکر فرمایا ہے ۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ	تم فرماؤ تمھیں وفات دیتا ہے موت
الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى	کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۔ [1]	رب کی طرف واپس جاؤ گے ۔

کافر کی جان کو فرشتے سختی سے نکالتے ہیں اور اسے جان کنی کے دقت عذاب کی وعید سناتے ہیں ۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ	اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم
الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا	موت کی سختیوں میں ہو اور فرشتے
اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ	ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں کہ نکالو
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا	اپنی جانیں ۔ آج تمھیں ذلت و
كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ	خواری کا عذاب دیا جائے گا، بدلہ
الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ	اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے
تَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ [2]	اور اس کی آیتوں پر تکبر کرتے تھے

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر آدمی کے کندھوں پر دو فرشتے بیٹھے ہوتے ہیں ۔ دائیں کندھے والا فرشتہ نیکیاں لکھنے پر مامور ہے اور بائیں کندھے والا اس آدمی کی برائیاں اور گناہوں کو لکھا کرتا ہے اور ہر آدمی کی نیکیوں اور بدیوں کی فہرست روزانہ مرتب ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ پوری عمر کے اچھے برے کاموں کی جنرل فہرست

---

[1] پارہ ۲۱ ، سورہ السجدہ ، آیت ۱۱

[2] پارہ ۷ ، سورہ الانعام ، آیت ۹۳

بارگاہِ خداوندی میں محفوظ ہوجاتی ہے ۔ اس مکمل فہرست کو اعمالنامہ کہتے ہیں جو قیامت کے روز ہر شخص کو اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا ۔ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو کراما کاتبین کہتے ہیں ۔ قرآنِ کریم نے یوں ان کا ذکر فرمایا ہے :۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۔ [1]	جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے، ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں ۔ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو ۔

کراما کاتبین کا قرآنِ کریم نے ان لفظوں میں بھی ذکر فرمایا ہے ۔

وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۔ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ [2]	اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں، معزز لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ۔

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ انسان کی نگرانی پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہیں ۔

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ ، [3]	آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکمِ خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں ۔

---

[1] پارہ ۲۶ ، سورۂ ق آیت ۱۷، ۱۸

[2] پارہ ۳۰ ، سورہ انفطار، آیت ۱۰ تا ۱۲

[3] پارہ ۱۳ ، سورۂ الرعد ، آیت ۱۱

فرشتے تسبیح و تحلیل کے ساتھ اہلِ زمین کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ط اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ [1]

قریب ہوتا ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے شق ہو جائیں اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں۔ سن لو بے شک اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ دوزخ کے انچارج فرشتے کا نام مالک ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ط قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۔ [2]

بے شک مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ کبھی ان پر ہلکا نہ پڑے گا اور وہ اس میں ناامید رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمیں تمام کر چکے وہ فرمائے گا: تمہیں تو ٹھہرنا ہے۔

---

[1] پارہ ۲۵، سورہ الشوریٰ، آیت ۵

[2] پارہ ۲۵، سورہ الزخرف، آیت ۷۴ تا ۷۷

کافروں کو دوزخ کا عذاب دینے کے لیے سخت فرشتے مقرر ہیں ، جو احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا	اے ایمان والو! اپنی جانوں اور
اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ	اپنے گھر والوں کو اس آگ سے
نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ	بچاؤ، جس کے ایندھن آدمی اور
وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ	پتھر ہیں۔ اس پر سختی کرنے
غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ	فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم
اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ	نہیں ٹالتے اور جو انھیں حکم ہو
مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ؂	وہی کرتے ہیں ۔

قرآن کریم نے بتایا کہ دوزخ پر انیس ۱۹ فرشتوں کی ڈیوٹی ہے ۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا	اس (دوزخ) پر انیس ۱۹ داروغہ
جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً	ہیں اور ہم نے دوزخ کے داروغہ
وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ	نہ کیے مگر فرشتے اور ہم نے یہ گنتی
كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	نہ رکھی مگر کافروں کی آزمائش کو،
الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اس لیے کہ کتاب والوں کو یقین
اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ	آئے اور ایمان والوں کا ایمان
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ	بڑھے، اور کتاب والوں اور
الْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ	مسلمانوں کو کوئی شک نہ رہے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ	اور دل کے روگی اور کافر کہیں کہ

؂ پارہ ۲۸ ، سورۃ التحریم ، آیت

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ
اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ
جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ
وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى
لِلْبَشَرِ ۝ ؎[1]

اس اچنبھے کی بات سے اللہ کا
کیا مطلب ہے یونہی اللہ گمراہ
کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت
فرماتا ہے جسے چاہے اور تمہارے
رب کے لشکروں کو اس کے
سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تو نہیں
مگر آدمی کے لیے نصیحت ۔

کچھ فرشتے حاملینِ عرش ہیں جو اہلِ زمین کے حق میں یوں دعائیں کرتے رہتے ہیں

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ
وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ
كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا
فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَا
تَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ
عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا
وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ
عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

وہ (فرشتے) جو عرش اٹھاتے ہیں
اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی
تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے
اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی
مغفرت مانگتے ہیں ۔ اے رب
ہمارے! تیری رحمت و علم میں ہر چیز
کی سمائی ہے تو انھیں بخش دے
جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر
چلے اور انھیں دوزخ کے عذاب
سے بچالے، اے ہمارے رب!
اور انھیں بسنے کے باغوں میں داخل کر

؎[1] پارہ ۲۹ ، سورۃ المدثر ، آیت ۳۰ ، ۳۱

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ [1]

جن کا تونے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کو جو نیک ہوں اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں بے شک تو ہی عزت وحکمت والا ہے اور انھیں گناہوں کی شامت سے بچا لے اور جس کو اس روز گناہوں کی شامت سے بچائے، تو بے شک تونے اس پر رحم فرمایا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

⁂

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے بعض امور کا اپنے مکتوبات عالیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ قارئین کرام کی خدمت میں ایسی دو عبارتیں مکتوبات امام ربانی سے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱۰۲)

فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رسالت اور تبلیغ سے مشرف ہیں۔ ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ خدا کی نافرمانی کرنا ان کے حق میں مفقود ہے انھیں خوراک اور پوشاک کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ میاں بیوی کے تعلق سے دور اور توالد و تناسل سے مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے ان کے ذریعے ہی نازل ہوئے یہ امانت ان کے ذریعے محفوظ و مامون رہی۔ فرشتوں پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے اور ان کو سچا جاننا اسلام کے واجبات

---

[1] پارہ ۲۴، سورہ المومن آیت ۷ تا ۹

سے ہے [1]

(۱۰۳)

فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں۔ حکمِ خدا کی نافرمانی ان کے حق میں
اثر نہیں ہے۔ انھیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ عورت و مرد ہونے
پاک ہیں۔ ان میں توالد و تناسل بھی نہیں ہے ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے
پیغام بری کیلئے منتخب فرمایا ہے یعنی وحی پہنچانے پر مامور کیا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کو کتابیں اور صحیفے پہنچانے والے یہی ہیں۔ یہ خطا اور خلل سے محفوظ اور دشمن
کے مکر وفریب سے مامون ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام پہنچائے سب
حق اور درست ہیں اس عمل میں احتمال اور اشتباہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ یہ بزرگوار
اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور تعمیلِ حکم کے سوا ان کا
اور کوئی کام نہیں [2]۔

---

[1] شیخ احمد سرہندی، حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی دفتر سوم، مکتوب ۱۷
[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۶۷

برزخ و آخرت اور جنّت و دوزخ

پیدائش سے موت تک کے عرصے کو دنیاوی زندگی کہتے ہیں۔ مرنے سے لے کر قیامت تک کی زندگی کو برزخی زندگی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور قیامت کے بعد جو ہمیشہ کی زندگی ہے اسے حیاتِ اخروی کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے برزخی زندگی کا مختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً ایک جگہ یوں ذکر کیا ہے:۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ	یہاں تک کہ جب کسی کو موت آئے
الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝	تو کہتا ہے کہ اے رب! مجھے واپس
لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا	پھیر دیجیے شاید اب میں بھلائی
تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ	کماؤں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا
هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ	ہوں یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے
وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ	منہ سے کہتا ہے اور ان کے
اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝[1]	آگے ایک آڑ (برزخ) ہے
	اس دن تک جس میں اٹھائے
	جائیں گے۔

قرآن کریم نے برزخی زندگی میں عذاب و ثواب کی تصریح بھی فرمائی ہے۔

---

[1] پارہ ۱۸، سورۃ المومن، آیت ۹۹، ۱۰۰

اس زندگی کے عذاب کو عموماً عذابِ قبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے آلِ فرعون کے اسی عذاب کے بارے میں فرمایا ہے:۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا	آگ جس پر صبح و شام پیش کیے
غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَ يَوْمَ	جاتے ہیں اور جس دن قیامت
تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ	قائم ہوگی، حکم ہوگا۔ فرعون والوں
فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ o [1]	کو سخت تر عذاب میں داخل کرو۔

مرنے کے بعد کفار کی روح آسمان پر نہیں جاتی جیسا کہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	وہ جنھوں نے ہماری آیات جھٹلائیں
بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا	اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے
لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ	نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں
وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ	اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں،
حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ	جب تک سوئی کے ناکے میں
سَمِّ الْخِيَاطِ o وَكَذٰلِكَ	اونٹ داخل نہ ہو اور مجرمین کو ہم
نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ o [2]	ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۲۴، سورہ المومن، آیت ۴۶

[2] پارہ ۸، سورہ اعراف، آیت ۴۰

علاماتِ قیامت

یوں تو قیامت کی بہت سی نشانیاں احادیث میں بتائی گئی ہیں۔ جن میں سے یاجوج ماجوج کا نکلنا بھی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا ذکر یوں فرمایا ہے :-

حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ	یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے
وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ	یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے
حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۔ ؎۱	ڈھلکتے ہوں گے۔

قیامت کی نشانیوں میں دابۃ الارض بھی ہے اس کا ذکر قرآنِ کریم نے یوں فرمایا ہے :-

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ	اور جب بات آپڑے گی ہم زمین
اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ	سے ان کے لیے ایک چوپایہ
تُکَلِّمُھُمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا	(دابۃ الارض) نکالیں گے، جو
بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۔ ؎۲	لوگوں سے کلام کریگا اس لیے کہ لوگ
	ہماری آیتوں پہ ایمان نہ لاتے تھے۔

؎۱ پارہ ۱۷، سورۃ انبیاء، آیت ۹۶

؎۲ پارہ ۲۰، سورۃ النمل، آیت ۸۲

قیامت کے نزدیک آسمان سے دھوآں ظاہر ہوگا۔ جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے :۔

بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ۝ یَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ [1]	بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھوآں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذاب ۔

قیامت کی نشانیوں کے بارے میں قرآنِ کریم نے یہ اعلان فرمایا ہے :۔

فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ [2]	تو کس کے انتظار میں ہیں، مگر قیامت کے کہ اچانک ان پر آجائے حالانکہ اس کی نشانیاں تو آہی چکی ہیں ۔

نفخِ صور

حضرت اسرافیل علیہ السّلام صور پھونکنے کے لیے تیار کھڑے ہیں کہ جب پروردگارِ عالم کا حکم ہو تو فوراً اسے بجا دیں ۔صور سے اتنی کرخت آواز نکلے گی کہ تمام چیزیں

---

[1] پارہ ۲۵ ، سورۃ الدخان ، آیت ۹ تا ۱۱

[2] پارہ ۲۶ ، سورہ محمد ، آیت ۱۸

تباہ وبرباد ہوجائیں گی۔ قرآن کریم نے بتایا ہے :۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ	اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو
فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ	ہیں اور جتنے زمین میں ہیں اور
شَآءَ اللّٰهُ ط وَكُلٌّ اَتَوْهُ	مگر جسے خدا چاہے اور سب اس کے
دَاخِرِيْنَ ہ [1]	حضور حاضر ہوئے۔

صور کی آواز ایک چیخ کی مانند ہو گی، جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے :۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً	اور یہ (کافر) انتظار نہیں
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ	کرتے مگر چیخ کا، جسے کوئی
فَوَاقٍ ہ [2]	پھیر نہیں سکتا۔

صور دو دفعہ پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ پھونکنے پر سب فنا کی گود میں چلے جائیں گے اور دوسری دفعہ پھونکنے پر سب انسان اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرنا چاہے گا وہ زندہ ہوجائیں گے اور انسان اپنی قبروں سے اس طرح نکل آئیں گے جیسے زمین سے سبزہ اگتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے :۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ	اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ	ہوجائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں
فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ	اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے
اللّٰهُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى	پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا

---

[1] پارہ ۲۰، سورہ النمل، آیت ۸۷

[2] پارہ ۲۳، سورہ ص، آیت ۱۵

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ	اس وقت وہ دیکھتے ہی کھڑے
يَّنْظُرُوْنَ ۝ [1]	ہو جائیں گے ۔

نفخ صور اور اس وقت کی تباہی کے بارے میں قرآن کریم نے یوں تصریح فرمائی ہے ۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ	اور جب صور پھونک دیا جائے دفعتاً
وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ	اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعتہً
وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً	چورا کر دیئے جائیں ۔ وہ دن ہے
وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ	جب واقع ہو جائے واقع ہونے
الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ	والی اور آسمان پھٹ جائے
السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ	گا تو اس دن اس کا پتلا حال
وَّاهِيَةٌ ۝ [2]	ہو گا ۔

دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا قرآن کریم نے ان لفظوں میں بھی ذکر فرمایا ہے :۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ	اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں
مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ	سے اپنے رب کی طرف دوڑتے
يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ	چلیں گے، کہیں گے کہ ہلئے ہماری
بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا	خرابی کس نے ہمیں سوتے ہوئے
هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ	جگا دیا ۔ یہ ہے وہ جس کا رحمٰن
وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝	نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے

---

[1] پارہ ۲۴ ، سورۃ الزمر، آیت ۶۸

[2] پارہ ۲۹ ، سورۃ الحاقہ آیت ۱۳ تا ۱۶

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ○ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ [1]

حق فرمایا۔ وہ تو نہ ہوگی مگر ایک چنگھاڑ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے تو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور تمھیں بدلہ نہ ملے گا مگر اپنی کمائی کا (جو تم نے بُرے اور بھلے کام کیے)۔

دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا تذکرہ یوں بھی فرمایا گیا ہے ۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ أَفْوَاجًا [2]

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج ۔

دوبارہ زندہ ہونا

کفار یہ کہتے تھے کہ انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے :۔

ذَٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا

یہ ان کی سزا ہے اس پر کہ انھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور بولے

---

[1] پارہ ۲۴، سورہ الزمر، آیت ۶۸

[2] پارہ ۲۹، سورہ الحاقہ آیت ۱۳ تا ۱۶

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا	کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ
وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ	ہوجائیں گے تو کیا سچ مچ ہم
خَلْقًا جَدِيْدًا ؁[1]	نئے بن کر اٹھ جائیں گے ۔

کفار کے اسی خیال کو ان لفظوں میں بھی قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے :

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا	اور آدمی کہتا ہے کہ جب میں مر
مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ	جاؤں گا تو عنقریب زندہ کر کے
حَيًّا ۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ	نکالا جاؤں گا (قبر سے) کیا آدمی
اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ	کو یہ یاد نہیں کہ ہم نے اس سے
يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ	پہلے اسے بنایا اور وہ کچھ بھی نہ
لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ	تھا تو تمھارے رب کی قسم ہم
ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝	انھیں اور سب شیطانوں کو گھیر لائیں
ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ	گے اور انھیں دوزخ کے ارد گرد
شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ	حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل
عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝	گرے ہوئے پھر ہم ہر گروہ سے
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ	انھیں نکالیں گے جو رحمٰن پر سب
بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى	سے زیادہ بے باک ہوں گے
بِهَا صِلِيًّا ۝ ؁[2]	پھر ہم انھیں خوب جانتے ہیں جو اس آگ
	میں جھونکنے کے زیادہ لائق ہیں ۔

⁂

؁[1] پارہ ۱۵ ، سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۹۸

؁[2] پارہ ۱۶ ، سورۂ مریم آیت ۶۶ تا ۷۰

کافروں کے اس نظریہ کی تردید یوں بھی کی گئی ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ط قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ [1]

کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے
اسے پانی کی بوند سے بنایا ہے
اس لیے وہ صریح جھگڑالو ہے
اور ہمارے لیے کہاوت بیان
کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول
جاتا ہے۔ بولا ایسا کون ہے کہ
ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل
گل گئیں، تم فرماؤ انھیں وہ زندہ
کرے گا جس نے پہلی بار انھیں بنایا
اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

کفار کے اسی باطل خیال کو قرآن کریم نے یوں بھی رد فرمایا ہے:-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝ [2]

کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہرگز
اس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے
کیوں نہیں، ہم قادر ہیں کہ اس کے
پور ٹھیک بنادیں۔

اللہ رب العزت نے بتایا ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا، گلی سڑی ہڈیوں اور مٹی میں ملے ہوئے انسان کو پہلی حالت پر جمع کرکے زندہ کرنا بھی پہلی دفعہ

---

[1] پارہ ۲۳، سورہ یاسین، آیت ۷۷ تا ۷۹

[2] پارہ ۲۹، سورۃ القیامہ، آیت ۳، ۴

پیدا کرنے کی طرح ہے، جیسا کہ فرمایا ہے :-

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا	تم فرما دو، زمین میں سفر کرکے
كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ	دیکھو، اللہ کیوں کر پہلے بناتا
يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ	ہے پھر اللہ دوسری اٹھان
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ	اٹھاتا ہے۔ بے شک اللہ سب
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ [1]	کچھ کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مردوں کو زندہ کرنا اس کے لیے زمین میں سبزہ اگانے کی طرح ہے :-

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ	تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو
اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ	کیونکر زمین کو جلاتا ہے اس کے
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ	مرنے کے بعد۔ بے شک
ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ	وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [2]	سب کچھ کرسکتا ہے۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ قیامت کا روز پچاس ہزار سال کا ہوگا :-

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ	ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف
اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ	عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ [3]	ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس

ہے۔

[1] پارہ ۲۰، سورہ عنکبوت، آیت ۲۰

[2] پارہ ۲۹، سورۃ المعارج، آیت ۴

[3] ایضاً

اعمال نامے

نیکیوں اور بدیوں کی جنرل فہرست کا نام اعمال نامہ ہے قیامت کے روز ہر شخص کو اس کا اعمال نامہ ملے گا۔ نیک لوگوں کو سامنے سے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور برے آدمیوں کو بائیں ہاتھ میں پیچھے سے دیا جائے گا۔ اس بات کو قرآنِ کریم نے یوں بیان فرمایا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ
بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ
حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ وَّیَنْقَلِبُ
اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝
وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ
کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ
فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝
وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ۝ اِنَّهٗ
کَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ
مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ
ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝
بَلٰۤی اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ

تو وہ جو اپنا اعمال نامہ داہنے ہاتھ
میں دیا جائے اس سے عنقریب
سہل حساب لیا جائے گا اور اپنے
گھر والوں کی طرف شاد شاد پلٹے
گا اور وہ جس کا نامہ اعمال اس کی
پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے وہ
عنقریب موت مانگے گا اور بھڑکتی
آگ میں جائے گا۔ بے شک وہ
اپنے گھر میں خوش تھا وہ سمجھا
کہ اسے (خدا کی طرف) پھرنا
نہیں۔ ہاں کیوں نہیں، بے شک
اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے

بَصِيْرًا ۝ [1]

نامہ اعمال کے بارے میں قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے :-

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ	اس روز (بروز قیامت) لوگ
اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ	اپنے رب کی طرف پھریں گے
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ	کئی راہ ہوکر، تاکہ ان کے اعمال
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ	دکھائے جائیں تو جو کوئی ایک ذرہ بھر بھلائی کرے
مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ [2]	گا اسے دیکھے گا اور جو کوئی ایک ذرہ بھر برائی
	کرے گا اسے دیکھے گا۔

میزان

قیامت کے روز میزان میں بندوں کے اعمال تولے جائیں گے، قرآن کریم نے فرمایا ہے :-

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ	اور آسمان کو اللہ نے بلند رکھا اور
الْمِيْزَانَ ۝ [3]	ترازو رکھی۔

نیکی اور بدی میزان پر تولنے کے بارے میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو یوں خبردار کیا ہے۔

---

[1] پارہ ۳۰، سورۃ الانشقاق، آیت ۷ تا ۱۵

[2] پارہ ۳۰، سورۃ الزلزال، آیت ۶ تا ۸

[3] پارہ ۲۷، سورۃ الرحمٰن، آیت ۶۵

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ [1]

توجس کی تول بھاری ہوئی وہ دل مانے عیش میں ہے اور جس کی تول ہلکی رہی وہ نیچا دکھانے والی کی گود میں ہے اور تو نے کیا جانا کہ نیچا دکھانے والی کیا ہے ایک آگ ہے بھڑکتی ہوئی۔

شہادتِ اعضاء

قیامت کے روز بعض کفار اپنی کرتوت کا انکار کریں گے بعض یہاں تک کہہ دیں گے کہ فرشتوں نے یہ اعمال ہماری جانب خواہ مخواہ منسوب کر دیئے ہیں۔ جب کہ ہم ان کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں پر حجت تمام کرنے کی خاطر خداوند قادرِ مطلق ان کی زبانوں پر مُہر لگا دے گا یعنی ان کی قوت گویائی سلب کر لی جائے گی اور جسم کے باقی اعضاء جن کے ذریعے نافرمانی کرتا رہا تھا انھیں بولنے کی طاقت مرحمت فرمادی جائے گی جس عضو نے جتنے گناہ کیے ہوں گے وہ بارگاہِ الٰہی میں اسی طرح بیان کر دیں گے جس طرح عام انسان زبان سے بولتے ہیں اس شہادتِ اعضاء کا قرآنِ کریم نے یوں ذکر فرمایا ہے:-

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ — آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے

---

[1] پارہ ۳۰، سورۃ القارعہ، آیت ۶ تا ۱۱

وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ [1]

اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

جزا و سزا

وہ مومن جو نیک کام کرتے رہے ہوں، جنت میں جائیں گے اور یوں ان کے اعمال کی نوازشات ہوں گی۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ [2]

بے شک نیک آدمی پئیں گے اس جام میں سے جس کی ملائی کافور ہے۔ وہ کافور کیا، ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے اور اپنے محلوں میں جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے۔

ابرار کو اس کے علاوہ اور کیا ملے گا یہ بھی قرآنِ کریم کی زبانی سنیئے :-

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِئِينَ

اور ان کے صبر پر انھیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔ جنت میں

---

[1] پارہ ۲۳، سورۃ یٰسٓ، آیت ۶۵

[2] پارہ ۲۹، سورۃ الدھر، آیت ۵، ۶

فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ	تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہونگے
فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝	نہ اس میں دھوپ دیکھیں گے
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَ	نہ زیادہ ٹھنڈک، اور اس کے
ذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝	سایے ان پر جھکے ہوں گے
وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ	
مِّن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا	اور ان پر چاندی
تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ	کے برتنوں اور کوزوں کا
فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا	دور ہو گا۔ ساقیوں
زَنجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا	نے انھیں پورے انداز سے پر
تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ۝	رکھا ہو گا اور اس میں وہ جام
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ	پلائے جائیں گے جس کی ملائی
مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ	ادرک ہو گی۔ وہ ادرک کیا ہے
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا	جنت میں ایک چشمہ ہے جسے
مَّنثُورًا ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ	سلسبیل کہتے ہیں اور ان کے
ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا	آس پاس خدمت والے پھریں گے
وَمُلْكًا كَبِيرًا عَالِيَهُمْ	ہمیشہ لڑکے رہنے والے، جب
ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ	تو انھیں دیکھے تو انھیں سمجھے کہ
وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا	موتی ہیں بکھرے ہوئے اور جب
أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ	تو ادھر نظر اٹھائے ایک آرام
وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ	دیکھے اور بڑی حکومت، ان کے
شَرَابًا طَهُورًا ۝	بدن پہ ہیں کریب کے سبز کپڑے

إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ○ [1]

اور قواریر کے انھیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے اور انھیں اُن کے رب نے ستھری شراب پلائی اُن سے فرمایا جائے گا یہ تمھارا صلہ ہے اور تمھاری محنت ٹھکانے لگی۔

متقین کی جزا کے بارے میں قرآنِ کریم نے یوں تصریحًا بتایا ہے :۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ○ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ○ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ○ وَكَأْسًا دِهَاقًا ○ لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ○ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ○ [2]

بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے باغ ہیں، حوریں ہیں اور انگور۔ اور اٹھتے جوبن والی ایک عمر کی (حوریں) اور چھلکتا جام۔ جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا، صلہ تمھارے رب کی طرف سے نہایت کافی ملا۔

کافروں کو کیا سزا ملے گی اس سلسلے میں قرآن کریم بتاتا ہے کہ :۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ○ [3]

بے شک ہم نے کافروں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۃ الدھر، آیت ۱۲ تا ۲۲

[2] پارہ ۳۰، سورۃ النباء، آیت ۳۱ تا ۳۶

[3] پارہ ۲۹، سورہ الدھر، آیت ۴

کافر عذاب کو دیکھ کر بصد حسرت و یاس اس روز یہی کہیں گے۔

إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا	ہم تمھیں ایک عذاب سے ڈراتے
يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا	ہیں کہ نزدیک آگیا جس دن آدمی
قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَ	دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں
يَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي	نے آگے بھیجا۔ اور کافر کہے گا
كُنتُ تُرَابًا ۝ ۱ه	ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا۔

کافروں کو جس قسم کا عذاب دیا جائے گا۔ اس کی قرآن کریم نے یوں خبر دی ہے

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا	بے شک جہنم تاک میں ہے سرکشوں
لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ۝ لَّابِثِينَ	کا ٹھکانا، اس میں قرنوں رہیں گے
فِيهَا أَحْقَابًا ۝ لَّا يَذُوقُونَ	اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا
فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝	مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو
إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ جَزَاءً	مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا
وِفَاقًا ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا	پیپ۔ جیسے کو تیسا بدلہ۔ بے شک
لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝	انھیں حساب کا خوف نہ تھا اور
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝	انھوں نے ہماری آیتیں بساط بھر
وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ	جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز شمار
كِتَابًا ۝ فَذُوقُوا فَلَن	کر رکھی ہے اب چکھو کہ ہم تمھیں نہ
نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝ ۲ه	بڑھائیں گے مگر عذاب۔

۱ه پارہ ۳۰، سورۂ عبس، آیت ۳۳ تا ۴۲

۲ه النبأ

قیامت کا نقشہ قرآن کریم نے اس طرح بھی کھینچا ہے تا کہ انسان عبرت حاصل کرے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۝	پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ	والی چنگھاڑ۔ اس روز آدمی بھاگے
أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ	گا اپنے ماں باپ اور بھائی اور
وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ	بیوی اور بچوں سے۔ ان میں
مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝	سے ہر ایک کو اس روز اپنی فکر
وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝	ہے اور وہی اسے بس ہے۔ کتنے
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝	منہ اس روز روشن ہوں گے
وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا	ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے
غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝	چہروں پر اس روز گرد پڑی
أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ	ہوئی ہوگی۔ ان چہروں پر سیاہی
الْفَجَرَةُ ۝	چڑھ رہی ہے یہ وہی ہیں کافر
لہ	بدکار۔

نیکوں اور بدوں کے انجام کی وضاحت فرماتے ہوئے قرآن کریم نے یہ بھی فرمایا ہے :۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ	پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے
الْكُبْرَىٰ ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ	بڑی اس روز آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی
الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ۝ وَبُرِّزَتِ	اور جہنم ہر دیکھنے والے پر ظاہر کی جائیگی تو جس نے

لہ پارہ ۳۰ ، سورۃ عبس ، آیت ۳۳ تا ۴۲

الجحیم لِمَنْ یَرٰی ۝ فَاَمَّا	سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو
مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ	ترجیح دی تو بے شک جہنم ہی
الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ	اس کا ٹھکانہ ہے اور وہ جو اپنے
ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ وَاَمَّا	رب کے حضور کھڑے ہونے
مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ	سے ڈرا اور نفس کو خواہش
نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۝	سے روکا تو بے شک جنّت ہی
فَاِنَّ الْجَنَّةَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝[1]	ٹھکانا ہے۔

اچھوں اور بُروں کے اخروی انجام کے بارے میں قرآن کریم نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ	بے شک تمھارے پاس اس
الْغَاشِیَةِ ۝ وُجُوْهٌ	مصیبت (قیامت) کی خبر آئی جو
یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ	چھا جائے گی کتنے منہ اس روز ذلیل
نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ۝	ہوں گے، کام کریں، مشقت
تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ۝	جھیلیں جائیں بھڑکتی آگ میں۔
لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا	نہایت جلتے چشمے کا پانی پلائے
مِنْ ضَرِیْعٍ ۝ لَّا یُسْمِنُ	جائیں ان کے لیے کچھ کھانا نہیں
وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ۝	مگر آگ کے کانٹے کہ نہ فربہی لائیں
وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ	اور نہ بھوک میں کام دیں۔ کتنے ہی
نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ ۝	منہ اس روز چین میں ہوں گے

---

[1] پارہ ۳۰، سورہ النازعات، آیت ۳۷ تا ۴۱

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ لَا تَسْمَعُ	اپنی کوشش پر راضی، بلند باغ
فِيْهَا لَاغِيَةً ۙ فِيْهَا عَيْنٌ	میں کہ اس میں کوئی بے ہودہ
جَارِيَةٌ ۙ فِيْهَا	بات نہ سنیں گے اس میں رواں
سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ	چشمہ ہے اس میں بلند تخت
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ	ہیں اور چنے ہوئے کوزے،
وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ وَّ	اور برابر برابر بچھے ہوئے
زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ؎۱	قالین اور پھیلی ہوئی چاندنیاں۔

ابرار یعنی نیک لوگوں کا انجام کیسا ہوگا اور ان کی مہمان نوازی کے بارے میں قرآن کریم نے تصریحاً بتایا ہے:۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۙ	بیشک نیکوکار ضرور چین (راحت) میں
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۙ	ہیں تختوں پر دیکھتے ہیں تو ان کے
تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ	چہروں میں چین کی تازگی پہچانے
نَضْرَةَ النَّعِيْمِ	نتھری شراب پلائے جائیں گے جو
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ	مہر کی ہوئی رکھی ہے اس کی مہر
مَّخْتُوْمٍ ۙ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ	مشک ہے اور اسی پر چاہیے کہ
وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ	للچائیں للچانے والے اور اس کی
الْمُتَنَافِسُوْنَ ۙ وَمِزَاجُهٗ	ملائی تسنیم سے ہے وہ چشمہ
مِنْ تَسْنِيْمٍ ۙ عَيْنًا يَّشْرَبُ	جس سے مقربانِ بارگاہ پیتے
بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ؎۲	ہیں۔

؎۱ پارہ ۳۰۔ سورۃ الغاشیہ، آیت ۱ تا ۱۶

؎۲ پارہ ۳۰، سورۃ المطففین، آیت ۲۲ تا ۲۸

راقم الحروف نے قیامت اور اس کے متعلقات کے بارے بطور نمونہ چند قرآنی آیات پیش کر دی ہیں تاکہ عقائد کی اصلاح ہو اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مجدد اعظم قدس سرہٗ کی تصانیف عالیہ سے اس سلسلے کی چند عبارتیں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱۰۴)

چونکہ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے تو اس کا عذاب ایک لحاظ سے دنیاوی عذاب سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ ختم ہو جانے والا ہے اور دوسرے لحاظ سے آخرت کے عذاب سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ عذاب آخرت کی جنس سے ہے۔ اس عذاب کے مستحق اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتے، بے ہودہ باتیں بناتے اور چغل خوری کی عادت کا شکار ہیں۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال بھی برحق ہیں یہ موقع ایک عظیم آزمائش اور امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھے۔ آمین [۱۵]

(۱۰۵)

جو کچھ انھوں (انبیائے کرام) نے آخرت کے متعلق خبریں دی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ عذاب قبر اور اس کی تنگی، منکر نکیر کے قبر میں سوال اور دنیا کا فنا ہونا اور آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا گرنا، زمین اور پہاڑوں کا اٹھالیا جانا اور ان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا، جسم میں روح کا آنا اور حشر ونشر ہونا، قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکیاں اور اعمال کا محاسبہ اور کیے ہوئے افعال کے متعلق اعضاء کی

---

[۱۵] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

شہادتیں، نیکی اور بدی کے اعمال ناموں کا دائیں بائیں اڑتے پھرنا اور نیکیوں بدیوں کا وزن کرنے کی غرض سے ترازو کا رکھا جانا تاکہ نیکی اور بدی کی کمی زیادتی ظاہر کی جائے۔ نیکیوں کا پلہ بھاری ہونا نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا رہا تو یہ خسارے کا نشان ہے اس ترازو میں ہلکے بھاری کا معیار دنیاوی اصول کے خلاف ہوگا۔ وہاں بھاری اوپر کو جائے گا اور ہلکا نیچے کو جھکے گا۔[۱]

(۱۰۶)

پُل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا مومن اس کے اوپر سے گزر کر بہشت میں چلے جائیں گے اور کافروں کے پاؤں لڑکھڑائیں گے حتیٰ کہ وہ دوزخ میں گر پڑیں گے یہ حق ہے اور اسی طرح ثابت ہے۔ بہشت اہلِ ایمان کو آرام پہنچانے کے لیے تیار کی گئی ہے جبکہ دوزخ کافروں کو عذاب دینے کے لیے بنائی گئی ہے یہ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گی اور کبھی فنا نہیں ہوں گی۔[۲]

(۱۰۷)

حساب وکتاب کے بعد، مومن جب بہشت میں چلے جائیں گے تو وہ ہمیشہ بہشت میں ہی رہیں گے اور اس سے کبھی باہر نہیں آئیں گے۔ اسی طرح کافر جب دوزخ میں چلے جائیں گے تو وہ اسی میں رہیں گے اور ہمیشہ انھیں سزا ملتی رہے گی۔ ان کی سزا میں تخفیف جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ان سے کبھی عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت ہی دیئے جائیں گے۔ جس کے دل میں ایک ذرّے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ اگر اپنے اعمال کی شامت سے دوزخ

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[۲] الیضاً

میں گیا تو گناہوں کے مطابق اس کو سزا ملے گی اور آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ احترامِ ایمان کے باعث اس کے چہرے کو سیاہ نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ کافروں کے چہروں کو سیاہ کر دیا جائے گا اور انھیں بیڑیاں (زنجیریں) پہنائی جائیں گی، گلے میں طوق ڈالا جائے گا۔[1]

(۱۰۸)

قیامت کی علامتیں جن کی مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ سب برحق ہیں ان میں خلاف ہونے کا احتمال نہیں ہے مثلاً خلافِ عادت سورج کا مغرب سے نکلنا، حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کا ظہور، حضرت روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول، دجال کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا، دابۃ الارض کا نکلنا، ایک دھوئیں کا آسمان سے پیدا ہونا جو تمام لوگوں کو گھیرے گا اور دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور آدمی بے قراری میں کہیں گے: "اے ہمارے پروردگار! اس عذاب سے ہمیں بچا لے ہم ایمان لاتے ہیں" اور آخری علامت وہ آگ ہے، جو عدن سے اُٹھے گی۔[2]

(۱۰۹)

قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے اس روز آسمان اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ نصوصِ قرآنیہ نے ان باتوں کو صراحتاً بیان کیا ہے۔ قیامت پر تمام اسلامی فرقوں کا اجماع ہے اور اس کا منکر کافر ہے اگرچہ وہ اپنے دعوی

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[2] ایضاً

مقدمات سے کفر کو آراستہ کر کے دکھائے اور اس طرح بے وقوف لوگوں کو گمراہ کرے۔ اس روز قبروں سے اٹھنا، بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ اعمال کا حساب، میزان کا رکھا جانا، نامہ اعمال کا اُڑنا، ان کا نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور بُرے آدمیوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا بھی حق ہے۔ پل صراط جس کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور اس کے اوپر سے گزر کر جنتی جنت میں جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں گر جائیں گے، حق ہے۔ کافروں کو دوزخ میں عذاب اور اہل ایمان کو جنت میں ثواب ہمیشہ ملے گا۔ آسمانوں کے پھٹنے، ستاروں کے جھڑنے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔[1]

(۱۱۰)

حساب اور میزان اور پل صراط حق ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی خبر دی ہے۔ مقام نبوت سے ناآشنا لوگوں کے نزدیک اگر یہ امور بعید از عقل ہیں تو ان کا دعویٰ اعتبار کے لحاظ سے ساقط ہے، کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے بہت ہی بلند ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دی ہوئی سچی خبروں کو عقل کے ساتھ موافقت پر مجبور کرنا حقیقت میں مقام نبوت کا انکار ہے کیونکہ یہاں تو بات صرف اتباع پر ختم ہو جاتی ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ مقام نبوت طورِ عقل کے خلاف ہے اور وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کے لیے ایسے عالی مطالب کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی۔ مخالفت اور چیز ہے اور وہاں تک رسائی نہ ہونا اور بات ہے کیونکہ مخالفت مقصود تک پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے۔[2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] 〃 〃 〃 دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

(۱۱۱)

بہشت اور دوزخ موجود ہیں، قیامت کے روز حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک گروہ کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور ان کا ثواب و عذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ جیسا کہ قطعی اور پختہ نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں[۱]

(۱۱۲)

ایمان اور کفر

ایمان ان تمام دینی امور کے ساتھ جو ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچتے ہیں۔ تصدیق قلبی سے مراد ہے اور اقرار زبانی بھی ایمان کا رکن ہے۔ لیکن یہ سقوط کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ کفر کا فری اور خصائص کفر مثلاً زنار و بدھی اور اس قسم کی دوسری رسوم سے جو ان سے پائی جاتی ہیں۔ تبری کرنا اور بیزار ہونا علامت تصدیق ہے۔ اگر کوئی تصدیق کا دعویٰ بھی کرے تو بیان(?) ہاں لیکن کفر سے بیزاری اور تبرّی بھی ظاہر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص دو دینوں کا تصدیق کرنے والا ہے اور ارتداد کے نشان سے داغدار۔ حقیقت میں اس کا حکم منافق جیسا ہے کہ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبرّی کرنا ضروری ہے ادنیٰ تبرّی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھی جائے وہ دشمنی خواہ دل سے ہو جبکہ ضرر کا ڈر ہو اور خواہ دل و جسم سے ہو جبکہ ان کے ضرر کا ڈر نہ ہو۔ آیۂ کریمہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرع پوری طرح صادق آتا ہے۔ ع

تولّی بے تبرّی نیست ممکن[1]

(۱۱۳)

حق تعالیٰ جلّ وعلا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے فقیر کی نظر میں اس تبرّی کے برابر کوئی عمل نہیں ہے اس بیزاری کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ عداوت ہے اور الٰہ آفاقی مثل لات وعزّیٰ اور ان کے پوجنے والے بالذات حق سلطانہٗ کے دشمن ہیں اور اس برے فعل کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے[2]

(۱۱۴)

ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے کہ جو کچھ تواتر اور یقین کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے خواہ اجمالاً خواہ تفصیلاً۔ اس کا زبان سے اقرار کیا جائے۔ اعضا کے اعمال نفسِ ایمان سے خارج ہیں ہاں وہ ایمان میں کمال بڑھاتے ہیں اور حسن پیدا کرتے ہیں۔[3]

(۱۱۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا،

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۶۶

[2] 〃 〃 〃 دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[3] ایضاً

کیونکہ دل کی تصدیق نفسِ یقین سے عبارت ہے کہ اس میں زیادتی اور نقصان کی گنجائش نہیں ہے اور جو فرق کو قبول کرے وہ ظن و وہم کے دائرے میں داخل ہے۔
ایمان میں کمال اور نقصِ طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جتنی طاقت زیادہ ہوگی اتنا ہی کمالِ ایمان زیادہ ہوگا۔ پس عام مومنین کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ایمان جیسا نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا ایمان طاقت کے ہونے کی وجہ سے کمال کی انتہا کو پہنچا ہوتا ہے جبکہ عام مومنین کا ایمان ان کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ دونوں نفسِ ایمان میں شرکت رکھتے ہیں[1]

(۱۱۶)

گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں کوئی مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرے میں داخل نہیں ہو جاتا ہے[2]

(۱۱۷)

اگر گناہگار مومن سکراتِ موت سے پہلے توبہ کی توفیق پا لے تو نجات کی قوی امید ہے کہ توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے اگر توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور جنت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو گناہ کے مطابق سزا دے، خواہ آگ سے یا بغیر آگ کے۔ لیکن آخرکار پھر اس کی نجات ہے اور اس کا انجام بہشت ہے، کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کافروں کے ساتھ خاص ہے اور جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا، وہ رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر اپنے گناہوں کے باعث ابتدا میں خدا کی رحمت تک نہ پہنچا تو

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷
[2] ایضاً۔

آخر میں اس کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میسر ہو جائے گی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔[1]

(۱۱۸)

اسی طرح پانچوں نمازوں کی فرضیت اور ان کی متعین رکعات پر اور مالِ زکوٰۃ کی فرضیت سے اور رمضان المبارک کے روزوں اور بیت الحرام کے حج بشرط استطاعت راہ پر ایمان لانا فرض ہے ۔ اسی طرح شراب پینے کی حرمت اور قتلِ نفس بغیر حق اور ماں باپ کی نافرمانی اور چوری اور زنا اور یتیم کا مال کھانا اور سود لینا اور ان جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے ثابت ہو چکی ہیں، ضروریاتِ دین سے ہے اور مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر ایمان سے خارج نہیں ہوتا، نہ کافر ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور ارتکاب کبیرہ فسق ہے[2]

(۱۱۹)

اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیے یعنی ایمان کے ثبوت اور تحقق کا اقرار کرنا چاہیے اور استثناء کا کلمہ یعنی ایمان کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے شک کا وہم ہوتا ہے اور یہ ایمان لانے کی صورت میں منافات کی شکل رکھتا ہے ۔ اگر استثناء کو خاتمے کی جانب راجع کریں جو مبہم ہے تو پھر بھی ثبوت حالی کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے پس احتیاط یہی ہے کہ شک اور اشتباہ کی صورت کو ترک کر دیا جائے[3]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] ایضاً

[3] ایضاً

(۱۲۰)

چونکہ یہ بدعتی فرقے اہلِ قبلہ ہیں لہٰذا ان کو کافر کہنے کی جراءت نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ وہ ضروریاتِ دینیہ کا انکار نہ کردیں اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا ردّ نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانوے ۹۹ وجہیں کفر کی پائی جائیں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے [1]

(۱۲۱)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا ہے، خواہ وہ آفاقی ہوں خواہ انفسی، آفاقی معبودوں سے مراد کافروں اور فاجروں کے معبود ہیں۔ مثلاً لات وعزّٰی اور معبودانِ انفسی سے مراد نفسانی خواہشات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ ایمان یعنی تصدیق قلبی جس کا ہمیں ظاہر شریعت نے مکلف ٹھہرایا ہے معبودانِ باطل کی نفی کے لیے کافی ہے لیکن انفسی سے مراد نفسانی معبودانِ باطل کی نفی کے لیے نفسِ امارہ کا تزکیہ درکار ہے، جو اہل اللہ کے راستے پر چلنے (راہِ سلوک) کا حاصل ہے۔ ایمان حقیقی ان دونوں قسم کے معبودانِ باطل کی نفی سے وابستہ ہے۔

اگرچہ ایمان کے متعلق ظاہر شریعت کا حکم محض معبودانِ آفاقی کے ابطال و نفی سے بھی ہو جاتا ہے مگر اس قسم کا ایمان محض ایمان کی صورت ہوتی ہے جبکہ ایمان کی حقیقت معبودانِ انفسی کے ابطال ہی پر منحصر ہے۔ صورت ایمان کے تو زائل ہونے کا بھی احتمال ہے لیکن حقیقتِ ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے کیونکہ صورت ایمان میں

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۳۸

اوّل تو نفسِ امّارہ ہی اپنے انکار اور کفر سے باز نہیں رہتا اور اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ نفسِ امّارہ کی مخالفت کے باوجود قلب میں یک گونہ تصدیق پیدا ہو جاتی ہے لیکن ایمانِ حقیقی میں خود نفسِ امّارہ، جو اپنی ذات کے اعتبار سے سرکش ہے وہ مطیع و فرمانبردار ہو کر سرکشی سے باز آجاتا اور شرفِ ایمان سے مشرف ہو جاتا ہے۔ ان تکلیفاتِ شرعیہ سے مقصود بھی نفس کو عاجز کرنا اور اسے خراب کرنا ہے کیونکہ قلب تو بذاتِ خود احکامِ الٰہیہ جل سلطانہٗ کا مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے۔ اگر قلب میں کسی قسم کی خباثت پیدا ہوتی ہے تو وہ نفس کی ہمسائگی کے باعث ہوتی ہے .... لہٰذا تزکیہ نفس ضروری ٹھہرا تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو سکے اور وہ زوال سے محفوظ ہو سکے۔ تزکیہ نفس کا تعلق درجۂ ولایت سے حاصل ہوتا ہے جس سے مراد فنا اور بقا ہے جب تک کوئی آدمی درجۂ ولایت تک نہ پہنچ جائے اطمینانِ نفس ممکن نہیں ہے اور جب تک نفس اطمینان سے وابستہ نہ ہو جائے حقیقتِ ایمان کی بُو بھی مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ زوال کے اندیشہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ ؎۱

عقل

(۱۲۲)

عقل اگرچہ حُجّت ہے لیکن حُجّت بالغہ نہیں ہے اور نہ حجیّت میں کامل ہے۔ حجّت بالغہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے

؎۱ شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، معارفِ لدنیہ مطبوعہ کراچی، ص ۴۸، ۴۹

متحقق ہوتی ہے۔[1]

(۱۲۳)

جب بعض امور کے ادراک میں عقل کا قصور ثابت ہو گیا تو پھر تمام احکامِ شرعیہ کو عقل کی میزان میں تولنا اچھا نہ ہوگا اور حقیقت میں اس حکم کی تطبیق کا احترام کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عقل کو مستقل تسلیم کیا جائے اور نبوت کے طریقے کا انکار کیا جائے اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔[2]

اصحابِ رسول

(۱۲۴)

ان بزرگوں (صحابہ کرام) کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور ان کی عدم تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عدم تعظیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کے باعث تمام صحابہ کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر کوئی ایمان نہیں ہے۔[3]

(۱۲۵)

آنحضرت کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۳۶

[2] ایضاً

[3] ایضاً مکتوب ۱۷

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صحبت کے باعث حسنِ ظن کی ضرورت ہے اور یہ جاننا چاہیے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا زمانہ تھا اور آپ کے صحابہ کرام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی آدم میں سب سے بہترین انسان ہیں پس حضرت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں وہ امر باطل پر جمع نہیں کر سکتے اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین کافر و فاسق نہیں بنائے جا سکتے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ صحابہ کرام بہترین بنی آدم ہیں۔ یہ اس لیے کہا ہے کہ یہ امت نصِ قرآنی کی رُو سے خیر الامم ہے اور اس اُمت میں سے بہترین وہی حضرات (صحابہ کرام) ہیں۔ کیونکہ کوئی ولی بھی کسی بھی صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے[1]

(۱۲۶)

صحابہ کرام کی محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت کو مستلزم ہے اور صحابہ کرام سے بغض و عداوت رکھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دشمنی کو مستلزم ہے[2]

(۱۲۷)

حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے کیونکہ اہلِ حق کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضلیت خلیفہ اول کی وجہ سے اس فقیر کے نزدیک نہ کثرتِ فضائل ہے اور نہ کثرتِ مناقب بلکہ ایمان میں اسبقیت، مال خرچ کرنے میں اقدمیت اور تائیدِ دین و ترویجِ

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶

[2] الضیاً

شرع متین کے لیے اپنی جان خرچ کرنے میں اوّلیت ہے۔ سابق گویا دین کے معاملے میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق کو جو کچھ ملتا ہے وہ سابق کے خوانِ کرم سے ملتا ہے اور مذکورہ تینوں صفاتِ کاملہ کا مجموعہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ ایمان کی اسبقیت کے ساتھ جس نے مال خرچ کرنے اور اپنی جان قربان کرنے کو جمع کیا وہ ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جو ان کے علاوہ امت میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ مرضِ وفات میں رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تھا۔ کوئی آدمی بھی اپنی جان اور اپنا مال خرچ کرنے میں ابوبکر بن قحافہ سے بڑھ کر مجھ پر احسان کرنے والا نہیں ہے۔ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً وہ ابوبکر ہوتا۔ اس مسجد کے تمام دریچے بند کر دو سوائے دریچۂ ابوبکر کے[1]

(۱۲۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دونوں اس امت کے افضل ترین آدمی ہیں اور جو شخص مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے، بہتان طراز ہے اور میں اسے اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جیسے مفتری کو لگاتا ہوں[2]

(۱۲۹)

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفر و ضلالت کا احتمال (بقول روافض) رکھتے تو صحابہ کرام اپنی عدالت اور کثرت کے باوجود ان کو پیغمبر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] ایضاً

جانشین کبھی نہ بناتے۔ خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکذیب بھی ہوتی ہے اور اس بات کو ایک بھی ایسا آدمی جو صاحب عقل و دانش ہو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا ایسا سمجھنے پر اس زمانے میں کون سی بھلائی باقی رہ جائے گی جس زمانے کے تینتیس ۳۳ ہزار آدمی باطل پر جمع ہو جائیں اور ایک ضال مضل کو پیغمبر کا جانشین بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت (روافض) کو انصاف کی توفیق دے کہ اکابر پر زبان درازی سے باز آجائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کے حق کو ملحوظ رکھیں۔[۱]

(۱۲۰)

زیادہ کیا لکھوں اور روشن ترین بدیہی بات کو اور کتنا روشن کروں، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف سے تو قرآن کریم بھی بھرا پڑا ہے۔ ایک سورۃ واللیل ہی کو دیکھ لیجیے۔ کہ تین آیات ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور صحیح احادیث تو بے شمار ہیں جو ان کے فضائل پر مشتمل ہیں۔ گزشتہ انبیاء کرام کی کتابوں میں بھی ان کے اوصاف و شمائل بلکہ تمام صحابہ کرام کا تذکرہ تھا۔[۲]

(۱۲۱)

حضرات شیخین (خلیفہ اوّل و دوم) کی افضلیت اجماعِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے، جیسا کہ اس کو اکابر نے نقل کیا ہے جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، جو اہلِ سنت کے سردار ہیں، فرماتے ہیں کہ باقی امت پر شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور دوسرے صحابہ پر ان کی افضلیت کا انکار کوئی جاہل یا

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۴

[۲] ایضاً

متعصب ہی کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے میں اسے اتنے کوڑے ماروں گا جتنے تہمت لگانے والے کو مارے جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں نے دعا کی کہ میرے بعد خلیفہ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہو۔ فرشتوں نے عرض کی یارسول اللہ! جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے آپ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک انھوں نے مجھ سے عہد نہ لے لیا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوں گے، پھر عمر پھر عثمان اور پھر تم خلیفہ ہو گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین [۱]

(۱۳۲)

حضرت فاروقِ اعظم بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ حدیثیں جو خاص طور پر ان کی بشارت جنت کے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ اپنے معتبر رواۃ کی کثرت کے سبب سے حد شہرت بلکہ معناً حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا انکار یا تو جہالت کی بناء پر ہے یا عناد کی بنا پر۔ صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہلِ سنت ہیں جنھوں نے اپنے اساتذہ صحابہ و تابعین سے ان کو روایت کیا ہے۔ اگر تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اکٹھا کریں تو اہل سنت کی کتب احادیث نے ان بشارتوں کو روایت نہیں کیا تو کیا غم ہے۔ کیونکہ بشارت کی روایتوں کا نہ ہونا عدم بشارت کو

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم مکتوب ۶۷

دلالت نہیں کرتا ملکہ ان اکابر کو جنت کی بشارت تو قرآنِ کریم بھی دے رہا ہے یعنی ثبوت کافی ہے اور قرآنِ کریم میں ایسی متعدد آیات ہیں۔[1]

(۱۲۳)

جب تمام صحابہ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق جنھوں نے مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے اور ہجرت کرنے میں سب پر سبقت کی۔ ان کی شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟[2]

(۱۲۴)

امام محی السنۃ بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے اور اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اس قوم سے خوش ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایسے حضرات کو کافر کہنا جنھیں کتاب و سنت میں بشارتِ جنت ملی ہو، بدترین قسم کا کُفر ہے[3]

(۱۲۵)

جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب و سنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی ان کے زمانہ ہی سے وابستہ ہے اگر یہ حضرات تمام یا ان میں سے بعض مطعون ہو

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶

[2] ایضاً

[3] ایضاً

جائیں اور ضلالت و فسق سے متہم کردیئے جائیں تو پورے دین یا بعض دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور خاتم الانبیاء، افضل الرسل علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا فائدہ کم ہو کر رہ جائے گا۔ جامع القرآن حضرت عثمان ہیں بلکہ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اگر یہ مطعون ہو جائیں یا ان کی عدالت ختم ہو جائے تو قرآن پر کیا اعتماد رہ جائے گا؟ دین کس چیز کا نام ہوگا؟ الزام تراشی کی شناعت پر غور کرنا چاہیے۔ اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سب عدول ہیں اور جو کچھ بھی ہمیں کتاب و سنت کی صورت میں ملا ہے وہ ان حضرات کی تبلیغ سے ملا ہے اور وہ حق و صداقت ہی پر مبنی ہے[1]

(۱۳۶)

خدا کے آخری پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے غلبہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت طلب کیا اور اللہ جل شانہ نے عالم اسباب میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے سلسلے میں ان سے ہی کفایت کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کی افضلیت متعین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں اکابر کی افضلیت پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا[2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۴

[2] ،، ،، ،، دفتر دوم، مکتوب ۹۹

(۱۲۷)

حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ فرمایا ہے پس ان بزرگوں کے متعلق آپس میں عداوت اور کینہ رکھنے کا گمان کرنا نص قرآنی کے خلاف ہے[۱]

(۱۲۸)

ان بزرگوں (صحابہ کرام) میں بغض و عداوت کا اثبات کرنا فریقین پر طعنہ زنی کا دروازہ کھولنا ہے۔ اس صورت میں دونوں جانب سے امان اٹھ جائے گی اور نعوذ باللہ صحابہ کرام کے دونوں فریق مطعون ہوں گے جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد جملہ بنی آدم سے بہترین ہیں وہ بدترین ٹھہریں گے اور بہترین زمانہ گویا بدترین زمانہ قرار پائے گا کیونکہ اس زمانہ کے تمام افراد بغض و عداوت سے متصف قرار پائیں گے اور کوئی مسلمان ہرگز ایسی جرأت نہیں کر سکتا اور نہ ایسی بات کو کبھی قبول کر سکتا ہے۔ اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا بزرگی باقی رہ گئی کہ تینوں خلفاء اگر ان کے دشمن تھے تو درپردہ انھیں بھی ان سے عداوت ہوگی اور یہ فریقین پر جرح وقدح ہے حالانکہ وہ حضرات آپس میں شیروشکر اور ایک دوسرے کے دلی خیر خواہ اور قدر دان تھے[۲]

(۱۲۹)

وہ جنگیں جو اصحاب رسول کے درمیان واقع ہوئیں انھیں اچھے معانی پر محمول کرنا

---

[۱] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶

[۲] ایضاً

چاہیے اور ان کو نفسانی اغراض، بدگمانی، جاہ و منصب یا حکومت کی محبت وغیرہ امور کی طلب سے دور رکھنا چاہیے کیونکہ یہ رذیل صفات نفس امارہ کی ہیں اور ان بزرگوں کے نفوس صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے باعث پاس ہو چکے تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ جھگڑے اور جنگیں جو خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں واقع ہوئیں ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور فریق ثانی سے اجتہادی غلطی ہوئی جس پر طعن اور ملامت کی مجال نہیں انھیں فاسق کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ عدول اور وثوق میں یکساں ہیں ان کا باہمی نزاع کسی کے لیے بھی جرح کا سبب نہیں ہے۔

سارے ہی صحابہ کرام سے محبت رکھنی چاہیے کیونکہ ان کی دوستی رسول اللہ کی دوستی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میرے صحابہ سے محبت رکھی تو اس نے میری محبت کے باعث ان سے محبت رکھی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کے باعث ان سے بغض رکھا ہے[1]

(۱۴۰)

پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی پیش نظر تھی کہ آپ نے فرمایا: جب فتنوں اور بدعتوں کا دنیا میں ظہور ہو اور میرے اصحاب پر سب وشتم ہونے لگے تو ہر عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کا ہتھیار کام میں لائے اور جس نے ایسا نہیں کیا اس پر اللہ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو گی۔ اس کی توبہ اس کا فدیہ اور اس کے فرائض و نوافل درجہ قبولیت کو نہیں پہنچیں گے[2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] " " تائید اہل سنت، مطبوعہ لاہور، ص ۷

دفع اشکال میں بطریق اثبات مقدمہ ممنوعہ ہم کہتے ہیں کہ جب شیعہ انتہائی تعصّب و عناد سے اسلاف پر طعن اور خلفائے ثلاثہ پر سب وشتم کرتے بلکہ ان کو کافر کہنے کو اسلام اور اپنی عبادت خیال کرتے تھے تو لامحالہ احادیثِ صحاح جو ان کے مناقب میں واقع ہیں، ان میں بے سند و بے دلیل جرح و قدح کرتے ہیں اور ان میں تحریف و تصرّف سے کام لیتے ہیں یہ تو کلام اللہ جس پر مدارِ اسلام ہے اور قرنِ اوّل سے بتواتر نقل ہے اور کسی شبہ کی اس میں گنجائش نہیں اور مطلق زیادتی و نقصان کا اس میں احتمال نہیں۔ اس میں بھی گھڑی ہوئی آیتیں اور بناوٹی کلمے ملا دیتے ہیں اور آیات قرآنیہ میں تحریف کو روا رکھتے ہیں ...... انتہائی گمراہی کا شکار ہو کر یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ان بعض آیاتِ قرآنی کو چھپا لیا ہے جو اہلِ بیت کی مدح میں وارد تھیں اور ان کو قرآن میں شامل نہیں کیا۔ یہ بات بھی اوپر گزر چکی ہے کہ ان شیعہ کا ایک فرقہ اپنے گروہ کے نفع و بہبود کے لیے جھوٹی گواہی کو روا رکھتا ہے۔ انھیں برائیوں کے باعث یہ لوگ طعن کے نشانے بنے اور ان پر سے اعتماد اُٹھ گیا اور ان کی عدالت ختم ہوگئی۔ ان کی تصنیف شدہ کتابیں اعتبار کھو بیٹھیں اور ان کا درجہ تحریف شدہ توریت و انجیل سے مختلف نہ رہا۔ اہل سنت کی کتب صحاح میں مثلاً بخاری شریف جو اللہ کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتاب ہے یا مسلم شریف وغیرہ میں خلفائے ثلاثہ کی مدح و ستائش کے علاوہ کچھ نہیں لیکن یہ اپنے فساد طبع اور خرابی مزاج سے اس کو مذمت خیال کر بیٹھے یہ ان کا سراسر خیال فاسد اور تصور باطل ہے۔ کوئی صفراوی مزاج والا جس طرح شکر کو کڑوا جانتا ہے بس یہی حال ان کا ہے [1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہلِ سنت، مطبوعہ لاہور، ص ۴۱، ۴۲، ۴۳

(۱۴۲)

واضح ہو کہ جو احادیث ان کی مدح میں وارد ہیں وہ ان کی عاقبت کی درستی اور بہتری کی کھلی دلیل ہیں اور ان کے پُر امن خاتمے کو بتاتی ہیں ان احادیث کا مضمون صاف اس کی طرف مشیر ہے اور اس قسم کی صحیح اور حسن حدیثیں بہت سی ہیں اور جس طرح گناہ کے سرزد ہونے سے پہلے یا اس قصور سے پہلے جس کا سرزد ہونا معلوم ہو عقوبت مناسب نہیں، اسی طرح جس کی برائی معلوم ہوا اور وہ سزاوار عقوبت ٹھہرنے والا۔ اس کی مدح و ستائش بھی روا نہیں لہذا مدح و تعظیم ان بزرگوں کی ان کی اچھائی پر صاف دال ہے، فی الوقت بھی اور آئندہ بھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امیر نے ابن ملجم کو اگر سزا نہیں دی تو اس کی تعریف و توصیف بھی نہیں کی۔ اور اس کی تعظیم و توقیر کو روا نہ رکھا۔[۱]

(۱۴۳)

شارح تجرید نے کہا کہ جس کو دین سے ذرا سا بھی لگاؤ ہو وہ کیسے یہ گمان کرے کہ صحابۂ کرام جنھوں نے آنحضرت کی نصرت کی خاطر شریعت کو برقرار رکھنے کے لیے اور آنجناب کی تعمیلِ حکم اور اتباعِ طریقہ کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ اپنا مال و دولت لٹا ڈالا، اپنے عزیز و اقارب اور کنبے والوں کو قتل کیا۔ وہ آنجناب کو دفن کرنے سے پہلے آپ کی مخالفت کر بیٹھے۔[۲]

(۱۴۴)

ہم مقدمہ ممنوعہ کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مصاحبت بشرطِ مناسبت بلاشبہ

۱ه احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہلِ سنت، مطبوعہ لاہور، ص ۴۵

۲ه ایضاً ص ۵۱، ۵۳

مؤثر ہے اور اس کی تاثیر کا انکار بداہت کو ٹھکرانا اور عُرف و عادت سے مقابلہ کرنا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ جو صحبت کے آثار کا منکر ہے اس کی جہالت ہمارے نزدیک ثابت ہے چونکہ مسلم اور کافر میں مناسبت نہیں لہٰذا ایک دوسرے کی صحبت کا اثر لینے سے محروم رہ گئے اور یہ جو منقول ہے کہ وہ دونوں بُت پرست حضرت یوسف کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہو کر مشرکین کی عادت سے بیزار ہو گئے تو حضرت صدیق پوری مناسبت رکھنے کے باوجود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے کیوں سعادت اندوز نہ ہوتے اور آنجناب کے کمال و معارف سے کس طرح محروم رہ جاتے۔ چنانچہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ایک چیز ڈالی اور وہ میں نے ابو بکر کے سینے میں ڈال دی" ظاہر ہے کہ جس قدر مناسبت زیادہ اسی قدر فائدہ صحبت زیادہ۔ لہٰذا اسی لیے حضرت صدیق تمام صحابہ سے افضل ٹھہرے اور صحابہ میں سے کوئی بھی آپ کے درجے کو نہ پہنچ سکا کہ آنحضرت کے ساتھ انھیں سب سے زیادہ مناسبت تھی۔[1]

(۱۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر کو نماز روزے کی کثرت کے باعث فضیلت نہیں دی گئی بلکہ اس چیز کی وجہ سے جو ان کے سینے میں ڈالی گئی ہے۔ علماء نے فرمایا کہ وہ چیز محبت اور فنا فی حُبّ رسول ہے۔ انصاف شرط ہے کہ پیغمبر خدا کے ایسے ساتھی کو کس طرح مذمت اور لعنت کے قابل قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہت بڑی بات ہے، جس کو وہ اپنے مونہوں سے نکالتے ہیں اور وہ نہیں کہہ رہے مگر جھوٹی بات۔[2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہل سنت، مطبوعہ لاہور، ص ۵۷

[2] ایضاً ص ۵۷، ۵۹

(۱۴۶)

حضرت امیر باوجود انتہائی بہادر ہونے کے جب خلفاءِ ثلاثہ سے لوگوں نے بیعت کی تو انھوں نے منع نہیں فرمایا بلکہ خود بھی متابعت میں حصہ لیا۔ لہٰذا یہ بات بھی بیعت کے حق ہونے پر کھلی دلیل ہے ورنہ حضرت علی کی شان میں فرق آتا ہے سلہ

(۱۴۷)

شیعہ نے اس طرح بھی لکھا ہے کہ قبل اس کے کہ حضرت امیر آنحضرت کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوں خلفائے ثلاثہ نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں اکثر صحابہ کو جمع کیا اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اب جبکہ حضرت علی نے اس بات کی خبر پائی تو متبعین کی کمی اور اہلِ حق کی بلا وجہ خونریزی سے ڈر کر یا کسی اور امر کی بنا پر مزاحمت پر آمادہ نہ ہوئے تو یہ حقیقت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کو نہیں بتاتی۔ دیکھیے حضرت امیر باوجود اس کے کہ بڑے بہادر تھے اور حضرت پیغمبر کی خدمت میں حاضر اور آپ کے علاوہ تمام صحابہ آنجناب کی ہمراہی میں موجود لیکن پھر بھی کفارِ قریش سے جنگ کے بغیر مکہ معظمہ سے آنجناب نے ہجرت فرمائی۔ پھر ایک مدت بعد جب واپس مکہ کی طرف پھرے تو حدیبیہ میں پہنچ کر صلح کی اور لوٹ کر چلے گئے لہٰذا جو سبب آنحضرت، حضرت امیر اور صحابہ کا کفارِ قریش سے جنگ نہ کرنے کا ہو سکتا ہے وہی سبب حضرت امیر کے جنگ نہ کرنے کا ہو سکتا ہے۔ بلکہ مزید برآں کفار قریش کی سچائی کا وجود ہی نہ تھا، مگر حضرت امیر کے مقابل کے لوگ تو پھر بھی کچھ سچائی رکھتے تھے۔ اہلِ تحقیق جانتے ہیں کہ یہ نقض الٹ کر اد پر بھی جاتا ہے کیونکہ فرعون چار سو سال تک تخت سلطنت پر بیٹھا خدائی کا دعویٰ کرتا رہا۔ اسی طرح شداد و نمرود وغیرہ سالہا سال تک اس باطل دعوے میں

سلہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہلِ سنت، مطبوعہ لاہور ص ۵۹

غلطاں و پیچاں رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو باوجود اپنی کمال قدرت کے ہلاک نہیں کیا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کے حق میں دشمن کے دفعیہ میں تاخیر اور ڈھیل کی گنجائش ہے تو بندہ کے حق میں تو لامحالہ اس کی گنجائش ہوگی اور جو کہا ہے کہ حضرت امیر نے خلفاءِ ثلاثہ سے بیعت کی تو اس کا وقوع بغیر جبر اور تقیہ کے ناقابلِ تسلیم ہے۔[۵۱]

(۱۴۸)

اس اشکال کے حل کے لیے ہمارا یہ کہنا ہے کہ علماءِ ماوراء النہر نے ابوبکر صدیق کی خلافت کی حقیقت پر دونوں امور ملحوظ رکھے ہیں یعنی حضرت امیر کا حضرت ابوبکر سے خلافت کے بارے میں جنگ نہ کرنا اور ساتھ ساتھ ان کی متابعت و بیعت میں حصہ لیا لہٰذا اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں کوئی نقص وارد نہیں ہوتا۔ نہ اس میں قباحت کہ پیغمبر خدا نے کفار قریش سے جنگ کرنے میں تاخیر کیوں فرمائی نہ اس میں کوئی خرابی کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون شداد اور نمرود کو ہلاک کرنے میں دیر کیوں فرمائی کیونکہ یہاں دوسری صورت کا وجود ہی نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ نے کفار کی برائی اور مذمت ہی فرمائی اور برائی کے بغیر انھیں کبھی یاد نہیں کیا تو کہاں یہ معاملہ اور کہاں وہ۔ پھر حضرت امیر کا حضرت ابوبکر سے بیعت کرنا چونکہ بطریق تواتر منقول ہے اور اس کا انکار گویا بداہت کا انکار کرنا ہے اسی لیے شیعہ کو جب اس کے انکار کا کوئی راستہ نہ ملا تو گھبرا کر تقیہ کی آڑ بنالی۔ کیونکہ خلافتِ صدیق کا انکار کرنے کے لیے انھیں اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔[۵۲]

۵۱۔ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہلِ سنت، مطبوعہ لاہور ص ۵۹، ۶۱

۵۲۔ ایضاً ص ۶۱

(۱۴۸)

پھر تقیہ کا احتمال تو اس وقت نکل سکتا ہے کہ اہلِ زمانہ حق کے پیرو نہ ہوتے اور وہ خیر القرون قرنی سے مشرف نہ ہوتے چنانچہ ابن صلاح اور منذری نے کہا ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل وثقہ ہیں اور ابن حزم نے کہا ہے کہ سارے صحابہ قطعی جنتی ہیں ۵۱

(۱۴۹)

علاوہ ازیں یہ نہیں سوچتے کہ اکراہ وتقیہ کا احتمال تو حضرت امیر کی شان میں نقص پیدا کرتا ہے کیونکہ اکراہ کی صورت میں ترکِ افضلیت اور تقیہ کی شکل میں حق پوشی ہے اور یہ دونوں ممنوع ہیں جب عام مومن حتی الامکان بہتر چیز چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا اور ممنوع فعل کا ارتکاب نہیں کرتا تو شیرِ خدا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا شوہر اور شجاعت ودلیری میں یگانۂ روزگار بھلا کسی ایسے ناشائستہ امر کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ یہ شیعہ انتہائی جہالت اور گمراہی کے باعث اس جناب کی توہین اور کمزوری کو کمال شمار کرتے ہیں اس شخص کی طرح جس کو اس کی بداعمالی مزین کر کے دکھائی جائے اور وہ اسے خوبی شمار کرنے لگے ۵۲

(۱۵۰)

علمائے ماوراء النہر نے فرمایا ہے کہ شیعہ چونکہ حضرات شیخین وذوالنورین نیز بعض ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گالیاں دیتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں تو وہ ازروئے شرع کافر ہیں اس کے باعث بادشاہِ اسلام بلکہ سب لوگوں پر

---

۵۱ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہل سنت، مطبوعہ لاہور، ص ۶۷

۵۲ ایضاً ص ۶۷، ۶۹

واجب ولازم ہے کہ خدا کے حکم سے کلمہ حق کی سربلندی کے لیے انھیں قتل کریں، ان کا قلع قمع کریں، ان کے مکانات کو مسمار کریں اور ان کا مال واسباب چھین لیں اور ایسا کرنا جائز ہے [1]۔

(۱۵۱)

شیخین کو گالی دینا ان کے ساتھ بغض رکھنے کا موجب ہے اور ان کے ساتھ بُغض رکھنا کفر ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے: جس نے ان سے بُغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔ ابن عساکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، ابوبکر وعمر کے ساتھ محبت کرنا ایمان ہے اور ان سے بُغض رکھنا کفر ہے۔ عبداللہ بن احمد نے حضرت انس سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے ان کے ساتھ محبت رکھنے میں وہی امید رکھتا ہوں جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کہنے میں۔ اب ان حضرات کے ساتھ بُغض رکھنے کو ان سے محبت رکھنے پر قیاس کرنا چاہیے کہ یہ دونوں ایک دوسری کی نقیض (ضد) ہیں اور مومن کو کافر ٹھہرانا کفر کا سبب ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جس نے کسی پر کفر کی تہمت لگائی اور کہا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے حالانکہ وہ ایسا نہ ہو تو وہ تہمت کہنے والے پر لوٹتی ہے۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر مومن ہیں اور وہ ہرگز خدا کے دشمن نہیں ہیں اور انھیں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لہٰذا ان کو کافر کہنے سے کفر کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔ یہ حدیث اس بات پہ واضح دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ان پر

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہل سنت مترجم، مطبوعہ لاہور، ص ۶۹

کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا[1]

(۱۵۲)

اجل شیوخ اسلام و امام عصر ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں کہ جب تم دیکھو کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی صحابی کی شان گھٹا رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ قرآن مجید حق ہے رسولِ خدا برحق ہیں اور جو حضور لے کر آئے وہ حق ہے اور ان سب باتوں کا علم ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعے ہوا ہے لہٰذا جو ان حضرات پر جرح کرتا ہے وہ کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ پس جرح اسی پر ہونی چاہیے اور اس پر زندیق، گمراہ، جھوٹا اور معاند ہونے کا حکم لگایا جائے حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا جن کا علم، زہد، معرفت اور جلالتِ شان محتاجِ تعارف نہیں ہے کہ جو صحابہ کرام کو مومن شمار نہ کرے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا جن کی جلالتِ شان اور علمی مقام محتاجِ تعارف نہیں کہ حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز سے کون افضل ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں جو غبار حضرت معاویہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت و زیارت کے برابر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی یہ اکابر صحابہ کی بات نہیں بلکہ صرف ان کی ہے جنھیں صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت میسر آئی پھر ذرا خیال تو کرو کہ جنھوں نے آپ کو دیکھنے کے ساتھ آپ کی ہمراہی میں جہاد کیا ہو یا آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے جہاد میں شرکت کی ہو یا آپ کے بعد آنے والوں تک شریعت کی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہلِ سنت مترجم، ص ۱۷، ۲۷

کوئی بات پہنچائی ہو یا صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر اپنا کچھ مال خرچ کیا ہو تو ایسے بزرگوں کی فضیلت تک ذہن کی رسائی ممکن نہیں اور اس میں شک نہیں کہ شیخین تو اکابر صحابہ میں سے ہیں بلکہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں پس ان کو کافر ٹھہرانا یا ان کی کرنا کفر و زندقہ اور گمراہی کا باعث ہے۔ محیط میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روافض کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور جو ایسا کرے وہ کافر ہے[1]

(۱۵۳)

جب ان کی خلافت سے انکار کفر ٹھہرا تو اس کا کیا حال ہوگا جو ان کو گالی دے یا ان پر لعنت بھیجے۔ اس تقریر سے صاف ظاہر ہوا کہ شیعہ کو کافر ٹھہرانا احادیث صحاح کے مطابق اور طریق سلف کے موافق ہے[2]

(۱۵۴)

بعض اہل سنت سے جو شیعہ کی عدم تکفیر کا خیال نقل کیا جاتا ہے اگر اس کو صحیح فرض کر کے اس کی دلالت کو مان لیا جائے تو اس کو ایسی تاویل و توجیہہ پر محمول کریں گے جس سے وہ احادیث صحاح اور جمہور علماء کے مذہب کے مطابق ہو جائے[3]

(۱۵۵)

ظاہر ہے کہ حضرت صدیقہ کا نکلنا اصلاح کے لیے تھا، نہ کہ لڑائی کے لیے محققین کی یہی تحقیق ہے اور اگر لڑائی کے لیے بھی ہوتا جیسا کہ مشہور ہے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہل سنت، ص ۴، ۵،

[2] ایضاً، ص ۵،

[3] ایضاً: ص ۵، ۶،

کیونکہ وہ اجتہاد کی بنا پر تھا نہ کہ نفسانی خواہش کے باعث۔ چنانچہ شارح مواقف آمدی سے نقل کرتے ہیں کہ جنگِ جمل و صفین کے واقعات اجتہاد پر مبنی تھا اور مجتہد کو اپنے اجتہاد میں غلطی پر ہو اس پر گرفت نہیں۔ قاضی بیضاوی تفسیر آیت لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم کے ذیل میں کہتے ہیں۔ اگر لوحِ محفوظ میں یہ حکم پہلے سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم سب کو عذاب آ پکڑتا اور وہ لکھا ہوا یہ ہے کہ مجتہد کو اس کی اجتہادی غلطی پر سزا نہیں دی جائے گی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مجتہد کی غلطی بھی خدا کے نزدیک ہدایت ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے بعد والے اختلاف کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نازل فرمائی کہ اے محمد! تمہارے اصحاب میرے نزدیک یوں ہیں جیسے آسمان میں ستارے ان میں سے بعض دوسرے بعض سے قوی ہیں لیکن ہیں سب نورانی جس نے ان میں سے کسی سے کچھ لیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے[1]

(۱۵۶)

رہی حدیث حربک حربی والی، تو ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک پایۂ ثبوت تک نہ پہنچی ہو یا کسی خاص لڑائی کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ ہوسکتا ہے (حربک میں) اضافت عہد کے لیے ہو[2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہل سنت، ص ۹،
[2] ایضاً

(۱۵۷)

اپنی کتابوں کو رواج دینے اور اہلِ سنت کی کتابوں کو کمزور دکھانے کے لیے شیعہ نے بیان کیا ہے کہ اہلِ تشیع کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت ابن اُمِ مکتوم خدمت آنحضرت میں بیٹھے تو آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کا وہاں سے گزر ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ان پر اعتراض فرمایا وہ عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ یہ شخص تو اندھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو اندھی نہیں ہو۔ اسی طرح اہلِ سنت اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا تاکہ وہ اس جماعت کا تماشا دیکھیں جو گلی میں ساز نوازی کر رہی تھی۔ پھر ایک مدت کے بعد فرمایا کہ اے حمیرا! کیا تم تماشے سے سیر ہوئیں؟ ایسے فعل کی نسبت تو رذیل ترین انسان کی طرف بھی نہیں کر سکتے [1]

(۱۵۸)

پوشیدہ نہ رہے کہ ہو سکتا ہے مذکورہ واقعہ پردے کی آیت کی نزول سے پہلے کا ہو اور حضرت ابن ام مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم بعد کا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ کھیل جائز ہو اور ممنوع نہ ہو، چنانچہ صحیح احادیث سے اس کی تائید بھی ملتی ہے جو عنقریب زیر تحریر آئیں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مسجد میں حبشی نیزہ بازی کیا کرتے اور اس کی حیثیت تیر اندازی جیسی ہے کیونکہ دونوں کرتب جہاد کے آلے ہیں چونکہ تیر اندازی مشروع ہے لہٰذا نیزہ بازی بھی اسی شمار میں آئیگی پھر مسجد میں اس کا کھیلا جانا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ کھیل جائز و مشروع تھا۔ اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ یہ واقعہ بعد نزولِ آیت حجاب کا ہے تو ہم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: تائید اہلِ سنت، ص ۸۱

اس وقت حضرت صدیقہ کم سن تھیں ۔ مکلفہ نہ تھیں جیسا کہ بخاری و مسلم کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے اور حبشی لوگ مسجد میں نیزوں کے ساتھ کھیل رہے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپا لیتے تاکہ میں آپ کے کندھے اور گوش مبارک کے درمیان سے ان کو دیکھ سکوں ۔ پھر میں کہتی کہ آپ میری ہی وجہ سے کھڑے رہتے یہانتک کہ میں خود ہی واپس لوٹ جاتی اس سے اندازہ کیجیے کہ ایک کم عمر لڑکی کھیل کی کتنی شائق ہوتی ہے[۵۱]

(۱۵۹)

صحابہ کرام کے معاملات میں دخل دینا اور ان کے اختلافات میں فیصلہ کرنا حد درجہ کی بے ادبی اور انتہائی بدنصیبی ہے ۔ اس میں سلامتی کا پہلو یہی ہے کہ ان بزرگوں کے درمیان جو اختلافات اور جھگڑے رونما ہوئے ان سب کو علم الٰہی کے سپرد کریں اور ان سب حضرات کو اچھے لفظوں میں یاد کریں اور ان حضرات کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت شمار کریں کیونکہ صحیح حدیث ہے کہ جس نے ان سے محبت کی تو مجھ سے محبت رکھنے کے باعث ان سے محبت کی[۵۲]

(۱۶۰)

امام شافعی نے فرمایا اور یہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے منقول ہے : ان حضرات کے خون سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان کی طرف سے پاک رکھیں ۔ جب بدنصیب شیعہ ، صحابہ کرام کو برائی سے یاد کرتے نیز ان کی بارگاہ میں[۵۳]

---

۵۱ احمد سرہندی ، مجدد الف ثانی ، ماثبت بالسنۃ ، ص ۸۱ ، ۸۲

۵۲ ایضاً ، ص ۸۲

سب وشتم اور لعنت کی جراءت کرتے ہوں تو علمائے اسلام پر واجب ولازم آتا ہے کہ ان کی پرزور تردید کرکے ان کے مفاسد کو طشت از بام کریں۔ اس حقیر کی یہ چند باتیں جو معرض تحریر میں آئیں وہ اسی غرض سے ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔[1]

(۱۹۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اے اہلِ بیت! بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمھیں خوب پاک صاف کردے اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں عنکم کی ضمیر مذکر ہے اور جو بعد کی ضمیریں ہیں وہ بھی مذکر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ازواجِ مطہرات کے حق میں اتری ہے۔ کیونکہ قرآنِ شریف میں ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ یعنی ان آیتوں کو یاد کرو جو تمھارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں، یہ تفسیر حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت پانچ بزرگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل سے مراد تمام بنی ہاشم ہیں۔ رجس سے مراد گناہ اور ارکانِ ایمان میں شک کرنا ہے اور اسی روایت کے بعض طریقوں میں لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ سے مراد اہل بیت پر آگ کا حرام کرنا ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیتِ مباہلہ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کو بلایا اور کہا کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں (مسلم)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائید اہلِ سنت، ص ۸۳

فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ایک روایت میں یوں ہے کہ جو چیز اسے بے چین کرتی ہے وہ مجھے بھی بے چین کر دیتی ہے جو اس کو اذیت پہنچاتی ہے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا۔ جب آپ حضرت فاطمہ کے گھر پہنچے تو فرمایا: بچہ کہاں ہے، بچہ کہاں ہے؟ یعنی حسن۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسن دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کے گلے سے لپٹ گئے اور آپ بھی ان سے لپٹ گئے، پھر کہا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر اور اس شخص سے بھی محبت کر جو اس سے محبت کرے (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھنے والا اور کوئی نہیں تھا اور حضرت حسین کے متعلق بھی حضرت انس نے فرمایا کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے (بخاری)۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر انھیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے ایک چیز دوسری سے بڑی ہے ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ایک رسی ہے اور دوسری چیز میری عترت یعنی اہل بیت ہیں یہ دونوں ایک دوسری سے جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گی، دیکھتے رہنا کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ (ترمذی)۔ ان سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین سے فرمایا: جو ان سے لڑے میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جو ان سے صلح رکھے میں اس سے صلح رکھنے والا ہوں (ترمذی)

جمیع بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی جان کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ پیارا کون ہے، حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ فاطمہ۔ عرض کی گئی کہ مردوں میں؟ فرمایا کہ ان کے خاوند (ترمذی) [۱]

(۱۶۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: حسن اور حسین دونوں میرے دنیا سے دو پھول ہیں (ترمذی)
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ساتھ سینے سے سر تک حسن سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے اور اس سے نیچے والے حصے میں حسین سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے ہیں (ترمذی) [۲]

(۱۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حسن بن علی کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اے لڑکے! بہت عمدہ سواری پر سوار ہو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ سوار بھی عمدہ ہے (ترمذی) [۳]

(۱۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ ہدیہ بھیجنے کے لیے اس دن کا

---

۱ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: تائید اہل سنت مترجم، ص ۸۵ تا ۸۹

۲ ایضاً، ص ۸۹

۳ ایضاً، ص ۸۹

انتظار کرتے رہتے جبکہ آپ کی باری میرے پاس ہوتی اور ایسا کرکے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ، اور حضرت سودہ تھیں۔ جبکہ دوسرے گروہ میں حضرت اُمِ سلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی باقی ازواجِ مطہرات۔ حضرت ام سلمہ کے گروہ نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کریں کہ حضور لوگوں سے یہ فرمادیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہیے تو جب چاہے بھیج دیا کرے۔ انھوں نے عرض کی تو آپ نے فرمایا: مجھے عائشہ کے بارے میں اذیت نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ مجھ پر عائشہ کے سوا کسی بیوی کے بستر میں وحی نہیں آتی۔ وہ عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ میں اس ایذارسانی پر اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر انھوں نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا۔ انھوں نے عرض کی تو آپ نے فرمایا اے بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں رکھتیں جس سے میں محبت رکھتا ہوں؟ عرض گزار ہوئیں کیوں نہیں؟ فرمایا تو ان (حضرت عائشہ) سے محبت رکھو۔ (بخاری و مسلم [1])

(۱۶۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے اتنا رشک کسی پر نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجہ پر حالانکہ میں نے انھیں دیکھا نہیں تھا لیکن آپ ان کا ذکر اکثر کیا کرتے اور جب کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کے بعض ٹکڑے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے لیے بھیجتے۔ بعض اوقات میں عرض

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، تائیدِ اہلِ سنت مترجم، ص ۸۹، ۹۱

گزار ہوئی کہ کیا حضرت خدیجہ کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہوئی؟ آپ فرماتے کہ وہ ایسی ہی تھی وہ ایسی ہی تھی اور میری اولاد اسی کے بطن سے ہے۔
(بخاری و مسلم) [51]

(۱۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس (آپ کے عم محترم) مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں (ترمذی) [52]

(۱۶۷)

اُن (حضرت ابنِ عباس) سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کے باعث مجھ سے محبت رکھو اور مجھ سے محبت رکھنے کے باعث میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبے کا دروازہ پکڑے ہوئے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم میں میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیِ نوح جیسی ہے کہ جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے دور رہا وہ ہلاک ہو گیا
(احمد) [53]

---

[51] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: تائیدِ اہلِ سنت مترجم ص ۹۱

[52] ایضاً : ص ۹۱

[53] ایضاً : ص ۹۱، ۹۲

امامِ اعظم اور تقلیدِ آئمہ وغیرہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چاروں آئمہِ مجتہدین میں سے ایک ہیں۔ زمانی اور علمی و اجتہادی لحاظ سے انہیں باقی آئمہ پر فوقیت ہے جس کے باعث اُمتِ محمدیہ انہیں امامِ اعظم کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ چاروں آئمہ مجتہدین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء)

۲۔ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ/۷۹۵ء)

۳۔ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ/۸۱۹ء)

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۱ھ/۸۵۵ء)

اہلِ حق کے یہی چاروں آئمہ مجتہدین ہیں جن میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ یہ چاروں امام برحق ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا کافی ہے۔ جو ان میں سے کسی بھی امام کا مقلد نہیں ہے وہ اہلِ سنت کے زمرے سے باہر اور گمراہ، بے دین و بدعتی ہے۔ یہ چاروں حضرات ہی میدانِ فقاہت میں اُمتِ محمدیہ کے پیشوا ہیں اور ان میں سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سب سے قدآور اور ممتاز ہے۔ امام اعظم کا علم طریقِ اجتہاد اور نکتہ رسی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ ان کے مقلدین میں اتنے اولیاء اللہ اور فقہاء ہوئے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں اور یہ شرف کسی بھی دوسرے بندگ کو حاصل نہیں ہے۔ سرزمینِ پاک و ہند ایک وقت بُت پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہاں اولیاء اللہ نے اسلام پھیلایا جو

سب کے سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور جن بادشاہوں نے متحدہ ہندوستان پر تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی وہ بھی سارے ہی امام ابوحنیفہ کے پیروکار تھے اور اس ملک پر صدیوں فقہ حنفی کی حکمرانی رہی ہے۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ انگریزوں کے بنائے ہوئے بدمذہبوں اور رنگ برنگے فرقوں نے آزاد ہو جانے کے بعد بھی پاکستان میں آج تک فقہ حنفی کا نفاذ نہیں ہونے دیا جو کتاب و سنت کی تعلیمات کی سب سے بہترین صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ گمراہوں کو ہدایت دے اور پاکستان میں فقہ حنفی کو نافذ کرنے کی اہالیانِ ملک کو توفیق مرحمت فرمائے، آمین یا الٰہ العالمین بجاہ سید المرسلین۔

(۱۶۸)

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں باقی سب آئمہ سے آگے ہیں اور اسی لیے مرسل احادیث کو بھی وہ مسند احادیث کی طرح لائق متابعت جانتے ہیں۔ اور اپنی رائے سے بہر صورت مقدم جانتے ہیں بلکہ اسی طرح صحابی کے قول کو بھی اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ وہ حضرات صحبتِ خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات سے مشرف ہیں اور یہ معاملہ دوسرے آئمہ کے نزدیک نہیں ہے۔ اس کے باوجود امام ابوحنیفہ کو اُن کے مخالفین صاحب رائے جانتے ہیں اور ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ سب آپ کے علمی کمال اور تقویٰ و ورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ایسے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذا نہ پہنچائیں اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے دلوں کو نہ دکھائیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ وہ جماعت جو اکابرِ دین کو اصحاب رائے جانتی ہے، اگر اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ اپنی رائے سے حکم دیتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت نہیں کرتے تھے تو اس طرح مسلمانوں

کا سوادِ اعظم اُن کے زُعمِ فاسد کی رُو سے گمراہ اور بدعتی قرار پاتا ہے بلکہ وہ لوگ اسلام کے دائرے ہی سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ نہ رکھے گا مگر وہ جاہل جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا زندیق ایسا عقیدہ رکھے گا جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نیم ملّا چند حدیثیں یاد کر کے شرعی احکام کو اُن میں منحصر ٹھہرا لیتے ہیں اور جو باتیں اُن کی معلومات سے باہر ہیں اُن کی نفی کرتے ہیں اور جو اُن کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں۔[1]

(۱۶۹)

حاسدوں کے بے جا تعصّب اور اُن کی فاسد نظر پہ ہزار افسوس! امام ابوحنیفہ فقہ کے بانی ہیں اور تین چوتھائی فقہ اُن کے لیے مسلّم ہے جبکہ باقی آئمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں۔ فقہ میں صاحبِ خانہ امام ابوحنیفہ ہیں اور باقی سب اُن کے بال بچے ہیں۔ اس کے باوجود کہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے اور انھیں بزرگ جانتا ہوں۔ اس لیے بعض نفلی کاموں میں ان کی تقلید کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے آئمہ مجتہدین کو وافر علم اور کمالِ تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔[2]

(۱۷۰)

بغیر تکلف اور تعصّب کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے جبکہ باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی بات دکھائی دیتی ہے کہ

---

[1] احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵۔

[2] " " " "

مسلمانوں کا سوادِ اعظم بھی امام ابوحنیفہ کے تبعین پر مشتمل ہے علیہم الرضوان اور پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ یہ حنفی مذہب اُصول و فروع میں باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباطِ مسائل میں اس کا طریقہ کار ہی نرالا ہے اور یہ اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔[1]

(۱۷۱)

بزرگ آئمہ کے بھی بزرگ، امام اجل، پیشوائے اکمل، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم الشان مرتبے کے بارے میں کیا لکھا جائے جبکہ وہ جملہ مجتہدین سے علم، ورع اور تقویٰ میں آگے ہیں، خواہ وہ امام شافعی و امام مالک ہوں یا امام احمد بن حنبل۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ سارے فقہاء امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔ منقول ہے کہ امام شافعی جب امام اعظم کی قبر کی زیارت کیلیے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے پہ عمل نہیں کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ مجھے اِن (امام ابوحنیفہ) کے سامنے شرم آتی ہے کہ ایسا عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو۔ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے تھے اور نمازِ فجر میں قنوت بھی نہیں پڑھا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی جانتے تھے۔ کل جب حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نزول فرمائیں گے تو امام ابوحنیفہ کے مذہب کی طرح عمل کریں گے جیساکہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے فصولِ ستہ میں فرمایا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے لیے یہی ایک بندگی کافی ہے کہ ایک اُولوالعزم پیغمبر اُن کے مذہب کے مطابق کرے۔ دوسری سو بندگیاں بھی اس ایک بندگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔[2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵ ۔

[2] " " " " " ۔

حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نزول کے بعد اسی شریعت کی پیروی کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کریں گے کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ قریب ہے کہ ظاہر بین علماء اُن کے مجتہدات کا کمال دقت اور غموضِ ماخذ کے سبب انکار کریں گے اور انہیں کتاب وسنت کے خلاف جانیں گے۔ حضرت عیسٰی روح اللہ کی مثال امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہے کہ ورع و تقویٰ کی برکت اور متابعتِ سُنت کے باعث اجتہاد واستنباط میں اعلیٰ مقام پایا ہے کہ دوسروں کا فہم اُس کے سمجھنے سے عاجز وقاصر ہے اور اُن کے مجتہدات کو دقتِ معانی کے سبب کتاب وسنت کے خلاف جانتے ہیں اور انہیں اور اُن کے ساتھیوں کو اصحابِ رائے شمار کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اُن کے علم و درایت کی حقیقت تک نہ پہنچنے اور اُن کے فہم پر مطلع نہ ہونے کے باعث ہے۔ امام شافعی کی فراست دیکھیے کہ ان (امام ابوحنیفہ) کی دقتِ فقاہت سے ایک حصہ ملا تو کہہ اٹھے کہ تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔ افسوس ہے اُن قاصر نظر لوگوں کی جرأت پر جو اپنے نقص کو دوسروں کے سر منڈھتے ہیں اور اسی مناسبت کے باعث جو امام اعظم سے حضرت روح اللہ رکھتے ہیں، یہ ہوگا جیسا کہ خواجہ محمد پارسا نے فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نزول کے بعد مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد سے موافقت کرے گا، یہ نہیں کہ وہ اس مذہب (حنفی) کی تقلید کریں گے کیونکہ اُن کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ علمائے اُمت میں سے کسی کی تقلید کریں۔[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵۔

(۱۷۳)

معلوم ہوا کہ کمالاتِ ولایت کو فقہ شافعی سے اور کمالاتِ نبوت کو فقہ حنفی سے مناسبت ہے۔ اگر بالفرض اِس اُمّت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتا۔[۱]

(۱۷۴)

حضرت عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم المرسلین عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ کی شریعت کا اتباع کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدّس اللہ تعالیٰ سرہما کے کامل ترین خلفاء سے اور عالم و محدّث ہیں، وہ اپنی کتاب فصولِ ستہ میں معتمد نقل سے لکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نزول کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔ اُن کے حلال قرار دئے کو حلال ٹھہرائیں گے اور اُن کی حرام قرار دی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے۔[۲]

(۱۷۵)

مجھے ایک مدّت تک اِس کی آرزو رہی کہ کوئی معقول وجہ ایسی نکل آئے کہ مذہب حنفی میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کی جاسکے۔ جبکہ نماز میں قرأت فرض ہے تو قرأت حقیقی سے عدول کرکے اُس کی قرأت حکمی کو رکھنا معقول نظر نہیں آتا تھا۔ حالانکہ حدیثِ نبوی میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں اپنے مذہب کی رعایت کے باعث قرأت کو ترک کردیتا اور اس ترک کرنے کو ریاضت اور مجاہدے

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۸۲۔

[۲] احمد سرہندی، " " مکتوب ۱۷۔

کی ایک قسم شمار کرتا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رعایتِ مذہب کی برکت سے کیونکہ مذہب تبدیل کرنا الحاد ہے، مذہب حنفی میں مقتدی کے قرأت کو ترک کرنے کی حقیقت ظاہر فرمادی اور بصیرت کی نظر سے قرأت حقیقی کی نسبت قرأت حکمی زیادہ مناسب نظر آئی کیونکہ امام اور مقتدی سب مل کر مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور امام کو اس کام میں وہ اپنا پیشوا بناتے ہیں۔ پس امام جو کچھ پڑھتا ہے وہ قوم کی زبان میں پڑھتا ہے۔ اُس جماعت کے رنگ میں جو کسی عظیم الشان بادشاہ کی بارگاہ میں کسی حاجت کے تحت پیش ہوں اور ایک کو اپنا پیشوا بنالیں تاکہ وہ سب کی طرف سے عرضِ حاجت کرے۔ اس وقت اگر دوسرے بھی کلام کریں تو یہ بے ادبی بادشاہ کی ناراضگی کا موجب ہو گی۔ پس اس جماعت کا حکمی تکلم جو پیشوا کی زبان سے ہو رہا ہے وہ حقیقی تکلّم سے بہتر ہے۔ یہی حال مقتدی کی قرأت کا ہے کہ وہ شور و شغب میں داخل، ادب سے بعید، تفرقے کی موجب ہے جو اجتماع کے منافی میں داخل ہے۔ چنانچہ حنفی اور شافعی کے اختلافی مسائل اسی قبیل سے ہیں کہ اُن کی ظاہری صورت تو شافعی مذہب کی طرف نظر آتی ہے لیکن باطنی اور حقیقی لحاظ سے وہ حنفی مذہب کی تائید کرتی ہے اور اس فقیر پہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ علمِ کلام کے اختلافات میں بھی حق حنفی مذہب کی جانب ہے۔ تکوین کو یہ صفاتِ حقیقیہ سے جانتے ہیں حالانکہ ظاہر میں یہ قدرت اور ارادے کی جانب رجوع ہے لیکن دقتِ نظر اور نورِ فراست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علیحدہ صفت ہے۔[1]

(۱۷۶)

وہ علوم جو کتاب و سنت سے مستفاد ہیں اُن میں سے وہی بات معتبر ہے جو

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبداء و معاد مترجم، ص ۵۲، ۵۴۔

اِن بزرگوں (آئمہ مجتہدین) نے کتاب و سُنت سے اخذ کی اور سمجھی ہے۔ ورنہ یوں تو ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کو اپنے فاسد زعم میں کتاب و سُنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کی سمجھی ہوئی کوئی بات معتبر نہیں ہے۔[1]

(۱۷۷)

خلاصہ یہ ہے کہ معانیٔ مفہومۂ اہلِ حق کو کشف کی صداقت کا نشان قرار دینا چاہیے اور ان کے سوا اپنے الہام کو پرکھنے کی کوئی اور کسوٹی نہ بنائے کیونکہ وہ معانی جو اِن علمائے حق کے معانیٔ مفہومہ کے خلاف ہوں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ کیا دیکھا نہیں کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائد کا ماخذ کتاب و سنت ہی کو قرار دیتا ہے اور اپنی کم فہمی کے باعث کتاب و سُنت کے معانیٔ غیر مطابقہ اخذ کر لیتا ہے ۔۔۔۔ یہ جو میں نے کہا ہے علمائے اہلِ حق کے سمجھے ہوئے معانی ہی قابلِ اعتبار ہیں اور دوسروں کے معتبر نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن بزرگوں نے یہ معانی صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے آثار اور تتبع سے اخذ کیے ہیں اور یہ نجوم ہائے ہدایت کے انوار سے حاصل کیے ہیں۔ اس لیے نجاتِ ابدی ان کے ساتھ مخصوص ہو گئی اور فلاحِ سرمدی اِن کا حصہ بن گئی۔[2]

(۱۷۸)

جس طرح کتاب و سُنت کے مطابق عقیدے رکھنے ضروری ہیں اِسی طرح اُن کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن اس طریقے پر جیسے کہ آئمہ مجتہدین نے کتاب و سُنت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور کتاب و سُنت کے احکام کی تخریج کی ہے جو حلال و حرام،

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۳

[2] " " " " ، مکتوب ۲۸۶

فرض و واجب، سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ کے متعلق ہیں، اُن کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرے اور عمل میں اپنے مجتہد کے مذہب سے مختار قول کو اختیار کرے اور رخصت سے اجتناب کرتا رہے۔[1]

(۱۷۹)

اُونچے پائے کے اولیاء اللہ بھی مجتہدین کی تقلید کے بارے میں عام مسلمانوں کی طرح ہیں۔ اُن کے کشوف و الہامات کی فضیلت کا اِس میدان میں کوئی دخل نہیں اور وہ حلقۂ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جُنید اور شبلی جیسے بزرگ بھی زید و عمرو بکر و خالد جیسے عام مسلمانوں کی طرح مجتہدین کے اجتہادی احکام کی تقلید کے پابند ہیں۔ ہاں دوسرے معاملات میں اِن بزرگوں کو ضرور فضیلت حاصل ہے۔[2]

(۱۸۰)

اگر کوئی کہے کہ ہم دلیلِ مجتہد کے خلاف علم رکھتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ثبوتِ حلت و حرمت میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے۔ پھر بھی مجتہدین کے دلائل کو مکڑی کے جالے کی طرح کمزور بتانا انتہائی دیدہ دلیری ہے۔ اسی طرح اپنے علم کو اُن کے علم پر ترجیح دینے اور اصحابِ حنفیہ کے اصولوں کو باطل ٹھہرانے کا معاملہ ہے کہ یہ روایات معتبرہ مفتیٰ بہا کو درہم برہم کرنے اور شاذ کہنے کے مترادف ہے۔ یہ حضرات احادیث کو زمانۂ نبوی سے قرب کے باعث اور زیادہ علم رکھنے نیز زیورِ تقوٰی و ورع سے آراستہ ہونے کے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی۔ دفتر اول، مکتوب ۲۸۶ :

[2] ,, ,, ,, دفتر دوم، مکتوب ۵۵ :

سبب ہم دُور اُفتادہ لوگوں سے بہتر جانتے تھے اور اُن کے سقم و صحت اور نسخ و عدم نسخ کی پہچان ہم سے زیادہ رکھتے تھے۔ سلہ

(۱۸۱)

آپ نے فائدے مند باتوں اور نصیحت کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مخدومِ گرامی! آپ کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں تاکہ نجاتِ ابدی میسّر آجائے (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس پر عمل مقصود ہے۔ فقہ اس کو کو بیان کرنے کا کفیل ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور قلبی یقین ہے۔ اِس علم کی تفصیل اہلِ سنت وجماعت کی آرائے صائبہ کے مطابق علمِ کلام کی کتابوں میں موجود ہے۔ چونکہ اہلِ سنت وجماعت ہی ناجی فرقہ ہے لہٰذا اِن بزرگوں کی پیروی کے بغیر نجات مقصود نہیں۔ اگر بال برابر بھی اِن سے مخالفت کی تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہامِ صریح سے بھی درجۂ یقین تک پہنچ چکی ہے، اس لیے اِس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ تو کس قدر مبارک ہے وہ شخص جس کو اِن بزرگوں کی متابعت کی توفیق مل گئی اور اِن کی تقلید کا شرف نصیب ہو گیا اور خرابی ہے اُس کے لیے جو اِن کے مخالف چلا اور اِن کے گروہ سے نکلنے والا خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈالتا ہے سلہ

(۱۸۲)

منعمِ حقیقی کے شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے عقائد کو فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کی آراء کے مطابق درست کیا جائے۔ اس کے بعد اِس گروہ کے

سلہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۱۲ ٭

سلہ 〃 〃 〃 〃 مکتوب ۵۹ ٭

مجتہدینِ عظام کی تحقیقات کے مطابق احکامِ شرعیہ پر عمل کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس عالی قدر جماعت کے صوفیائے کرام کے طریقے پر راہِ سلوک طے کرتا ہوا اپنا تزکیۂ نفس کرے۔ اس آخری رکن کا وجوب درجۂ استحسان میں ہے بخلاف پہلے دونوں ارکان کے کہ اسلام کا کمال ان دونوں سے متعلق ہے اور ہر وہ عمل جو انِ ارکانِ ثلاثہ کے خلاف ہو، خواہ وہ سخت ریاضتیں اور شدید مجاہدے ہی کیوں نہ ہوں، وہ معصیت میں داخل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و ناشکری ہے۔ [1]

(۱۸۳)

سعادتِ دارین کی دولت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے لیکن اُس طریقے پر جو حضرات علمائے اہلِ سُنّت نے بیان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے یعنی پہلے اُن بزرگوں کی آرائے صائبہ کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے۔ دوسرے درجے میں حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مستحب اور مباح و مشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہیے اور ان علوم کے مطابق عمل درکار ہے۔ یہ دونوں اعتقادی اور عملی پَر حاصل ہو جانے کے بعد اگر ازلی سعادت مدد فرمائے تو عالمِ قدس کی جانب پرواز میسر آسکتی ہے۔ [2]

(۱۸۴)

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی اور اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ سب سے ضروری اور کرنے والا کام یہ ہے کہ اوّلاً علمائے اہلِ سُنّت کی آراء کے مطابق عقائد درست کیے جائیں کیونکہ یہی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۷ ؛
[2] " " " ، مکتوب ۵۷ ؛

جماعت فرقۂ ناجیہ ہے۔ اس کے فقہی احکام کے مطابق علم و عمل کو اپنے اُوپر لازم کر لینا چاہیے۔ ان دو[2] اعتقادی اور عملی پَر دل کو حاصل کر لینے کے بعد عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنی چاہیے۔ [1]

(۱۸۵)

وہ ضروری امر جس کے بغیر چارۂ کار نہیں، یہ ہے کہ سب سے پہلے اہلِ سنت وجماعت کی آرائے صائبہ کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے کیونکہ فرقۂ ناجیہ یہی ہے۔ اس کے بعد فقہی احکام کے مطابق فرائض وسُنن، واجبات ومستحبات، حرام وحلال اور مکروہ ومشتبہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کر کے اُن پر عمل کیا جائے جب یہ اعتقادی اور عملی دونوں بازو میسر آجائیں اور اللہ جل شانہ کی توفیق دستگیری فرمائے تو ممکن ہے کہ عالمِ حقیقت کی جانب پرواز کرنا نصیب ہو جائے۔ لیکن اِن دونوں بازوؤں کو حاصل کیے بغیر عالمِ حقیقت کی جانب پرواز کرنا ناممکن اور محال ہے۔ [2]

(۱۸۶)

سب سے پہلے اہلِ سنت وجماعت کی آرائے صحیحہ کے مطابق اپنے عقائد درست کیے جائیں، اللہ تعالیٰ اُن بزرگوں کی مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے۔ اس کے بعد فقہی احکامِ شرعیہ کے مطابق عمل کریں۔ تیسرے درجے پر گرامی قدر صوفیائے جمیلہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقۂ سلوک کو اختیار کیا جائے۔ جس کو یہ چیز نصیب ہو گی اُس نے عظیم الشان کامیابی حاصل کر لی اور جو اس سے محروم رہا وہ صریح خسارے میں ہے۔ [3]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۹

[2] 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 〃، مکتوب ۱۷۷

(۱۸۷)

مکلفین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہلِ سنت وجماعت کی آرا کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں کیونکہ نجاتِ اُخروی بھی انھیں بزرگوں کی آرائے صائبہ کے اتباع پر موقوف ہے۔ فرقہ ناجیہ یہی بزرگ اور ان کے متبعین ہیں۔[۱]

(۱۸۸)

اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے مطابق عقائد اور احکامِ شرعیہ سے اعتقادی وعملی طور پہ اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ ومزین کرکے اپنے باطن کو ذکرِ الٰہی سے آباد کرنا چاہیے۔[۲]

(۱۸۹)

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند رکھے، عقلمندوں کا اولین فریضہ ہے کہ اپنے عقائد ونظریات کو حضرات علمائے اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقائد کی روشنی میں درست کریں کیونکہ فرقہ ناجیہ یہی ہیں۔[۳]

(۱۹۰)

بزرگوں کے نزدیک تمام ظاہری اور باطنی کمالات کا انحصار کمالاتِ شرعیہ پر ہے۔ علوم ومعارف الٰہیہ کا دارومدار عقائد کلامیہ پر ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک ثابت شدہ ہیں۔ اکابر اہلِ سنت ہزاروں شہود ومشاہدات کو عقائد کلامیہ میں سے اللہ تعالیٰ کی بے چونی وبے چگونی کے ایک مسئلہ کے برابر بھی نہیں جانتے اور

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۹۲

[۲] " " " " ، مکتوب ۲۰۶

[۳] " " " " ، مکتوب ۲۶۶

احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو کسی شرعی حکم کے خلاف ہوں ایک دانہ جَو کے برابر و قعت دے کر بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ وہ ایسے ظہورات کو استدراج سمجھتے ہیں۔ [1]

(۱۹۱)

سب سے پہلے علمائے اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی تصانیفِ علمِ کلام کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرنا چاہیے۔ اس کے بعد فقہی احکام یعنی فرض واجب سنت و مستحب، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کو علمی اور عملی طور پہ بجا لائیں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ دل کو ماسوائے حق کی گرفتاری سے محفوظ رکھا جائے۔ دل کی سلامتی اُسی وقت حاصل ہوتی ہے جب دل میں ماسوائے حق کے اور کسی کا گذر نہ رہے یعنی اگر ہزار سال بھی زندگی وفا کرے تو بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال دل میں نہ آنے دے [2]

(۱۹۲)

اے بزرگی اور سعادت کے نشان! سب سے پہلے آدمی پر ضروری ہے کہ فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے گا کیونکہ یہی مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہے۔ عقائد کی اصلاح بہت ضروری ہے تاکہ آخرت میں کامیابی اور نجات میسر آسکے۔ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا بداعتقادی ہے جو سمِ قاتل ہے اور اس کا نتیجہ ابدی موت اور دائمی عذاب خریدنا ہے۔ عمل میں اگر سستی یا کوتاہی ہو جائے تو بخشش کی امید ہو سکتی ہے لیکن عقیدے میں تساہل اور خرابی ہوئی تو نجات کی کوئی امید نہیں رہتی [3]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۷۶

[2] " " " " ، مکتوب ۲۷۸

[3] " " " دفتر دوم، مکتوب ۶۷

(۱۹۳)

سب سے پہلے علمائے اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی رائے کے مطابق عقائد کو درست کرنا چاہیے کیونکہ یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ عقائد کی درستی کے بعد فقہی احکام کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جن کاموں کے کرنے کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے اُن کی تعمیل کے بغیر چارۂ کار نہیں اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے اُن سے پرہیز کیے بغیر گزارہ نہیں ہے۔ [1]

(۱۹۴)

اصلاحِ عقائد کے بعد حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مندوب اور مکروہ مشتبہ وغیرہ (جن کا علم فقہ کفیل ہے) کا علم حاصل کرنا اور اس علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ پڑھے لکھوں سے فرمائیں کہ مجلس میں فقہ کی کوئی کتاب پڑھ کر سُنایا کریں جو فارسی زبان میں ہو جیسے مجموعہ خوانی اور عمدۃ الاسلام وغیرہ۔ اگر کسی ضروری اعتقادی مسئلے میں نعوذ باللہ خلل آ گیا تو ایسا شخص اُخروی نجات کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کسی عمل میں اگر سُستی واقع ہو جائے تو ممکن ہے کہ توبہ کے ذریعے معافی ہو جائے یا مواخذہ بھی ہوا تب بھی آخر کار نجات ہو جائے گی۔ لہٰذا سب سے بہتر عقائد کا درست کرنا ہے۔ [2]

(۱۹۵)

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں اکہتر [3] فرقے بن گئے تھے جن میں سے ایک کے سوا سب جہنمی تھے۔ قریب ہے کہ میری اُمت کے بہتر [4]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۳

[2] " " " ، دفتر اول، مکتوب ۱۹۳

فرقے بن جائیں گے جن میں سے ایک جنّتی ہوگا اور باقی سب جہنمی۔ صحابۂ کرام عرض گذار ہوئے کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اُسی طریقے پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ پس اُسی نجات پانے والے فرقے کا نام اہلِ سنت وجماعت ہے اور وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کو ضروری قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اہلِ سنت وجماعت کے عقیدے پر قائم رکھنا۔ اسی جماعت میں رہتے ہوئے ہمیں موت آئے اور اُن حضرات ہی میں ہمارا حشر نشر ہو۔ سلہ

(۱۹۶)

پس چاہیے کہ اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات پر اپنے عقائد کا دارمدار رکھیں اور زید وعمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ دوسروں کی لفاظی اور چرب زبانی پر اعتماد کرنا اپنے دین کو ضائع کرنا ہے۔ فرقۂ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید ہو ورنہ ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ سلہ

(۱۹۷)

اِس دولتِ عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں نجات پانے والے گروہ میں شامل فرمایا جو اہلِ سنت وجماعت ہیں نیز نفس پرستوں اور نئے فرقوں میں ہمیں مبتلا نہیں کیا۔ سلہ

(۱۹۸)

نجات کا طریقہ اہلِ سنت وجماعت کی متابعت میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

سلہ احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی: مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

سلہ 〃 〃 〃 〃 ، دفتر اول، مکتوب ۲۵۱

سلہ 〃 〃 〃 〃 ، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

اہلِ سنت کے اقوال و افعال اور اُصول و فروع میں برکت مرحمت فرمائے کیونکہ ناجی فرقہ یہی ہے اور اس کے سوا باقی سب فرقے خرابی کا شکار ہیں اور اس ہلاکت کا خواہ آج کسی کو علم نہ ہو لیکن کل بروزِ قیامت یہ راز سب پہ کھل جائے گا لیکن فائدہ نہیں ہوگا۔ [۱]

(۱۹۹)

آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی سرخروئی سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپ کی پیروی کے باعث ہی حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام تک پہنچا جا سکتا ہے......... پس آپ کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی اور سنت کو لازم قرار دے لیں اور شریعتِ حقہ کے موافق اعمال بجالائیں۔ [۲]

(۲۰۰)

یہ لازم اور ضروری ہے کہ احکامِ شرعیہ کی بجاآوری میں سرتوڑ کوشش کی جائے اور اہلِ شریعت یعنی علماء و صلحا کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے اور شریعتِ مطہرہ کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہیے۔ [۳]

❖

---

[۱] احمد سرہندی، مجددالف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۶۹

[۲] " " " " ، مکتوب ۲۴۹

[۳] " " " " ، مکتوب ۱۶۵

اولیاء اللہ

(۲۰۱)

وہ علامت جس سے اہلِ حق، اہلِ باطل سے جُدا ہوتے ہیں یہ ہے کہ وہ شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اُس کی مجلس میں بیٹھنے سے دل کا رجحان اور علیٰ اختلاف، الدرجات اولیاء اللہ سے ہے۔ یہ علامت نسبت والوں کے لحاظ سے ہے اور بے نسبت اس سے پوری طرح محروم رہتا ہے۔ [1]

(۲۰۲)

عوام کے نزدیک تو جسم کو زندہ کرنا عظیم الشان امر ہے لیکن خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پہ زندہ کرنا بہت بلند مرتبہ کی دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چونکہ عوام الناس کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لیے اللہ والوں نے جسموں کو زندہ کرنے سے منہ موڑ کر اپنی ساری توجہ روحانی طور پہ زندہ کرنے میں لگا دی اور طالبین کے مردہ دلوں کو زندہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ [2]

(۲۰۳)

صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کو زندہ کرنا، دل کو زندہ کرنے کے مقابلے میں بیکار سی بات

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۲

[2] " " " " "

ہے۔ اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے، کیونکہ جسمانی زندگی چند روزہ ہے اور قلبی زندگی حیاتِ دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حقیقت میں اللہ والوں کا وجود بذاتِ خود کرامت ہے اور ان کا لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ایک رحمت ہے اور مُردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لیے امان اور زمانہ کے لیے غنیمت ہیں۔ بِهِمْ يُرْزَقُونَ وَبِهِمْ يُمْطَرُونَ (ان کی گفتگو دوا ہے، اُن کی نظر شفاء ہے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا اور ان سے دوستی رکھنے والا نامُراد نہیں رہتا۔ [1]

(۲۰۴)

ایک وہ راہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے، اقطاب و اوتاد اور بدلاء، نجبا اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہِ سلوک اسی راہ کا نام ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہیں اور اس راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے۔ اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے سردار اور ان بزرگوں کے منبعِ فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔ یہ عظیم الشان منصب ان سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گویا دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ [2]

(۲۰۵)

قطبِ ابدال اُن فیوض و برکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو عالم کے وجود اور

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲

[2] ” ” : معارفِ لدنیہ: ص ٦٦ ؛

اُس کی بقا سے تعلق رکھتے ہیں۔ قطبِ ارشاد اُن فیوض و برکات کے پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جو دنیا کے رُشد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا پیدائش، رزق رسانی، ازالۂ بلیات، بیماریوں کو دُور کرنا، صحت و عافیت کا حصول وغیرہ اُمور قطبِ ابدال کے مخصوص فیوض سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایمان و ہدایت، توفیقِ حسنات، گناہوں سے رجوع و توبہ وغیرہ قطبِ ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قطبِ ابدال ہمہ وقت کام میں مشغول رہتا ہے اور اس سے دنیا کے خالی ہونے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دنیا کا انتظام اُس سے وابستہ ہے۔ اگر اس قسم کے قطب میں سے کوئی قطب وفات پا جائے تو اُس کی جگہ دوسرا مقرر ہو جاتا ہے لیکن قطبِ ارشاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمہ وقت موجود ہو۔ ایک وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا ایمان و ہدایت سے بالکل ہی خالی ہو جائے۔ [1]

(۲۰۶)

قطبِ ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے، بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ صدیوں اور زمانوں کے بعد ایسا جوہرِ کامل ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریک دنیا اس کے نور سے منور ہو جاتی ہے اور اس کی ہدایت و ارشاد کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ عرش کے دائرے سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رُشد و ہدایت اور ایمان و عرفان کی دولت میسّر آتی ہے۔ اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے۔ اُس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ [2]

---

[1] شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: معارفِ لدنیہ: م ۶۶

[2] " " : مبدء و معاد: ص ۴

(۲۰۷)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت میں عظیم شان ہے اور انھیں بلند ترین درجہ حاصل ہے۔ ولایتِ محمدیہ خاصہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو لطیفۂ قلب کے راستے سے انھوں نے آخری نقطے تک پہنچایا ہے اور اس دائرے کے سرحلقہ ہوئے ہیں۔ یہاں سے کسی کو یہ وہم نہ گزرے کہ جب حضرت شیخ قدس سرہٗ ولایت محمدیہ خاصہ کے سرحلقہ ہیں تو سب اولیاء اللہ سے افضل ہوں گے کہ ولایتِ محمدی تو جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت سے فوقیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری گزارش یہ ہے کہ حضرت شیخ اس ولایتِ محمدی کے سرحلقہ ہیں جو لطیفۂ قلب کے راستے حاصل ہوتی ہے، جیساکہ مذکور ہوا۔ نہ کہ مطلق ولایت کے سرحلقہ کہ جس سے افضلیت لازم آئے۔
علاوہ بریں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مطلق ولایتِ محمدیہ کا سرحلقہ ہونا بھی افضلیت کو مستلزم نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوتِ محمدیہ میں پیش قدم ہو اور ان کمالات کے باعث افضلیت اس کے لیے ثابت ہو۔[1]

(۲۰۸)

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر (سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیساکہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی وہ ان کے ذریعے ہی پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطے کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کے سپرد ہوا اور ان کے بعد اس منصب پر (باقی) آئمہ اثنا عشر میں سے ہر بزرگ کا ترتیب وار تفصیلی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۹۳؛

تقرر ہوا۔ اسی طرح ان حضرات کے وصال کے بعد جس کو بھی فیض و ہدایت سے حصہ ملا، ان میں سے اگلے بزرگ کے ذریعے ملا اگرچہ وہ اقطاب یا نجباء ہی کیوں نہ ہوں۔ پس سب کے ملجا و ماوی یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ ملحق رہنے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچی اور جب ان بزرگوار کی باری آئی تو مذکورہ منصب ان کے سپرد ہوا اور آئمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی دوسرا اس مرکز پر معلوم نہیں ہوتا۔ اس راہ میں جو بھی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوتا ہے خواہ وہ اقطاب و نجباء ہی کیوں نہ ہوں یہ معاملہ آپ ہی کے واسطے سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے:-

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

شمس سے مراد فیضانِ رشد و ہدایت کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضانِ مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ وابستہ ہوا جو پہلے مذکورہ بزرگوں سے تعلق رکھتا تھا اور پہلوں کی طرح حضرت شیخ ہی فیض و ہدایت کے وصول کا واسطہ قرار پائے تو جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے تو ان کے وسیلے ہی سے وابستہ ہے۔ دریں حالات اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ فرمانا یقیناً درست قرار پاتا ہے۔ [۱]

(۲۰۹)

میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کا نائب مناسب ہے

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی دفتر سوم، مکتوب ۱۲۳۔

اور حضرت شیخ کی نیابت ہی کے باعث یہ معاملہ اُس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُوْرِ الشَّمْسِ، لہٰذا اب کوئی تضاد نہیں رہا۔ لہ

(۲۱۰)

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر (سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اٹھانے والے ہیں اس لیے اقطاب و ابدال و اوتاد کے مقام (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں اور کمالات ولایت کی جانب اُن میں غالب ہے) کی تربیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد و اعانت کے سپرد ہے۔ یعنی قطب مدار کا سر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر قدم ہے۔ قطب مدار ان کی حمایت و اعانت ہی کے سہارے اپنے ضروری اُمور سرانجام دینا اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ اور امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس مقام میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہیں۔ ٢ہ

(۲۱۱)

اے فرزند! وہ معرفت جو رسالہ مبدا و معاد میں اسی افادہ اور استفادہ کے بارے میں لکھی گئی ہے، جو قطب ارشاد سے متعلق ہے، وہ اپنی افادیت کے باعث چونکہ اس مقام سے بھی مناسبت رکھتی ہے لہٰذا وہ معرفت اس مکتوب میں بھی بعینہٖ تحریر کی جاتی ہے، لہٰذا اس سے یقین حاصل کریں۔

قطب ارشاد جو کمالات فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے، وہ عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے اور قرنوں اور زمانوں کے بعد ایسا گوہر یکتا ظہور میں آتا ہے۔ یہ عالم تیرہ و تار اس کی نورانیت سے منور ہو جاتا ہے اور اُس کے رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت

لہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۳ :

٢ہ 〃 〃 〃 ، دفتر اول، مکتوب ۱۷۱ :

سے حصہ ملتا ہے تو اُسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور بغیر اُس کے وسیلے کے کوئی اس دولت کو پا نہیں سکتا۔

اس کے نورِ ہدایت نے دریائے محیط کی طرح ساری دنیا کو گھیرا ہوا ہوتا ہے وہ گویا دریائے منجمد ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا ایسا ہو کہ وہ بزرگ خود کسی طالب کی طرف متوجہ ہے تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں ایک روزن (سوراخ) کھل جاتا ہے اور اس راستے سے وہ توجہ اور اخلاص کے مطابق اُس کے دریائے کرم سے سیراب ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے اور اُس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے، انکار سے نہیں بلکہ بایں وجہ کہ اُسے پہچانتا نہیں ہے تو اسے بھی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن دوسری صورت کی نسبت پہلی صورت میں افادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ناخوش ہے تو اگرچہ وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہی کیوں نہ رہے لیکن رُشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہے گا اور یہ انکار و آزار حصولِ فیض سے مانع ہو جاتا ہے، خواہ وہ بزرگ اس کے عدمِ افادے کی جانب متوجہ ہو اور اُس کے ضرر کا قصد کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ حقیقت میں وہ رُشد و ہدایت کی ایک بے معنی سی صورت ہے، جس کا نفع بہت قلیل ہوتا ہے .... ایسی جماعت جو اُس عزیز سے محبت و اخلاص رکھتی ہے، اگر اُس کی توجہ اور ذکرِ الٰہی سے خالی ہو لیکن صرف اس کی محبت کے سبب انھیں رشد و ہدایت کے نور سے حصہ مل جائے گا۔ [1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۶۰۔

جاننا چاہیے کہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل متبعین جب تبعیت کے طور پر مقامِ نبوت کے کمالات کو پوری طرح حاصل کر لیتے ہیں تو اُن میں سے بعض کو منصبِ امامت پر فائز کر دیا جاتا ہے اور بعض کو ان کمالات کے مجرد حصول پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے بزرگ نفسِ کمال کے حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب پر فائز کرنے اور نہ کرنے کا ہے یا اُن اُمور کا جو اُس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔

کامل متبعین جب ولایتِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو اُن میں سے بعض کو منصبِ خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو اُن کمالات کے مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں جیسے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے...... یہ دونوں منصب کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالاتِ ظلیہ میں منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے اور منصبِ خلافت کے مناسب قطبِ مدار کا منصب۔ گویا نیچے والے دونوں مقام اوپر والے دونوں مقاموں کے ظل ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطبِ مدار ہی غوث ہوتا ہے اور اُن کے نزدیک غوثیت قطبیت سے علیحدہ کوئی منصب نہیں ہے جبکہ فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ غوث قطبِ مدار سے علیحدہ ہوتا ہے اور وہ اس کے فرائض میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ قطبِ مدار بعض اُمور میں اُس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے مناصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے اور قطبِ مدار کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ قطب کے اعوان و انصار بھی قطبِ حکمی ہیں۔[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۶۱

(۲۱۳)

مرشدِ کامل کی خدمت میں پہنچ جانے کے بعد سالک تمام مرادوں سمیت اپنے آپ کو اس طرح شیخ کے سپرد کر دے جس طرح میت غسّال کے ہاتھوں میں ہوتی ہے کیونکہ فنائے اوّل یہی فنائے شیخ ہے اور فنا فی اللہ کا ذریعہ و وسیلہ یہی فنا ہے . . . .

. . . . دے اور استفادے کا راستہ طرفین (خالق و مخلوق) کی مناسبت پر مبنی ہے۔ شروع میں طالب کو اپنی انتہائی پستی اور نااہلی کے باعث بارگاہِ عزّ سلطانہٗ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی، لہٰذا اس وقت درمیان میں ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہوتی ہے جو طالب و مطلوب کے مابین برزخ کا کام دے اور وہ شیخِ کامل کی ذات ہے۔[1]

(۲۱۴)

اگر فضلِ ایزدی سے شیخِ کامل میسّر آجائے تو اُس کے حصول کو نعمتِ عُظمیٰ شمار کرتے ہوئے سالک اُس کے آستانے کا خدمت گزار بن جائے اور اپنی ذات کو اس کے تصرّفات کا تابع بنا دے . . . . . . شیخ کے اختیار میں اپنے اختیار کو گم کر دے۔ اپنے دِل کو تمام مرادوں سے خالی کر کے شیخ کی خدمت پر کمر بستہ ہو جائے۔ شیخ کے ہر حکم کو رُوحِ سعادت گردانتے ہوئے پوری کوشش سے اُس کی تعمیل کرے۔ مرشدِ کامل اگر ذکر کو اُس کی استعداد کے لیے مناسب سمجھے گا تو ذکر کی تلقین کرے گا۔ اگر اُسے توجہ یا مراقبہ مناسب نظر آئے گا تو اُن کی جانب اشارہ کر دے گا۔ قصّہ مختصر کہ صحبتِ شیخ کے وقت راہِ سلوک کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذکر کی حاجت نہیں۔ بلکہ جو کچھ اسے طالبِ صادق کے حال کے مناسب نظر آئے گا اس کے کرنے کا حکم دے گا اور اگر راہِ شرائط میں طالب سے کسی امر میں کسی کوتاہی کا ارتکاب ہو گا تو

---

[1] احمد سرہندی، مجددالف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۸۶۔

صحبت اس کی تلافی کرے گی اور شیخ کی توجہ اس نقصان کو پورا کر دے گی۔ سلہ

(۲۱۵)

اپنے فرزندِ اکبر (خواجہ محمد صادق) کی وفات کے چند ماہ پیشتر میں نے ایک بلند نور دیکھا کہ اس کی صفت و شان بیان سے باہر ہے اور وہ کیفیات سے مبرّا و منزّہ ہے۔ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ وہ زمین میرا مدفن بنے اور وہ نور میری قبر پہ روشن ہو۔ اس بات کا میں نے اپنے فرزندِ اکبر سے ذکر کیا جو محرمِ راز تھا او یہ تذکرۂ نور کے ساتھ اپنی آرزو سے مطلع کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میرا وہ لختِ جگر ہی اُس دولت کی جانب سبقت لے گیا اور وہ پردۂ خاک کے اندر اس دریائے نور میں مستغرق ہو گیا ۔

مبارک منعموں کو اپنی دولت

سہ

مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

اس عظمت والے شہر (سرہند شریف) کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میرے فرزندِ اکبر جیسی ہستی اس میں محوِ استراحت ہے جو اکابر اولیاء اللہ سے ہے اور ایک مدت کے بعد مجھ پہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ نور جو مذکورہ جگہ رکھا گیا ہے وہ میرے ہی انوارِ قلبیہ کا لمعہ ہے جو یہاں سے لے کر اُس جگہ روشن کیا گیا ہے، جس طرح سے چراغ روشن کر لیتے ہیں۔ سلہ۲

(۲۱۶)

اس شیخ (حضرت مجدد الف ثانی) کے فرزند جو کہ بچے ہیں، وہ اسرارِ الٰہی ہیں۔ بلکہ وہ نو شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوب کھیتی اُگائی ہے۔ سلہ۳

سلہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۸۶

سلہ۲ " " " ، دفترِ دوم، مکتوب ۲۲

سلہ۳ محمد باقی باللہ، خواجہ: کلیاتِ باقی، ص۔ ۱۳۰

حضرت مجدد الف ثانی

یہ علمی لحاظ سے بے بضاعت اور سراسر ناقابلِ ذکر انسان اُس آسمانِ علم و عرفان کے فضائل و کمالات بھلا کس طرح بیان کرے کیونکہ ایک ذرّہ پہاڑ کی رفعتوں کا کیا اندازہ کر سکتا ہے؟ قطرے کو بحرِ بیکراں کی وسعتوں کا کیا علم ہو سکتا ہے؟ اُن کے بارے میں میرے جیسا بے ہنر اور سراپا معصیت کیا لکھے جن کے متعلق اُن کے مرشد گرامی خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۴ء) نے یُوں فرمایا تھا:۔

۱۔ میاں شیخ احمد فضل و کمال کے نیرِ تاباں ہیں جن کی روشنی میں ہمارے جیسے کتنے ہی ستارے گم ہیں۔

۲۔ ہماری اور میاں شیخ احمد کی مثال خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ اور اُن کے مرید خواجہ عبید اللہ احرار جیسی ہے کہ اگر وہ اور زندہ رہتے تو اپنے مرید سے شرفِ ارادت حاصل کرتے۔

۳۔ میاں شیخ احمد جیسی ہستی آج اس آسمان کے نیچے اور نہیں ہے۔

۴۔ صحابہ و تابعین کے بعد میاں شیخ احمد جیسی ہستیاں چند ہی گذری ہیں۔

۵۔ میاں شیخ احمد قطبیتِ ارشاد اور قطبیتِ مدار دونوں کے جامع ہیں۔

۶۔ میری محنت رائگاں نہیں گئی کہ میاں شیخ احمد جیسی ہستی کی تربیت کر چلا ہوں۔

۷۔ میاں شیخ احمد مرید نہیں بلکہ مراد اور محبوب ہیں۔

۸۔ راہِ سلوک میں ہمارا توقف میاں شیخ احمد کی توجہ سے ہی دُور ہوا تھا۔

۹۔ میاں شیخ احمد کے ذریعے ہی مجھ پہ روشن ہوا کہ توحیدی وجودی تنگ کوچہ ہے۔

۱۰۔ میاں شیخ احمد کی ذات پہ مجھے فخر ہے۔ تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ۔"

۱۱۔ جن کے بارے میں خاتم الحفاظ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کے بقول زبانِ رسالت سے صِلَہ کا لفظ صادر ہوا اور خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں یہ لفظ اپنے لیے استعمال کیا ملاحظہ ہو مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶، جبکہ آپ سے پہلے اُمّتِ محمدیہ میں سے کسی بزرگ نے یہ لفظ اپنے لیے استعمال نہیں کیا۔

۱۲۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بشارت دی کہ تو علم کلام کے مجتہدین سے ہے۔

۱۳۔ جن کے عقائد کی بارگاہِ رسالت میں مقبولیت ہو چکی ہے اور فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کے ایک رسالے کے متعلق اولیائے کرام سے فرمایا کہ ایسے عقیدے رکھنے چاہئیں۔

۱۴۔ جو تصوف میں منصب امامت و درجۂ اجتہاد پہ فائز ہیں۔

۱۵۔ جو اُولوالعزم پیغمبروں کے نائب اور اُن کے قائم مقام ہیں۔

۱۶۔ جن کا تجدیدی کارنامہ جملہ مجددین کے کارناموں میں اپنی نظیر آپ ہے۔

۱۷۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۱ھ) نے اپنے ایک خلیفہ کو خط لکھ کر دیا کہ فلاں (حضرت مجدد الف ثانی) میرے لیے دعائے مغفرت کریں۔

۱۸۔ جن کے ظہور کی کتنے ہی اکابر اولیاء اللہ نے بشارتیں دی تھیں۔

۱۹۔ جن کے ظہور کی اُن کے والدِ محترم عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۰۷ھ) کو قبل از وقت بشارت مل گئی تھی۔

۲۰۔ جن کے متعلق علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) جیسی نادرِ روزگار ہستی نے فرمایا کہ یہ تو مجدد الف ثانی ہیں۔

۲۱۔ جنھوں نے تحدیثِ نعمت کے طور پہ خود بھی بتایا کہ واقعی وہ مجدد الف ثانی ہے۔

۲۲۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) جیسے نابغۂ عصر معاصر نے جن کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف کیا ہے۔

۲۳۔ شیخ فضل اللہ برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۰۵ھ) نے معاصر ہونے کے باوجود فرمایا کہ یہ کشورِ ولایت کے مہرِ درخشاں اور دوسرے اولیاء اللہ ستاروں کی طرح ہیں۔

۲۴۔ شیخ حسن غوثی رحمۃ اللہ علیہ جیسا باکمال جنھیں کشورِ روحانیت کا تاج والہ بتائے۔

۲۵۔ میر مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ جیسا صاحبِ قلب و نظر ولی کامل جن سے بیعت ہونے کا خواہش مند ہو نیز توجہ اور انوارِ قدسیہ کی درخواست کرے۔

۲۶۔ بقول حضرت میر مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ اگر حضرت بایزید بسطامی (المتوفی ۲۶۱ھ) اور حضرت جنید بغدادی (المتوفی ۲۹۷ھ) قدس سرہما جن سے ملنے میں عار محسوس نہ کرتے۔

۲۷۔ جن کے عدیم المثال کارنامے یگانے اور بیگانے نیز دوست و دشمن سب تسلیم کرتے ہیں۔

۲۸۔ جن کو بشارت دی گئی کہ اُس کے سلسلے میں بیعت ہونے والوں کو بخش دیا جائے گا۔

۲۹۔ جن کو مژدہ ملا کہ جس کی نمازِ جنازہ پڑھو گے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

۳۰۔ جن کو بارگاہِ رسالت سے خلعتِ قیومیت مرحمت فرمائی گئی تھی۔

۳۱۔ جن کو متشابہات کے علوم سے حصہ ملا اور حروف مقطعات کا مفہوم منکشف فرما دیا گیا تھا۔

۳۲۔ جن کی نسبت حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کو بھی حاصل ہو گی۔

۳۳۔ جن کے کشف کا اندازہ کرنے سے اولیائے کاملین بھی عاجز رہے۔

۳۴۔ جن کے لیے مسائل شرعیہ کو کشفیہ بھی کہہ دیا گیا تھا۔
۳۵۔ جن کی اصابتِ رائے کو تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔
۳۶۔ جس نے گلشنِ اسلام میں وہ گلُ ہائے رنگا رنگ کھلائے کہ نصابِ ہدایت جمع کر دیا۔
۳۷۔ جن کے اقوال و آراء کو علم و کمال والوں کی نظر میں سند کا درجہ حاصل ہے۔
۳۸۔ جن کے متوسلین آج بھی دنیا میں اس کثرت سے ہیں کہ اتنے شاید ہی کسی دوسری ہستی کے ہوں۔
۳۹۔ جنھوں نے دینِ متین کے ہر شعبے میں تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا۔
۴۰۔ جس نے نہ صرف متحدہ ہندوستان میں بلکہ اپنے خلفاء کے ذریعے کتنے ہی دیگر ممالک میں بھی اسلامی انقلاب برپا کر دیا تھا۔

رُشد و ہدایت کے ایسے مہرِ درخشاں کی تابانی اور ضیا باری کو یہ ذرّہ ناچیز بھلا کیا بیان کر سکتا ہے لیکن یہاں صرف بعض وہ امور پیش کر رہا ہوں جو حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحدیثِ نعمت کے طور پہ اپنے متعلق خود بیان فرمائے ہیں وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ۔

(۲۱۷)

جب اس فقیر کو اس راہِ سلوک کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی عنایت نے مجھے سلسلۂ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (خواجہ باقی اللہ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہیں سے میں نے اِن بزرگواروں کے طریقے کو اخذ کیا اور ان بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ اُن بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضراتِ خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے، اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج النہایت فی البدایت سے کسی قدر

سیرابی نصیب ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہوگیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا اور میں نے اِس راہ کو شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی روحانی تربیت کے ذریعے انجام تک پہنچایا۔ [1]

(۲۱۸)

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی بارگاہ میں عرض گزار ہوں کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والدِ محترم کے احسانات میں غرق ہے۔ فقیر نے اس طریقے کی بسم اللہ تک کا سبق اُن سے ہی حاصل کیا اور اِس راستے کا سب کچھ اُن سے سیکھا۔ اندراج النہایہ فی البدایہ اُن کی نظرِ کرم کے صدقے حاصل ہوئی اور سفرِ در وطن کی سعادت سے اُن کے طفیل مشرف ہُوا۔ اُن کی بارگاہِ لطف و کرم نے اس ناچیز کو دو اڑھائی ماہ کے عرصے میں نسبتِ نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اُن بزرگوں کا حضورِ خاص عطا فرمایا اور وہ تجلیات، ظہورات، انوار، رنگ، بے رنگی اور بے کیفیتی جن کا حصول اس عرصے میں اُن کے طفیل ہوا وہ شرح بیان سے باہر ہے۔ اس مردِ خدا کی توجہ سے معارفِ توحید، اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سریان میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ ایسا رہ گیا ہو جس کا راز اِس فقیر پر نہ کھلا ہو اور جس کی حقیقت پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا اِن معارف کے مقامات اور مبادی میں سے ہے۔ [2]

(۲۱۹)

جاننا چاہیے کہ میرے پیرومرشد اور رہنما میرے پیشوا (خواجہ باقی باللہ) اُن کے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبداء و معاد، ص ۹۳، تا ۹۶

[2] " " : مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

توسّل سے میں نے اس راستے میں آنکھیں کھولی ہیں اور اُن کی وساطت سے طریقت میں لب کشائی کی ہے اور حقیقت کی تو بسم اللہ تک کا سبق اُن سے لیا ہے اور مولویت کا ملکہ بھی اُن کی نظرِ کرم سے حاصل ہوا ہے۔ اگر میرے پاس کچھ علم ہے تو اُن کا صدقہ ہے اور اگر کسی قدر معرفت حاصل ہے تو اُن کی نگاہِ کرم کا اثر ہے۔ میں نے اندراج النہایہ فی البدایۃ کا سبق اُن سے ہی حاصل کیا ہے اور قیومیت کے طریقے پر نسبتِ انجذاب بھی اُن سے ہی اخذ کی ہے۔ اُن کی ایک نظر سے میں نے وہ کچھ پایا جو دوسرے چالیس روزہ کے چلّے میں بھی نہیں پا سکتے اور اُن کی توجہ سے وہ کچھ حاصل ہوا جو سالہا سال کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ [1]

(۲۲۰)

وہ علوم جو مقامِ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے تھے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مہربانی سے منکشف ہو چکے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہر چیز کی وجہِ خاص کیا ہے اور سیر فی اللہ کس معنی میں ہے۔ تجلّی ذاتی برقی کسے کہتے ہیں اور محمدی المشرب کون ہوتا ہے۔ اسی طرح کے دیگر علوم اور ہر مقام کے لوازم و ضروریات پر اطلاع بخشی گئی ہے اور شاید ہی کوئی ایسی چیز باقی رہی ہو جس کا اولیاء اللہ نے نشان بتایا ہو یا جو انھیں راہ میں پیش آئی ہو اور راس ناچیز کو دکھائی نہ گئی ہو۔ [2]

(۲۲۱)

یہ کمترین غلام یعنی احمد عرض کرتا ہے کہ اس راہ کے بے نہایت ہونے پر آہ! ہزار آہ! اتنی جلد سیر اور واردات و عنایات کا حصول نہایت ہی مقامِ حیرت ہے۔ یہی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴۲

[2] 〃 〃 〃 ، دفتر اول، مکتوب ۱۲

وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ آیۂ کریمہ: تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (چڑھتے ہیں ملائکہ اور رُوح اُس کی طرف ایسے دِن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) میں شاید اسی جانب اشارہ ہے۔ جب کام ناامیدی کو پہنچ گیا تھا اور تمام اُمیدیں منقطع ہوگئی تھیں تو ھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ (یعنی وہ ذات ہے جو ناامیدی کے بعد بارش برساتی اور اپنی رحمت بکھیرتی ہے) کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ نے کام بنا دیا۔ چند روز ہوئے کہ اشیاء میں سیر واقع ہوئی ہے۔ [1]

۲۲۲

عجب بات ہے کہ اب اس فقیر کو حق الیقین سے مشرف کردیا گیا ہے۔ اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب نہیں رہے ہیں۔ یہ ناچیز عین حیرت اور بے نشانی میں علم و شعور سے متصف ہے اور عین غیب حضور کا حکم رکھتی ہے۔ [2]

۲۲۳

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے، اس کے سیر کی ابتدا قلب سے ہوتی ہے۔ قلب سے گزر کر مراتبِ روح میں سیر واقع ہوتی ہے، جو اس سے اُوپر ہے اور رُوح سے گزر کر یہ معاملہ سِر تک پہنچتا ہے جو اس سے اوپر ہے۔ اسی طرح خفی اور اخفیٰ کا معاملہ ہے۔ ان لطائف پنجگانہ کو طے کرنے اور

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳

[2] ” ” ” ” ، مکتوب ۱۸

اِن میں سے ہر ایک کے مخصوص علوم و معارف حاصل کرنے اور اُن کے مخصوص احوال و مواجید کے متحقق ہو جانے کے بعد اِن پنجگانہ لطائف کے اُصول میں سَیر واقع ہوتی ہے۔[1]

(۲۲۴)

جاننا چاہیے کہ ممکن جب قربِ الٰہی جلّ سلطانہٗ کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے تو ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے۔ حضرت رسالت پناہ علیہ وعلٰی آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات مقاماتِ عروج کے اندر حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور طوفانِ نوح بھی موجود تھا علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اہلِ بہشت کو بہشت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھا تھا۔ بہشت کا داخلہ شروع ہونے کے پانچ سو سال بعد، جو وہاں کے حساب سے نصف دِن ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو جو دولت مند صحابہ علیہم الرضوان سے تھے، بہشت میں داخل ہوتے دیکھا۔ جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے دیر ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے اپنے دشوار گذار راستوں اور کٹھن مرحلوں کا حال عرض کیا۔ یہ سب کچھ وہاں ایک آن کے اندر ہُوا اور گذشتہ و آئندہ کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔[2]

(۲۲۵)

اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حالات (معراج شریف میں) پیغمبرِ خدا کے جسم و رُوح دونوں کو پیش آئے اور آپ نے بصارت و بصیرت دونوں کے ساتھ مشاہدہ فرمایا تھا۔ اگر تبعیت کے طور پر یہ حالت دوسروں کو مرحمت فرمائی جائے تو وہ صرف

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۵۰

[2] ” ” : مبدا و معاد مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۴۹ :

وح کے ساتھ محدود ہوگی اور بصیرت کے ساتھ مخصوص۔ [1]

(۲۲۶)

اس فقیر کو بھی بعض اوقات حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں یہ حالت میسر آئی ہے کہ میں نے اُن ملائکہ کو جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے عین سجدے کی حالت میں دیکھا ہے کہ اب تک اُنھوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا اور ملائکہ علیین جنھیں سجدے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اُنھیں سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا تھا کہ اپنے مشہود میں فنا و غرق ہیں اور آخرت کے جن حالات کا وعدہ فرمایا گیا ہے، سب کو اُسی آن میں مشاہدہ کیا۔ چونکہ اس واقعہ کو مدّت گذر گئی ہے اس لیے احوالِ آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی کیونکہ مجھے اپنے حافظے پر اعتماد نہیں رہا ہے۔ [2]

(۲۲۷)

عرض ہے کہ جب سے اس فقیر کو محو میں لایا گیا اور بقا سے نوازا گیا ہے اُس وقت سے علومِ غریبہ اور معارفِ نادرہ غیر متعارفہ مسلسل فائض اور وارد ہو رہے ہیں۔ اُن میں سے اکثر چیزوں کا بیان اُن کی مستعمل اصطلاح سے موافقت نہیں رکھتا جیسا کہ مسئلہ وحدتِ وجود اور اُن کے متعلقات کے بارے میں کہا گیا ہے۔ حالانکہ مجھے ابتدائے حال ہی میں اس سے مشرف فرما دیا گیا تھا اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ میسر آ گیا تھا۔ بلکہ اس مقام سے مجھے بدرجہا ترقی مرحمت فرما دی گئی تھی۔ اس ضمن میں فقیر کو انواع و اقسام کے علوم عطا فرمائے گئے ہیں، جبکہ اُن مقامات و

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبدأ و معاد مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۴۹

[2] " " " " ، ص ۶۹

معارف کی تصدیق مشائخ کے کلام میں صراحتاً نہیں پائی جاتی، صرف بعض بزرگوں کے کلام میں اجمالی اشارات و رموز پائے جاتے ہیں۔ ان علوم و معارف کی صحت کا حال یہ ہے کہ ظاہر شریعت اور اجماع علمائے اہلِ سنت سے پوری طرح موافقت و مطابقت رکھتے ہیں اور شریعتِ مطہرہ کی ظاہری روش سے ذرا بھی مخالفت نہیں پائی جاتی جبکہ یہ حکماء کے اصولِ عقلیہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے بلکہ اس جماعت کے اصولوں سے بھی اِن علوم کی کوئی موافقت نہیں ہے جو اُصولِ اسلام میں اہلِ حق سے مخالفت رکھتی ہے۔ [1]

(۲۲۸)

اگرچہ یہ احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق تھے لیکن اِن کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فقیر نے اگر وحدتِ وجود کے نظریہ کو قبول کیا تھا تو کشف کی بنا پر ایسا کیا تھا نہ کہ از روئے تقلید اور اگر اب انکار ہے تو یہ بھی الہام کے باعث ہے جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتا، اگرچہ الہام دوسرے پر حجت نہیں ہے۔ [2]

(۲۲۹)

اے فرزند! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے، میرے سپرد ایک عظیم کام ہے۔ مجھے نہ پیری مریدی کے لیے دنیا میں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ وہ اور ہی معاملہ اور کام ہے۔ جو شخص مناسبت رکھتا ہوگا وہ فیض حاصل کر سکے گا۔ اُس عظیم کام کے مقابلے میں تکمیل و

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۸
[2] " " " " ، مکتوب ۳۱

ارشاد کا کام بالکل معمولی ہے، جیسے راستے میں پھینکی ہوئی چیز۔ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت کو ان کے باطنی معاملات سے یہی نسبت ہے اگرچہ منصبِ نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور اس کے خصائص سے تبعیت و وراثت کے طور پر ان کے کامل تبعین کو حصہ میسر ہے۔ [1]

(۲۳۰)

اس امت کی آخریت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے۔ ہزار سال گزرنے میں یہ عظیم خاصیت ہے کہ امور میں تغیر آجاتا ہے اور اس کا اشیا کے تبدیل ہونے میں قوی اثر ہوتا ہے۔ چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے لہٰذا متقدمین کی نسبت اسی طراوت و آبداری کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور تائیدِ شریعت و تجدیدِ ملت اس دوسرے ہزار سال میں ہو رہی ہے اور اس امر کے دو معتبر گواہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔ [2]

(۲۳۱)

مطلع رہیں کہ ہر سو سال کے بعد مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہوتا ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہوتا ہے۔ جو فرق سو اور ہزار میں ہوتا ہے وہی فرق ان دونوں قسم کے مجددوں کے مراتب میں ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ نیز مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں امتیوں کو فیوض و برکات سے جو حصہ پہنچتا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۱۱

[2] 〃 〃 〃 ، دفتر اول، مکتوب ۲۶۱

ہے خواہ وہ اپنے وقت کے اقطاب، اوتاد، ابدال اور نجبا ہی کیوں نہ ہوں۔ [1]

(۲۳۲)

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ پہلی اُمتوں میں ایسے ظلمتوں سے بھرے ہوئے دَور کے اندر اُولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت جاری کرتا تھا اور اس وقت اُمت جو تمام امتوں سے بہتر ہے اور جس کے پیغمبر یعنی آخری رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اپنے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے یعنی وجود علماء کو وجودِ انبیاء کی طرف سے کفایت کرنے والا فرمایا۔ لہٰذا ہر صدی کے سرے پر اِس اُمت کے علماء سے مجدد کا تعین فرماتے ہیں کہ شریعت کا احیاء فرمائے، خاص طور پر ہزار سال گزرنے کے بعد کہ اگلی اُمتوں میں وہ اُولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت ہوتا اور اُس وقت دوسرے پیغمبروں پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ اس دستور کے مطابق فی زمانہ ایک ایسا عالم، عارف اور تام المعرفت درکار ہے جو اُمم سابقہ کے اُولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو۔ [2]

(۲۳۳)

سُبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بغیر کسی ارادے اور تکلف کے ظاہر ہو رہے ہیں اگر بہت سے آدمی بھی جمع ہو کر انھیں مرتب کرنے کی کوشش کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ فقیر کا یقین ہے کہ اِن معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کو نصیب ہوگا۔ [3]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴

[2] " " " ، دفتر اوّل، مکتوب ۲۳۴

[3] " " " "

(۲۲۴)

علوم و معارف موسلادھار بارش کی طرح برسائے جا رہے ہیں۔ قوتِ مدرکہ جن کو اٹھانے سے عاجز ہے بلکہ قوتِ مدرکہ تو محض برائے تعبیر ہے ورنہ بادشاہ کی عطاؤں اور بخششوں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔[۱]

(۲۲۵)

عنایاتِ خداوندی سے علوم و معارف موسلادھار بارش کی طرح برس رہے ہیں اور عجیب و غریب اسرار و رموز پر اطلاع بخش رہے ہیں۔ میرے فرزند اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس راز کے محرم ہیں۔ دوسرے چند دوست کچھ روز حضور میں رہتے ہیں اور کچھ روز غیب میں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ولی خواہ کتنا ہی عالی مرتبہ کیوں نہ ہو وہ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔[۲]

(۲۲۶)

اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کے متعلق اہل اللہ میں سے کسی نے صراحتہً یا اشارۃً گفتگو نہیں کی، بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں، جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و ممکنات کو جس طرح ممکن اور لائق تھا، بیان کیا ہے، یہ نہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں اور نہ اہلِ حق کے اقوال سے متصادم۔[۳]

(۲۲۷)

اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں اُمید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۸

[۲] " " " " ، مکتوب ۲۴۸

[۳] " " " " ، مکتوب ۲۳۴

جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے۔ اِس بیان کی صحت پہ دلیل یہ ہے کہ جب فقیر اِن علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں التجا کی تو معزز فرشتوں کو دیکھا کہ اُس مقام کے گِرد و نواح تک سے شیطان کو بھگاتے تھے اور اُس جگہ کے گِرد نہ آنے دیا۔[1]

(۲۲۸)

حق جلّ سلطانہٗ کے انعامات سے یہ فقیر کیا لکھے اور اُس کی نعمت کا شکر کس طرح ادا کرے۔ وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے خداوند جلّ شانہٗ کی توفیق سے اُن میں سے اکثر سپردِ قلم کر دیئے جاتے ہیں جو اہل و ناہل کے گوش گزار ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر دوسروں سے متمیز ہے، اُن میں سے شمہ بھر ظاہر نہیں کر سکتا بلکہ رموز و اشارات میں بھی اُن کا کوئی لفظ زبان پہ نہیں لا سکتا۔ میرا عزیز فرزند (خواجہ محمد صادق) کہ فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقاماتِ سلوک و جذبہ کا نسخۂ کامل ہے، اِن اسرارِ دقیقہ کی کوئی رمز اُس سے بھی بیان نہیں کی جاتی اور اُن کے پوشیدہ رکھنے میں پوری کوشش کام میں لائی جاتی ہے، حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ میرا وہ فرزند محرمانِ اسرار سے ہے اور خطا و غلط سے محفوظ لیکن کیا کروں کہ معانی کی دِقّت زبان کو پکڑ لیتی ہے۔ یہ نقدِ وقت ہے کیونکہ وہ اسرار ایسے نہیں ہیں کہ میں خود اُنھیں بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان کیے نہیں جا سکتے۔

فریادِ حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست[1]
ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست[2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۳۴

[2] " " " " ، مکتوب ۲۶۷

(۲۳۹)

میرا خیال ہے کہ میری پیدائش سے یہ مقصود ہے کہ ولایتِ محمدی ولایتِ ابراہیمی کے رنگ سے رنگی جائے علیہما الصلوات والتحیات اور اس ولایت کا حُسنِ ملاحت اُس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں۔ اِس رنگ سے ملاوٹ کی وجہ یہ ہے محبوبیتِ محمدیہ کا مقام درجۂ علیا تک پہنچ جائے، ہوسکتا ہے کہ ملّتِ ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کا حکم اِسی لیے دیا گیا ہو کہ اس دولت عظمیٰ کا حصول میسّر آجائے اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی صلوات وبرکات اپنے نبی کے لیے طلب کرنا اِسی غرض سے ہو۔ سلہ

(۲۴۰)

یہ فقیر چونکہ ولایتِ محمدی اور ولایتِ موسوی علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام کا پروردہ ہے اور مقامِ ملاحت میں موطن ومسکن رکھتا ہے لہٰذا ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے غلبۂ محبت کے باعث نسبتِ محبوبیت غالب اور نسبتِ محبّیت مغلوب ومستور ہے۔ سلہ

(۲۴۱)

اِس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایتِ محمدی اور ولایتِ موسوی کی پروردہ ہے اور ان دونوں بزرگوں کے طفیل نسبتِ محبوبی اور نسبتِ محبّی سے مرکب ہے کیونکہ محبوبوں کے رئیس تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور محبّوں کے

سلہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۲
سلہ " " " ، دفتر سوم، مکتوب ۹۵

سردار حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث میری ولایت کا کاروبار ہی دیگر ہے اور علیحدہ معاملہ اس کے ساتھ مربوط ہے۔ اگرچہ میری ولایت کی اصل اپنے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جسے ولایتِ محمدی کہتے ہیں کہ جس کا اصل منشا صرف نسبتِ محبوبیت ہے لیکن جب ولایتِ موسوی کی کیفیت بھی اس میں شامل ہو گئی جو صرف محبّیت سے پیدا ہوئی ہے تو یہ بھی اُسی رنگ سے رنگین ہو گئی اور دوسری حیثیت پیدا ہو گئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری حقیقت پیدا ہو گئی جس کا ثمرہ اور نتیجہ ہی دوسرا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

از یں افیون کہ ساقی درمے افگند
حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار سلہ

(۲۴۲)

جو کاروبار اس ولایت سے وابستہ ہے اگر اُس میں سے تھوڑا سا بیان کروں یا اُن معاملات کی جانب اشارہ کروں جو اِن دونوں ولایتوں کے ساتھ خاص ہیں تو گلا کاٹ دیا جائے گا اور حلقوم ذبح کر دیا جائے گا۔ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بعض علوم کے متعلق فرمایا جو اُنھوں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کیے تھے کہ اگر اُنھیں ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔ دریں حالات دوسروں کی کیا حیثیت ہے۔ سلہ

(۲۴۳)

آخر کار جب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے تاویلاتِ متشابہات

سلہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۹۵

سلہ " " " " ۹۵

کا تھوڑا سا حصہ اس فقیر پہ ظاہر فرمایا اور اُس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر اس مسکین کی زمینِ استعداد میں جاری فرما دی تو معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی تاویلاتِ متشابہات سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ [1]

(۲۴۴)

اِس فقیر کو اُس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے، حضور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے قطبیتِ ارشاد کی خلعت عطا فرمائی گئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرما دیا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایتِ خداوندی شاملِ حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا، چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی۔ اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی، حتیٰ کہ اِس فقیر کو مقامِ اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا، اس آخری عروج میں جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے۔ اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبد القادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی امداد حاصل رہی اور اُن کی قوتِ تصرف نے اُن تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا۔ پھر وہاں سے مجھے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اِس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے اور اِس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ، جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والدِ محترم (خواجہ عبد الاحد) سے حاصل ہوا تھا۔ [2]

(۲۴۵)

اس فقیر کو نزول کے وقت جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے،

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۷۶

[2] " " : مبدأ و معاد مترجم، ص ۹۶

دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصّہ حاصل کیا اور ہر مقام کے مشائخ میرے کام میں معاون و مددگار رہے اور انھوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخابات سے ایک بڑا حصّہ مجھے عطا فرمایا۔ سب سے پہلے اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بہت بڑا حصّہ مجھے نصیب ہوا۔ اُن مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے دیگر مشائخ سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرت اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں بلکہ اِس مقام کے رئیس ہیں۔ [1]

(۲۴۶)

اس فقیر کو علمِ لدنی کی توفیق حضرت خضر عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورتِ حال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ میں مقامِ اقطاب سے نہیں گزر گیا تھا۔ اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ درمیان میں آسکے۔ [2]

(۲۴۷)

میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرّہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرّہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے ماسوائے میرے۔ اگر میں چاہوں تو اِس میں تصرف کروں۔ اس بات سے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبداء و معاد مترجم، ص ۹۷

[2] 〃 〃 〃 ، ص ۹۷

بہت ہی تعجب فرماتے اور اسے بعید از فہم بتایا کرتے تھے۔ یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا چنانچہ کسی روز ایک مصیبت کو دفع کرنے کے درپے ہوا جو ایک دوست کے حق مقرر ہو چکی تھی۔ اُس وقت بڑے عجز و نیاز اور خشوع و خضوع سے التجا کی تو معلوم کہ اُس کی قضا کسی امر سے متعلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ اس صورتِ حال سے بڑی نا اُمیدی ہوئی لیکن حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی یاد آگیا۔ دوبارہ ملتجی اور متضرع ہوا اور سراپا عجز و نیاز بن گیا۔ تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتے اُس پر مطلع ہیں۔ اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اور وہ لوحِ محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ لہٰذا قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید قدس سرہٗ کا قول بھی اسی قسم دوم کے متعلق ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ کہ اُس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اُس میں تصرف و تبدیلی عقلاً اور شرعاً محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اُس قضا کی حقیقت کا علم ہی نہ ہو تو اس میں تصرف کیسے کر سکتا ہے؟ چنانچہ میں نے اُس مصیبت کو دفع فرما دیا ہے۔[1]

(۲۴۸)

حضرت مجدد صاحب نے فرمایا کہ ہم نے لوحِ محفوظ میں دیکھا تو اس میں یہ (شقاوت)

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۱۷

قضائے مبرم تھی، جس کا بدلنا ممکن نہیں ہے۔ جب معزز صاحبزادوں نے دُعا کی پُرزور التجا کی تو حضرت مجدّد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا ارشادِ گرامی یاد آگیا کہ میری دعا سے قضائے مبرم بھی بدل جاتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر میں بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہُوا کہ اے اللہ! میں تیری ذات سے پُرامید ہوں اور تیرا فضل کسی پر محدود نہیں ہے۔ میں تیرے فضلِ عمیم سے سوال کرتا ہوں کہ مُلّا طاہر کی پیشانی سے شقاوت کا لفظ مٹانے سے متعلقہ میری دعا قبول فرما۔ چنانچہ شقی کا لفظ مٹ گیا اور اُس کی جگہ سعید لکھا گیا جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی مُشکل نہیں ہے۔ [1]

(۲۴۹)

رسالہ ہذا کی تحریر کے بعد یوں معلوم ہوا کہ حضرت خاتم الرُسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے مشائخ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور یہ رسالہ دستِ مبارک میں پکڑا ہُوا ہے اور کمال لطف و کرم سے اُسے بوسہ دے کر مشائخ کو دکھا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس طرح کے عقائد رکھنے چاہئیں۔ مشائخ کی وہ جماعت جو اس رسالے کے علوم سے سعادت مند تھی، وہ بہت نورانی، ممتاز اور نادر الوجود تھی . . . . . اُسی مجلس میں اس واقعہ کی اشاعت کا بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس احقر کو حکم دیا۔ [2]

(۲۵۰)

احوالِ سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضرت پیغمبرِ خدا علیہ وعلیٰ آلہٖ

---

[1] ثناء اللہ پانی پتی، مفسر: تفسیر مظہری، جلد پنجم، ص ۲۰۰

[2] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۴

الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں اِس فقیر سے فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدین سے ہے۔ اُس وقت سے مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اِس فقیر کی رائے خاص اور علم مخصوص ہے۔ اشاعرہ و ماتریدیہ کے اکثر اختلافی مسائل سے جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ابتدائی طور پہ حقیقت اشاعرہ کی جانب نظر آتی ہے لیکن جب نورِ فراست اور باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔ علم کلام کے اختلافی مسائل میں اِس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔ [۱]

❖

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مبدأ و معاد مترجم مطبوعہ کراچی، ص ۵۴، ۵۵ ❖

شیخ مجدد کا نعرۂ حق

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغل بادشاہ جلال الدین اکبر اور جہانگیر کا زمانہ پایا۔ اکبر اپنے آخری دور میں بڑی حد تک اسلام سے منحرف ہو گیا تھا اور دین الٰہی کے نام سے ایک نیا دین جاری کر دیا تھا۔ بادشاہ کے لیے سجدہ کرنا شاہی آداب میں شمار ہوتا تھا اور بعض علماء نے بھی اس فعل کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اپنے باپ کی ساری غیر اسلامی حرکتیں جہانگیر کو ورثے میں ملی تھیں جبکہ بعض دنیا دار علماء اور صوفیا بھی ان خلافِ شرع حرکات میں حکومتِ وقت کی معاونت کر رہے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خلافِ شرع سجدے نیز گمراہی کے ان ارکانِ ثلاثہ کی بعض غیر اسلامی حرکتوں کے خلاف یہ کہتے ہوئے آواز بلند کی ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

"اے بھائی! سجدہ جو زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے یہ نہایت درجہ اپنی ذلت و انکساری کے اظہار پر دلالت کرتا ہے اور انتہائی عاجزی و تواضع پر مشتمل ہے لہٰذا ایسی تواضع اللہ جل سلطانہ، کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں"[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی ، مکتوبات امام ربانی ، دفتر دوم ، مکتوب ۹۲

(۲۵۲)

اگرچہ بعض فقہا نے بادشاہوں کے لیے تعظیمی سجدہ جائز قرار دیا ہے لیکن خود سلاطین عظام کے شایانِ شان یہی ہے کہ اس بارے میں وہ بھی خدا کے حضور تواضع پیش کریں۔ اور اس درجہ ذلت و انکساری کے اظہار (سجدہ) کو کسی دوسرے کے لیے جائز نہ ٹھہرائیں۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو ان کا تابع فرمان کیا اور ان کا محتاج بنایا ہے تو اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس قسم کے ادب کو جو اللہ کے حضور انتہائی عاجزی و انکساری کا مظہر ہے (سجدہ) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہ رکھیں اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہا کی ایک جماعت نے اسے جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کی حسنِ تواضع یہ ہونی چاہیے کہ اس کو اپنے لیے جائز نہ سمجھیں[1]

(۲۵۳)

معتمد حضرات سے منقول ہے کہ آپ (شیخ نظام الدین تھانیسری) کے بعض خلفاء کے مریدان کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور صرف زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے، اس فعل کی برائی سورج سے زیادہ واضح ہے انھیں منع فرمائیے اور سختی سے منع فرمائیے۔ ایسے افعال سے ہر کسی کو پرہیز کرنا چاہیے لیکن ان حضرات کے لیے پرہیز کرنا اور زیادہ ضروری ہے جو خلقِ خدا کے مقتداء ہیں۔ کیونکہ معتقدین ان کے اعمال کی پیروی کر کے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے[2]

(۲۵۴)

آپ (ملا حسن کشمیری) نے لکھا ہے کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۲

[2] 〃 〃 〃 دفتر اوّل، مکتوب ۲۹

عالم الغیب نہیں ہے۔ فقیر ایسی باتوں کے سننے کی قطعاً تاب نہیں رکھتا اور بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہہ کی فرصت بھی نہیں دیتی ایسی باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا اکبر شامی، یہاں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا ہمیں نص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحاتِ مدینہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے خود کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی ہے اور اپنے لیے عالم الغیب فرمایا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے بلکہ حقیقت میں حق سبحانہ کی تکذیب ہے غیب کا کوئی اور معنی بتانا بھی اس برائی سے نہیں بچاتا كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کاش میں جانتا کہ انھیں شریعتِ مطہرہ کے اس درجہ صریح خلاف بات کہنے پر کیا چیز ابھار رہی ہے [1]

(۲۵۵)

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکرِ پاک اگرچہ شرائطِ خطبہ سے نہیں لیکن شعائر اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم سے ضرور ہے ان کے مبارک ذکر کو دانستہ یا سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب یا عناد سے ایسا نہیں کیا تو بھی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی وعید کا جواب کیا ہوگا؟ مقامِ تہمت سے خلاصی کس طرح ملے گی جبکہ فرمانِ رسالت ہے: اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ (تہمت کی جگہوں سے بچو) اگر حضرات شیخین کی تقدیم و تفضیل میں یہ شخص توقف کرتا ہے تو طریق اہل سنت کا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۰۰

تارک ہے اور حضرات ختنین (حضرت عثمان وعلی) کی محبت میں شک رکھتا ہے تو بھی اہل حق سے خارج اور دُور ہے ...... معلوم نہیں کہ ایسا بدبودار پھول ہندوستان میں آج تک کہیں کھلا ہو۔ بعید نہیں کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو بدنام کر دے بلکہ سرزمین ہند سے اعتماد اُٹھ جائے [1]

(۲۵۶)

ایسے واقعات رونما ہونے کے باوجود غفلت برتنا بدعقیدہ لوگوں کو دلیر کرنا اور دین میں رخنہ انداز ہونے کا مترادف ہے اور یہ بات بھی سہل پسندی میں شمار ہوتی ہے۔ ادھر مہدی کی جماعت کھلے بندوں اہل حق کو اپنے باطل خیالات کی دعوت دیتی ہے اور وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ریوڑ سے ایک دو افراد کو بھیڑیا بن کر اچک لے جاتے ہیں۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب یہ وحشت انگیز خبر سننے میں آئی تو اس نے شورش پیدا کی اور میری فاروقی رگ کو حرکت دی [2]

(۲۵۷)

فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے تو یہ اس معاملے کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے کے باعث لکھا اور بعض معارف جو توحید وجودی کے بارے میں لکھے وہ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ عدم اطلاع کے باعث لکھے گئے۔ جب معاملے کی اصلی حقیقت سے فقیر کو مطلع فرمایا گیا تو جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا تھا اس سے نادم ہوا اور توبہ کی [3]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۱۵

[2] ایضاً

[3] ایضاً دفتر اوّل، مکتوب ۲۶۰

(۲۵۸)

اس جگہ کوئی غلطی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت سے بے نیازی ہوجاتی ہے ۔ اور پیروی احکامِ شرعیہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ معاملے کی اصل و بنیاد شریعت ہے پس درخت خواہ کتنا ہی بلند و بالا ہوجائے اور دیوار خواہ کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہوجائے لیکن وہ بنیاد سے مستغنی نہیں ہو سکتی اور اس کی احتیاج سے بے نیازی حاصل نہیں ہوتی ۔ مثال کے طور پر قصرِ عالیشان خواہ کتنی ہی رفعت پیدا کرلے اور پستی سے بہت دور نکل جائے لیکن مکان کے نیچے والے حصے سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتا اور پستی کی احتیاج اس سے زائل نہیں ہوتی ۔ اگر بالفرض نیچے والے حصے میں کوئی خلل واقع ہوجائے تو خرابی بلندی والے حصے پر بھی اثر انداز ہوگی اور نچلے حصے کا زوال اوپر والے حصے کے زوال کا سبب بنے گا ۔ پس شریعت کی ہر وقت اور ہر حال میں ضرورت ہے اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں [1]

(۲۵۹)

یہ کیسی نعمت ہے کہ محبوں اور مخلصوں کی توجہ سننِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی جانب ہوجائے اور وہ منکرہ اور ناپسندیدہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مٹانے پر کمربستہ ہوجائیں ۔ سنت و بدعت ایک دوسری کی ضد ہیں اور ایک کا وجود دوسری کی نفی کو مستلزم ہے ۔ پس ایک کو زندہ کرنا دوسری کو مارنے کا مستلزم ہے یعنی سنت کا زندہ کرنا ، بدعت کو مٹانا اور اسی طرح برعکس [2]

---

[1] احمد سرہندی ، مجدد الف ثانی ، مکتوبات امام ربانی ، دفتر دوم ، مکتوب ۵۰

[2] " " " دفتر اول ، مکتوب ۲۵۵

(٢٦٠)

تمام سنتیں حق تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں اور ان کی ضد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج بدعتوں کے پھیل جانے کے باعث یہ بات اکثر لوگوں پر گراں گزرے گی لیکن کل بروز قیامت معلوم ہو جائے گا کہ راہ ہدایت پر ہم ہیں یا وہ [1]

(٢٦١)

بعض نیم ملاؤں نے طمع کے ہاتھوں مجبور ہو کر جو ان کی باطنی خباثت کے سبب سے ہے۔ امراء و سلاطین کا تقرب حاصل کر لیا ہے اور انھوں نے جو حضور یہ بن کر دین متین میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے ہیں اور اس طرح وہ سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں [2]

(٢٦٢)

جس طرح لوگوں کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح ان کی بربادی کا سبب بھی یہی علماء ہیں۔ علماء بہترین مخلوق بھی ہیں اور بدترین مخلوق بھی۔ لوگوں کا ہدایت یا گمراہی کی طرف گامزن ہونا بھی علماء کے وجود سے وابستہ ہے۔ کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو اضلال و تضلیل کے کام سے فارغ بیٹھے ہوئے دیکھا تو فراغت کا راز معلوم کرنا چاہا۔ ابلیس نے جواب دیا کہ میری جگہ اس وقت کے علماء کام کر رہے ہیں۔ پس گمراہ کرنے کے لیے وہ کافی ہیں [3]

(٢٦٣)

زمانہ ماضی (اکبری دور) میں اسلام کے سر پر جو بھی آفت و مصیبت نازل ہوئی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی : مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ٢٥٥

[2] 〃 〃 〃 دفتر دوم، مکتوب ٦٧

[3] 〃 〃 〃 دفتر اول، مکتوب ٥٢

وہ علمائے سوء کی بدبختی کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو راہِ راست سے بھٹکانے والے یہی علمائے سوء ہیں۔ بہتر فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں ان کے موجد و مقتداء یہی علماء ہیں۔ علماء کے سوا دیگر افراد کی گمراہی دوسروں پر اس درجہ اثر انداز نہیں ہوتی۔[1]

(۲۶۴)

علمائے سوء پارس پتھر کی طرح ہیں جو لوہے اور تانبے کے ساتھ لگنے سے انھیں تو سونا بنا دیتا ہے لیکن خود پتھر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اس آگ کا معاملہ ہے جو بانسوں اور پتھروں میں پوشیدہ ہوتی ہے کہ اہلِ جہان اس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں لیکن اپنی ہی آگ سے پتھر اور بانس کوئی نفع حاصل نہیں کرتے ہیں کہتا ہوں کہ ایسے حضرات کا علم الٹا ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگا کیونکہ علم نے ان پر حجت تمام کر دی۔ فرمانِ رسالت ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اسے نفع نہ دیا۔ ان کا علم کیوں ان کے لیے مضر نہ ہو۔ جبکہ علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت ہے اور موجودات میں اشرف، لیکن انھوں نے علم کو کمینی دنیا کمانے نیز مال و زر اور سرداری حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے، حالانکہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و خوار اور ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والی ہے اسے ذلیل کرنا اور جو اس کے نزدیک ذلیل ہے اس کی عزت کرنا کس درجہ دلیدہ دلیری کی بات اور قبیح ہے۔ حقیقت میں حق تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ درس و تدریس اور فتویٰ نویسی وغیرہ اسی وقت سود مند ہیں جب یہ صرف رضائے الٰہی کے لیے انجام دیئے جائیں اور جاہ و منصب، حصولِ زر اور

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۷

ترقی درجات وغیرہ کی خواہشات سے پاک ہوں۔ دنیاوی چیزوں میں زہد اختیار کرنا اور دنیا و مافیہا سے رغبت نہ رکھنا اس کی علامت ہے۔ جو علماء اس مصیبت میں مبتلا اور کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ دنیادار علماء ہیں اور یہ علمائے سوء سب لوگوں سے بُرے اور دین کے چور ہیں یہ الگ بات ہے کہ بپیشِ خویش وہ دینی مقتدا اور بہترین مخلوق بنتے پھریں لے

(۲۶۵)

سچی بات تو یہ ہے کہ اس زمانے میں امور شرعیہ کے اندر جو سستی اور مداہنت واقع ہوئی اور دین و ملت کی ترویج و اشاعت میں جتنا فساد برپا ہوا، اس کا باعث علمائے سوء کی بدبختی ہے اور یہ سب کچھ ان کی نیتوں کے فساد کی وجہ سے ہوا ہاں جو علماء دنیا سے منہ پھیرے ہوئے ہیں یعنی جاہ و منصب اور مال و زر کی محبت سے آزاد ہیں۔ وہی حضرات علمائے آخرت اور انبیائے کرام عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ کے وارث ہیں۔ یہی حضرات بہترین مخلوق ہیں۔ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی کو شہید ہونے والوں کے خون سے وزن کیا جائے گا تو ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہوگا۔ یہ فرمانِ رسالت ان کی شان میں ہی وارد ہوا ہے کہ علماء کا سونا بھی عبادت ہے۔ یہی تو وہ علماء ہیں جنھیں آخرت کا حسن و جمال پسند آیا اور دنیا کی قباحت اور برائی کا انھیں مشاہدہ ہو چکا ہے۔ انھوں نے آخرت کو بقا کی نظر سے دیکھا ہے اور دنیا کو فنا اور زوال کے داغ سے داغدار پایا ہے اسی لیے انھوں نے اپنی ذات کو باقی رہنے والی آخرت کے سپرد کر دیا ہے اور فنا ہونے والی دنیا سے کنارا کش ہو گئے ہیں۔ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ خدائے لم یزل ولایزال کے مشاہدے کا ثمرہ ہے۔

لے احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۳۳

اور دنیا و مافیہا کو ذلیل و خوار جاننا مشاہدہ آخرت کے لوازمات میں سے ہے [۱]

(۲۶۶)

آپ (سید مرتضیٰ بخاری گورنر لاہور) کو معلوم ہے کہ پچھلے زمانے (اکبری دور) میں جو فساد برپا ہوا تھا وہ علماء ہی کی بدبختی سے ظہور میں آیا تھا۔ امید ہے کہ اس حقیقت کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے دین دار علماء کے انتخاب کی سعی فرمائیں گے۔ کیونکہ علماء سوء دین کے چور ہیں۔ ان کی منزلِ مقصود یہی ہے کہ مخلوق کی بارگاہوں میں جاہ و منصب اور بڑائی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ہاں ان میں سے جو بہتر ہیں وہ بہترین مخلوق ہیں۔ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے شہیدوں کے خون سے تولا جائے گا تو ان کی سیاہی کا پلڑا بھاری رہے گا [۲]

(۲۶۷)

اکثر خام صوفی اور بے سر و سامان ملحد اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعتِ مطہرہ کی اطاعت سے باہر نکال لیں اور شرعی احکام کو عوام الناس ہی کے ساتھ مخصوص رکھیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلف ہیں جیسا کہ وہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف قرار نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ بجالانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں [۳]

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۲

[۲] 〃 〃 〃 〃 مکتوب ۱۹۴

[۳] 〃 〃 〃 〃 ۲۷۶

(۲۶۸)

اس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا گیا اور اس کے مخصوص فوائد سے بے خبر ہیں۔ انھوں نے اپنے مرض کا علاج دوسری چیزوں سے کیا اور مقصود کا حصول دیگر امور سے وابستہ جانا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے تو نماز کو بے کار اور غیر متعلق چیز سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی ہے اور روزے کو نماز سے افضل جانتے ہیں۔[1]

(۲۶۹)

کم عقل اور خام صوفیوں نے اس عبارت کا غلط معنی سمجھ کر خوبصورت شکلوں میں گرفتار ہوئے اور ان کے ناز نخروں پر فریفتہ ہوئے ہیں۔ انھیں وصولِ حقیقت کا وسیلہ بناتے اور حصولِ مطلوب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار یہ تو مطلوب کے لیے رکاوٹ اور زبردست پردہ ہے۔ وہ ایک باطل نظریہ ہے جو ان کی نگاہوں کے سامنے مزین ہو کر آیا ہوا ہے اور وہ حقیقت سے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض صوفیا نے ان صورتوں کے حسنِ جمال کو اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال سمجھ رکھا ہے اور انکی جانب مائل ہونے کو خدا کی جانب مائل ہونا اور ان کے مشاہدے کو خدا کا مشاہدہ جانتے ہیں...... اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہے۔ معلوم نہیں ان بے وقوفوں نے کس کو اللہ تعالیٰ سمجھ رکھا ہے۔[2]

(۲۷۰)

آیات و احادیث اور فقہی روایات غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ انکا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۱

[2] ” ” ” دفتر سوم، مکتوب ۶۶

شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی منسوخ حدیث یا شاذ روایت کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی بھی فقیہ نے کسی بھی زمانے میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے ..... اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر اسے اپنا دین و مذہب بنالیا ہے اور اس کو عبادت سمجھتے ہیں ......

روایتِ سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی حرام فعل کو جائز اور مستحسن جانے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ دریں حالات جائے غور ہے کہ مجلسِ سماع و رقص کی تعظیم کرنا بلکہ اسے طاعت و عبادت سمجھنا کتنا بُرا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہمارے مشائخ اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو ایسے امور کی تقلید سے دور رکھا[1]

(۲۷۱)

اس زمانے کے اکثر فقراء آسودہ حال اور کفایت کے میدان میں مقیم ہو چکے ہیں۔ ان کی صحبت و مجالست زہرِ قاتل ہے ان سے اس طرح بھاگنا چاہیے جیسے شیر سے بھاگتے ہیں[2]

(۲۷۲)

رسوماتِ شرک کی تعظیم اور کفریہ مراسم کے احترام کو مشرک ہونے میں بڑا دخل ہے۔ دو دینوں کو سچا جاننے والا بھی مشرک ہے اور اسلام و کفر کے احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک۔ کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۱۲۲

آمیزش سے بیزاری توحید کا تقاضا ہے۔ بیماری اور مصیبتوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا جو جاہل مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور گھڑے ہوئے یا بغیر گھڑے ہوئے پتھروں سے مدد مانگنا نفسِ کفر ہے اور واجب الوجود تبارک تعالیٰ کا انکار ہے ...... اکثر عورتیں اپنی کمالِ جہالت کے باعث اس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّیٰ اسماء سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور مشرکوں کی شرکیہ رسومات کے ادا کرنے میں مبتلا ہیں۔ خاص طور پر ان کی یہ عادت ہے چیچک کی بیماری پھیلنے کے وقت دیکھی جاتی ہے جسے ہندی زبان میں سیتلا کہتے ہیں۔ کوئی عورت ہی ایسی ہو گی جو اس باریک شرک سے خالی ہو اور شرکیہ استمداد کی رسومات میں سے کسی رسم کی مرتکب نہ ہو۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ بچائے اور ہنود کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا، ان دنوں میں ہنود کی متعارف رسومات کا ادا کرنا شرک کو مستلزم اور کفر کا مستوجب ہے جیسا کہ کفار کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان اور خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں ادا کرتی ہیں اور انھیں اپنی عید کی طرح مناتی ہیں اور کافروں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور کافروں کی طرح ان دنوں میں اپنے برتنوں کو رنگتے ہیں اور انھیں سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہیں اور ان مخصوص ایام میں ان باتوں کا خاص اہتمام کرتے ہیں یہ سب کچھ شرک اور دینِ اسلام کا انکار ہے[1]

(۲۷۳)

قبل ازیں کفار غلبہ اور طاقت کے باعث اس دارالاسلام میں کفریہ احکام جاری کرتے رہے ہیں اور مسلمان اسلامی احکام کے ظاہر کرنے سے مجبور اور عاجز تھے۔

---

[1] احمد سرہندی، مجددالف ثانی: مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۱

اگر مسلمان ایسا کرنے کی جراءت کرتے تو قتل کر دیئے جاتے تھے ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت! ہائے رنج وغم! رب العالمین کے محبوب یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ذلیل وخوار کیے گئے اور آپ کے منکروں کی تعظیم وتکریم کی گئی۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ مصروفِ الم تھے اور مخالفین و معاندین تمسخر واستہزاء کے ذریعے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے حجابوں میں روپوش تھا۔[1]

(۲۷۴)

غربتِ اسلام اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھل کر اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے پھر رہے ہیں اور بے دھڑک احکامِ کفر کا اجراء اور کوچہ وبازار میں کفار کی مدح وثنا کرتے پھر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اسلامی احکام جاری کرنے سے روک دیا گیا ہے اور احکامِ شرع بجالانے پر ان کی مذمت کی جاتی ہے اور ان پر طعن وتشنیع کی بوچھاڑ ہوتی ہے گویا پری تو منہ چھپائے اور دیو ناز نخرے دکھائے۔ تعجب سے عقل جلتی ہے کہ یہ کیا طرفہ تماشا ہے سبحان اللہ وبحمدہ۔ مقولہ ہے کہ شرع تلوار کے نیچے ہے۔ شریعت مطہرہ کی رونق شاہانِ اسلام سے وابستہ ہے۔ یہ جملہ الٹ گیا ہے۔ معاملہ برعکس ہوگیا ہے ہائے حسرت! ہائے ندامت! ہائے افسوس![2]

(۲۷۵)

اے محبت آثار! (میر نعمان بدخشی) اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ کے مطابق

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۷

[2] 〃 〃 〃 〃 مکتوب ۶۵

شریعتِ مطہرہ کا رواج سلاطین اسلام کے حسنِ اہتمام سے وابستہ ہے۔ کچھ عرصے سے اس بات میں کمزوری آگئی ہے جس کے باعث اسلام یقیناً کمزور ہو چکا ہے ہندوستان کے کافر بے دھڑک مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ تھانیسر کے کروکشیتر حوض کے اندر ایک مسجد تھی اور کسی بزرگ کا مقبرہ تھا۔ انھیں گرا کر ان کی جگہ ایک بہت بڑا مندر بنا لیا ہے۔ علاوہ بریں کفّار برملا کفریہ رسمیں ادا کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام نافذ کرنے سے عاجز ہیں۔ ایکادشی کے روز ہندو برت رکھتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ اپنے شہروں میں بھی اس روز کوئی مسلمان نہ سر بازار روٹی پکائے نہ فروخت کرے اور نہ شارعِ عام کھائے پیئے۔ لیکن رمضان المبارک کے مہینے میں ہندو برملا کھانا کھاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر کمزوری کے باعث کوئی مسلمان انھیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔[۱]

(۲۷۶)

قریباً ایک صدی سے اسلام کی غربت اور کمزوری اس درجہ کو پہنچ گئی کہ بلادِ اسلام میں کفار فقط احکام کفریہ کے جاری ہونے پر ہی رضامند نہیں ہوتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام کا نام و نشان مٹ جائے اور اسلام و مسلمین کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ ان کی جرأت و جسارت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلام کے اظہار کی جرأت کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو ہندوستان کے اندر عظیم شعائر سے ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ کفار شاید جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں۔ لیکن ذبیحہ گاؤ پر راضی ہونے کو

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۲

تیار نہیں۔ [1]

(۲۷۷)

افسوس! ہزار افسوس! بادشاہِ وقت مسلمان ہے لیکن ہم غریب اس کمزوری اور خرابی میں پڑے ہوئے ہیں۔ سلاطین کے جاہ و جلال سے اسلام کے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ علمائے کرام و صوفیائے عظام کا اعزاز و اکرام ہوتا تھا اور وہ ان حضرات کی مدد سے شرعی احکام نافذ کیا کرتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک روز صاحبِ قِران امیر تیمور گورگان رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے بازار میں سے گزر رہا تھا۔ حسنِ اتفاق کہ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی خانقاہ کے درویش اسی بازار میں خانقاہ کی چٹائیوں کو جھاڑ رہے تھے اور گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ حسنِ عقیدت کے باعث امیر تیمور اسی جگہ ٹھہر گیا اور خانقاہ کی گرد اپنے اوپر لیتا رہا۔ گویا مشک و عنبر ہے۔ مرتے وقت حسنِ خاتمہ نصیب ہوا۔ منقول ہے کہ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ امیر کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ تیمور اگرچہ مر گیا ہے لیکن ایمان ساتھ لے کر گیا ہے۔ [2]

(۲۷۸)

آپ (خانِ اعظم) پوری کوشش کریں کہ اہلِ کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں انہیں نیست و نابود کر دیا جائے اور اہلِ اسلام خلافِ شرع امور سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ [3]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۸۱

[2] 〃 〃 〃 دفتر دوم، مکتوب ۹۲

[3] 〃 〃 〃 دفتر اوّل، مکتوب ۶۵

(۲۷۹)

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مکمل متابعت آپ کے ساتھ کمالِ محبت رکھنے کی فرع ہے۔ کیونکہ محب جسے چاہتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے اور کمالِ محبت کی نشانی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ پوری طرح عداوت رکھی جائے۔ محبت میں دو غلے پن کی گنجائش نہیں ہے۔ محبِ محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے اور مخالفت کی مجال نہیں رکھتا اور محبوب کے مخالفوں سے کسی وجہ سے بھی صلح نہیں کر سکتا۔ دو متضاد محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ اجتماعِ ضدین کو محال کہا گیا ہے لہٰذا ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔[1]

(۲۸۰)

کفار جو کہ اللہ عزوجل کے اور اس کے رسول علیہ و آلہ الصلوٰت والتسلیمات کے دشمن ہیں ان سے دشمنی رکھنی چاہیے اور ان کو ذلیل و خوار رکھنے میں کوشاں رہنا چاہیے اور کسی بھی وجہ سے انھیں عزت کا مقام نہیں دینا چاہیے اور ان بدنصیبوں کو اپنی مجلس میں نہیں بلانا چاہیے اور ان سے انس نہ رکھا جائے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو ان کی جانب کسی کام میں رجوع نہ کیا جائے اور اگر ایسی ضرورت پڑ جائے کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو تو قضائے حاجت کی طرح نفرت اور شدید مجبوری کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کر لی جائے۔[2]

(۲۸۱)

آپ جب تک اس دنیا میں رہیں فقراء کی محبت پہ زندہ رہیں اور جب اس

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۶۵

[2] ایضاً

دنیا سے رحلت سفر باندھیں تو فقراء کی محبت کا سایہ لے کر جائیں جب قبر سے اٹھیں تو ان کی محبت لے کر اٹھیں۔ اس وجودِ پاک کی حرمت سے جس نے فقر پر فخر کیا اور اسے دولت مندی پر ترجیح دے کر اختیار فرمایا۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات اتمہا واکملہا [1]

(۲۸۲)

دنیا بظاہر شیریں ہے اور صورت میں تازگی رکھتی ہے لیکن حقیقت میں زہرِ قاتل ہے۔ اس کا فائدہ باطل اور اس میں گرفتار ہونا بیکار ہے اس کا مقبول ذلیل و خوار ہے اور اس پر فدا ہونے والا پاگل ہے۔ اس کا حکم سونے میں لپٹی نجاست جیسا ہے اور یہ شکر ملے ہوئے زہر کی مثل ہے۔ عقل مند وہ ہے جو ایسی بے کار دولت پر فریفتہ نہ ہو اور ایسے خراب سامان کی محبت میں گرفتار نہ ہو [2]

(۲۸۳)

کمینی دنیا اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعونہ و مبغوضہ ہے کہ دنیا کا حصول نفسانی خواہشات کے حصول کا مددومعاون ہے پس جو دشمن کی مدد کرے وہ ضرور لعنت کا مستحق ہے اسی لیے تو فقر فخرِ محمدی ہوا۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت کا مقصد نفس کو عاجز کرنا ہے اور تکلیفاتِ شرعیہ میں یہ حکم ہے کہ نفس امارہ عاجز اور خراب ہوتا ہے۔ شرائع نفسانی خواہشات کو مٹانے کی غرض سے وارد ہوئی ہیں۔ جس قدر شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اسی قدر نفسانی خواہشات

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۱۰

[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۵۰

زوال پذیر رہیں گی۔[1]

(۲۸۴)

دنیا دار علماء جن کی بھاگ دوڑ کمینی دنیا کی دولت کے لیے ہے ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کی یہ بیماری متعدی بیماری ہے۔[2]

(۲۸۵)

محبت دنیا اور اس کی جانب رغبت رکھنا علماء کے چہرۂ جمال کا بدنما داغ ہے۔ مخلوق کو اگرچہ ایسے علماء بھی فائدے پہنچاتے ہیں لیکن ایسے علماء کا علم خود ان کے لیے نفع مند نہیں ہوتا۔ علماءِ سوء پارس کی طرح ہیں کہ اس کے ساتھ لگنے سے لوہا اور تانبا تو سونا بن جاتے ہیں لیکن وہ خود پتھر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہوتی ہے، لوگ اس آگ سے مستفید ہوتے ہیں لیکن پتھر اور بانس اپنی اندرونی آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر پاتے بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ علم ان کے حق میں نقصان دہ ہے کہ اس علم نے ان پر حجت تمام کر دی۔[3]

(۲۸۶)

سرورِ دین و دنیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث سادات کثیر البرکات ہیں اور ان حضرات کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے کہ یہ قاصر بیان ان کی تعریف و توصیف کر سکے۔ ہاں انھیں اپنی سعادت کا ذریعہ جانتے ہوئے اس بارے میں لب کشائی کی جراءت کرتا بلکہ ان کے وسیلے سے خود کو قابلِ تعریف بنا لیکی

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۵۲

[2] 〃 〃 〃 〃 مکتوب ۴۷

[3] 〃 〃 〃 〃 مکتوب ۳۳

غرض سے ان سے دوستی کا اظہار کرتا ہے جس پر فقیر مامور ہے[1]

(۲۸۷)

اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ مند تھے، اکثر اوقات محبت اہل بیت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے۔ لہٰذا اس کو پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان کے مرضِ موت میں یہ فقیر حاضر تھا جب وہ آخری وقت کے نزدیک پہنچے اور اس دارِ فانی کا شعور و احساس گھٹنے لگا تو اس فقیر نے انھیں ان کے وہ ارشادات یاد دلائے اور محبت اہلِ بیت کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بے خودی کے عالم میں فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ میں اہلِ بیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت یہ فقیر اللہ عزوجل کا شکر بجالایا۔ اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت و جماعت کا سرمایہ ہے جبکہ مخالفین اہلِ سنت اس حقیقت سے بے خبر ہیں[2]

(۲۸۸)

رسالہ مبداء و معاد میں اولوالعزم پیغمبروں صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہٗ علیہم کی افضلیت کے بارے میں چند فقرے لکھے ہیں کہ ان کے بعض کو بعض پر افضلیت ہے۔ چونکہ اس تحریر کی بنیاد کشف و الہام پر ہے جو ظنی ہے لہٰذا مقامِ فضیلت میں ایسا لکھنے اور فرق کرنے پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں کیونکہ اس باب میں دلیل قطعی کے بغیر زبان کھولنا جائز نہیں ہے[3]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۵۶

[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۲۰۹

[3] 〃 〃 〃 مکتوب ۲۶۰

شمار کرتا ہوں، خصوصاً اس اختلاف کے دنوں میں عجیب وغریب کاروبار ہے اور مفارقت کے اوقات میں عجیب ناز برداری ہے۔ لیکن جو تازہ و عجیب دولت ہر روز پہنچتی ہے وہ فرزندوں سے دوری کی کھٹک اور عدم ملاقات کے باعث اضطرابِ جگر ہے۔[1]

(۲۹۲)

لوگ ہر وقت ہماری تکلیف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس تنگی سے رہائی چاہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ نامرادی و بے اختیاری و ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے اور اس کے برابر کون سی نعمت ہے کہ آدمی کو اس کے اختیار سے بے اختیار کر دیا جائے اور اپنے اختیار سے اسے زندگی بخشیں اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کر دیا جائے اور دائرہ اختیار سے اسے باہر کر کے ایسا کر دیں جیسے میت غسال کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔[2]

(۲۹۳)

اگر اجمیر پہنچ گیا تو تمھیں بلالوں گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اطمینان سے رہیں اور اپنی تمام تر توجہ کو مولیٰ جلّ شانہٗ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف کریں۔ ایسا نہ ہو کہ فارغ ہو بیٹھیں اور نفس کو خوش کرنے لگیں اور اہل وعیال سے پوری محبت پیدا کر لیں اور اہم معاملے کو درہم برہم کر چھوڑیں۔ اگر ایسا کیا تو سوائے محرومی اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور کوئی نفع نہ ہوگا۔ اس صحبت اور اس دولت کو غنیمت جانیں اور اہم معاملے میں گزاریں، خبر شرط ہے۔

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۸،

[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۸۲

نئے معارف جو تمھارے لیے لکھ کر بھیجے ہیں وہ تمھارے لیے ایک کے بعد دوسرا اسبق ہیں انھیں سرسری طور پر نہ پڑھیں بلکہ محنت سے ان کا مطالعہ کریں۔ شاید ان رازوں کی جانب سے کھڑکی کھل جائے اور سرمایۂ سعادت حاصل ہو جائے۔ تمھارے بارے میں مجھے بشارت دی گئی ہے جو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کی کہ تمھیں پہنچا دی جائے۔ امید ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تمھیں ضائع نہ کرے گا بلکہ قبول فرمائے گا لیکن ترساں و لرزاں رہیں اور لہو ولعب سے واسطہ نہ رکھیں اور بارگاہ خداوندی میں ملتجی اور متضرع رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری کوئی دوسرا اثر پیدا کر دے۔

اہل حقوق سے ضرورت کے مطابق اختلاط رکھیں اور ان کی خاطر داری کریں اور مستورات کی جماعت کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے عمر گزاریں اور ان کے حق میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے دریغ نہ کریں اور جملہ اہل خانہ کو نماز پڑھنے، اپنی اپنی اصلاح اور شرعی احکام کی تعمیل کرنے کی ترغیب دیتے رہیں کیونکہ تم اپنی رعیت کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمھیں علم مرحمت فرمایا ہے اس کے موافق عمل بھی کرامت فرمائے اور اس پر استقامت بخشے۔[1]

(۲۹۴)

خوشی و تنگی، آسانی و غمی، نعمت و نقمت، رحمت و زحمت، سختی و نرمی اور عطاء و بلا غرضیکہ ہر حالت میں سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور صلوٰۃ و سلام ہو اس آقا پر جس کے برابر کسی نبی کو اذیت نہیں پہنچائی گئی اور جس کے برابر کسی رسول کی آزمائش نہیں کی گئی۔ اسی لیے وہ تمام جہانوں کی رحمت ہوئے اور

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۸۵

اگلے پچھلوں کے سردار ٹھہرے۔

فرزندانِ گرامی: مصیبت کا وقت اگرچہ تلخ اور بے مزہ ہے لیکن فرصت اگر دیں تو غنیمت ہے ان دنوں جس طرح فرصت بھی بخشی ہے اس پر خدا کا شکر ادا کرو اپنے کام کی جانب متوجہ رہو اور اپنے لیے ایک لمحہ یا لحظہ بھی فرصت کا تجویز نہ کرو۔ ان تین کاموں میں سے کسی ایک کام میں مشغول رہو۔ (۱) تلاوت قرآنِ مجید (۲) لمبی قرأت کے ساتھ نماز ادا کرنا (۳) کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تکرار۔ کلمہ لَآ سے اپنی نفسانی خواہشات کی نفی کریں نیز اپنے مقاصد اور مرادوں کو دفع کر دیں۔ کیونکہ اپنی مراد طلب کرنا گویا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ میدان سینہ میں کسی مراد کی گنجائش نہ رہے اور تخیلات میں بھی کوئی ہوس نہ رہے تاکہ بندگی کی حقیقت ثابت ہو جائے۔ اپنی مراد چاہنے کا نتیجہ اپنے مولیٰ کی مراد کو دفع کرنا ہے۔ اور اپنے مالک سے معارضہ کرنا ہے اس معنی کی نفی کی جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک تمام خواہشات سے پاک نہ ہو جائے اور مرادِ مولیٰ کے ساتھ کوئی اور مراد نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ یہ دولت مصیبت کے ایام اور آزمائش کے دنوں میں آسانی سے میسر ہو جاتی ہے جبکہ دوسرے دنوں میں خواہشات سدِ سکندری بن جاتی ہیں۔ گوشے میں تنہا بیٹھ کر مشغول رہیں کیونکہ فرصت غنیمت ہے۔ فتنوں کے اوقات میں تھوڑے عمل کو بھی زیادہ کی طرح قبول فرماتے ہیں جبکہ ایامِ راحت میں سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں، خیر شرط ہے خواہ ملاقات ہو یا نہ ہو لیکن نصیحت یہی ہے کہ کوئی ہوس باقی نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس معنی سے آگاہ کر دینا اور انھیں اچھی طرح سمجھا دینا۔ باقی اس دنیا کے احوال جبکہ چند روز میں گزر جانے ہیں لہٰذا انھیں کیا معرضِ بیان میں لایا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت رکھنا اور انھیں پڑھنے کی ترغیب دیتے رہنا اور اہلِ حقوق کو جہاں تک ہو سکے ہماری جانب سے راضی رکھنا اور سلامتی ایمان کی۔

دعا سے مدد و معاون رہنا ۔

دوبارہ تاکید کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے کار امور میں صرف نہ کریں اور ذکر الٰہی جل شانہ کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہوں خواہ وہ مطالعۂ کتب اور تکرار طلبہ ہی کیوں نہ ہو یہ ذکر کا وقت ہے ۔ نفسانی خواہشات جو معبودانِ باطل ہیں ، انھیں لا کے تحت لائیں تاکہ تمام منتفی ہو جائیں اور کوئی مراد یا مقصد سینے میں باقی نہ رہے ۔ یہاں تک کہ میری رہائی جو بالفعل تمھارے اہم مقاصد سے ہے ، یہ بھی تمھارا مقصود نہیں ہونا چاہیے ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ، فعل اور ارادے کے ساتھ راضی رہیں ۔

کلمہ طیبہ کی جانبِ اثبات میں (اِلاَّ اللہُ کہتے وقت) ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا جو معلومات و متخیلات سے وراء الوراء ہے ، کوئی اور نہ ہو یعنی حویلی ، سرائے ، کنواں باغ ، کتابیں اور دوسری چیزوں کا غم معمولی ہے ۔ چاہیے کہ کوئی چیز تمھارے کام (ذکر الٰہی) میں مزاحم نہ ہو اور مرضیٔ حق جل وعلا کے سوا تمھاری کوئی مرضی نہ ہو ۔ اگر ہم وفات پا جائیں تو یہ تمام چیزیں ہم سے چھن جائیں گی ۔ اگر ہماری زندگی ہی میں چھن جائیں تو فکر نہ کریں ۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں نے ان چیزوں کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے اور ہم ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے اختیار سے چھوڑ رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور امید ہے کہ اس کے خاص بندوں میں شمار ہوں گے ۔

جس جگہ بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن شمار کرو ۔ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے چاہیے کہ حق جل شانہٗ کی یاد میں بسر ہو ۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے ۔ آخرت کی جانب متوجہ رہیں اپنی والدہ کو تسلی دیں اور آخرت کی ترغیب دیتے رہیں اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو منظور ہوا تو ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائیگی ورنہ تقدیرِ الٰہی پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ ہم جنت میں اکٹھے ہو جائیں اور ملاقاتِ دنیا کی آخرت میں تلافی چاہنے کے معاملے کو

فضلِ خداوندی کے سپرد کردیں [1]

(۲۹۵)

ایام حبس میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا ہوں تو عجب لُطف اٹھاتا اور نرالا ذوق پاتا ہوں۔ ہاں آرام وراحت والے مصیبت زدگان کے ذوق کو کیا جانیں اور اس کی مصیبت کے جمال کا کیا ادراک کریں۔ بچوں کی لذت مٹھائی میں منحصر ہے اور جس نے تلخی کی لذت پائی وہ اسے ایک جو کے بدلے نہیں خریدتا۔ [2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲
[2] " " " " مکتوب ۸۳

سُلطانِ اسلام کی اہمیّت

اسلامی ملک کے سربراہ کو پورے ملک میں وہی اہمیت ہوتی ہے جو سارے جسم میں دل کو حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح دل کے فساد و اصلاح سے جسم کا فساد و اصلاح وابستہ ہے اسی طرح سربراہِ مملکت کے درست ہونے سے ملک کا درست ہونا اور اس کے خراب ہونے سے ملک کا خرابی میں پڑنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے سرمایہ ملّت کے نگہبان نے محسوس کر کے سلطان نورالدین جہانگیر کی اصلاح کے لیے جو کوششیں کیں وہ مکتوبات امام ربانی کی زینت ہیں۔ ان میں سے چند عبارتوں کا اُردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(۲۹۶)

بادشاہ کو رعایا سے وہی نسبت ہے جو دل کو باقی جسم سے ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو باقی جسم بھی صحیح ہوگا اور دل میں اگر فساد ہوگا تو سارے جسم میں فساد برپا ہو جائے گا۔ بادشاہ کی اصلاح اور خرابی سے پورے ملک کی اصلاح اور خرابی وابستہ ہے[1]

(۲۹۷)

ملک میں بادشاہ روح اور رعایا بمنزلہ جسم کے ہے۔ روح درست تو جسم درست اور روح خراب تو جسم بھی خراب ہو جائے گا۔ بادشاہ کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۴۷

رعایا کے تمام افراد کی اصلاح کرنا ہے میا صلاح اسی طرح ہوسکتی ہے کہ حسب موقع اور گنجائش نظر آئے تو اہل سنت کے عقائد اور تعلیمات اس کے گوش گزار کیے جائیں اور حسب موقع مخالفین اہل سنت کا ردّ و ابطال کیا جائے۔ اگر یہ مذکورہ دولت آپ (خانِ جہان) نے حاصل کر لی تو انبیائے کرام کی وراثت سے بہت بڑا حصہ پالیا۔ آپکو یہ دولت مفت میں مل سکتی ہے اس کی قدر کرنی چاہیے [1]

(۲۹۸)

جناب کی بزرگ ذات (سید مرتضیٰ بخاری گورنر لاہور) سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ کو کلمہ حق کہنے کی استطاعت ہے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ (جہانگیر) کا قرب بھی مرحمت فرمایا ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعتِ محمدیؐ، ان پر اوران کی آل پر افضل درودیں اور اکمل سلام ہوں، کی ترویج کے لیے سعی فرمائیں اور مسلمانوں کو اس ذلت و خواری سے نکالنے کی کوشش کریں [2]

(۲۹۹)

آج جبکہ دولت و نعمتِ اسلام کے راستے کی رکاوٹوں کے زوال کی بشارت اور بادشاہِ اسلام کے تخت نشیں ہونے کی خوش خبری ہر خاص و عام کے کانوں میں پہنچ چکی ہے تو اہلِ اسلام اپنے اوپر لازم کرلیں کہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں گے اور ترویج شریعت اور تقویتِ دولتِ اسلام کو اپنے اوپر لازم کرلیں ۔ یہ امداد و اعانت خواہ زبان سے میسر آئے یا ہاتھ سے ۔ نعمتِ اسلام کی سب سے ضروری مدد یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی وضاحت کی جائے اور کتاب و سنت و اجماع کے عقائدِ کلامیہ کا اظہار کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۴۷

[2] 〃 〃 〃 〃 〃

اور گمراہ درمیان میں آکر بادشاہ کو غلط راستے پر لے جاکر کام کو خراب نہ کر دے۔ اس قسم کی امداد و اعانت ان علمائے حق کی خاص طور پر ذمہ داری ہے جن کی دوڑ دھوپ آخرت کے لیے ہے۔ وہ علماء جن کے پیش نظر دنیاوی آرام و راحت ہے۔ ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے [1]

(۲۰۰)

انبیائے کرام، اللہ تعالیٰ کے ان پر درود و سلام ہوں وہ ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو شریعت ہی کی دعوت دی اور نجات کا دارومدار بھی شریعت کی ہی پیروی پر ہے۔ اکابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت بھی تبلیغ شرائع کے لیے ہوئی۔ پس اعلیٰ ترین نیکی یہی ہے کہ ترویج شریعت کی کوشش کی جائے کیونکہ احکامِ شرع سے ایک حکم کا جاری اور زندہ کرنا، خاص طور پر ایسے وقت میں جب اسلامی شعائر مٹائے جا رہے ہوں۔ راہِ خدا میں کروڑوں روپے خیرات کر دینا بھی اس نیکی کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس حکم کو زندہ کرنے میں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتداء ہے، جو ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیکیاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کو نصیب ہوتی ہیں جبکہ کروڑوں روپے خرچ کرنا تو غیر انبیاء کو میسر آجاتا ہے [2]

(۲۰۱)

مکرمی سیادت پناہ! آج اسلام بہت غریب ہو چکا ہے اس کی تقویت کے لیے ایک جیتل خرچ کرنا کروڑوں کے برابر درجۂ قبولیت رکھتا ہے۔ دیکھیں کون سا سر میدان سے

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۷

[2] 〃 〃 〃 مکتوب ۴۸

جو تبلیغِ دین کی دولت عظمیٰ سے مشرف ہو۔ دین ومذہب کی ترقی وتقویت کسی وقت یا کسی شخص کے ذریعے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے لیکن غربتِ اسلام کے وقت آپ جیسے اہلِ بیت کے جوانمردوں کے ہاتھوں یہ کام ہو جائے تو کیا ہی خوب ہے کیونکہ یہ دولت آپ ہی کے گھرانے کی ہے آپ سے اس کا تعلق ذاتی ہے اور دوسروں سے بالعرض۔ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت شریعتِ مطہرہ کی ترویج واشاعت کے عظیم القدر فریضہ کا ادا کرنا ہے [1]

۳۰۲

ابتدائی بادشاہت میں اگر اسلامی اقتدار کا رواج ہو گیا اور اہلِ اسلام نے کچھ طاقت حاصل کر لی تو فبہا اور عیاذاً باللہ سبحانہ، ۔ اگر معاملہ تساہل اور توقف کی نذر ہوا تو تو مسلمانوں پر بہت ہی بڑے دن آجائیں گے الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث۔ دیکھیے کون ساخوش بخت دولتِ ترویجِ اسلام سے مشرف ہوتا ہے اور کس شہباز کا ہاتھ دامنِ مراد تک پہنچتا ہے [2]

۳۰۳

اب جبکہ سلطنتوں میں خرابی آگئی اور دشمنی وفساد نے اہلِ مذہب کو بگاڑ دیا ہے تو اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے وزیروں، امیروں اور علمائے کرام پر لازم ہے کہ شریعت مطہرہ کی ترقی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور سب سے پہلے اسلام کے ان ارکان کو قائم کریں جنھیں پس پشت پھینک دیا گیا تھا۔ تاخیر کرنے میں خیریت نظر نہیں آتی کیونکہ تاخیر سے غریبوں کے دلوں میں بے قراری اور بڑھے گی جبکہ سابقہ حکومت (اکبری دور) کی ستم رانیاں

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۸۱
[2] " " " مکتوب ۱۹۵

دلوں کو تڑپا رہی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مذکورہ صورتِ حال کا تدارک نہ ہو اور اسلام کی ترویج و ترقی میں کوئی سرگرم نہ ہوا اور شاہی مقرب بھی اس ذمہ داری سے پہلوتہی کر کے دنیا کی چند روزہ زندگی سے پیار کرنے لگے تو غریب مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائے گی۔[1]

(۲۰۴)

ایک بڑی دولت جس سے حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ (خانِ جہان) کو مشرف فرمایا ہے جبکہ اکثر اس سے محروم ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس دولت کا علم ہی نہ ہو وہ دولت یہ ہے کہ بادشاہِ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے۔ وہ اہل سنت و جماعت کے زمرہ سے اور حنفی مذہب رکھتا ہے۔ یہ زمانہ قربِ قیامت کا ہے اور عہدِ نبوت سے دور سا ہے لیے چند سال ہوئے کہ بعض اہلِ علم نے نحوستِ طمع کے باعث جو باطنی خباثت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہ امرائے سلطنت کا تقرب حاصل کر کے ان کی خوشامد کرتے ہیں اور دینِ متین میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح سادہ لوح لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکا دیتے ہیں۔ جب یہ عظیم الشان بادشاہ (جہانگیر) آپ کی باتوں کو اچھی طرح سنتا اور آپ کی مانتا ہے تو یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ صراحتاً یا اشارۃً اس کے کانوں میں آپ کلمۂ حق پہنچائیں۔ اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقائد ہی کلمۂ اسلام ہیں۔ جب اور جتنا بھی آپ کو موقع ملے اہلِ حق کی باتیں آپ بادشاہ کے سامنے پیش کریں بلکہ ہمیشہ اس جستجو میں رہیں اور موقع پیدا کریں کہ دین و ملت کی بات چل نکلے تاکہ اسلام کی حقانیت کو ظاہر کیا جا سکے اور کفر و کافری کا بطلان کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے، کوئی عقل مند آدمی کو پسند نہیں کر سکتا۔ اس لیے بے دھڑک اس کا

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۹۵

بطلان کرنا چاہیے[1]

(۲۰۵)

آج وہ جنون جس کی بنیاد اسلامی غیرت پر ہوتی ہے آپ (جہانگیر کے معتمد اور سلطنت کے اہم رکن یعنی خانِ اعظم) کی سرشت میں نظر آرہا ہے الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اب وہ دن ہیں جن میں تھوڑے عمل کا ثواب عظیم اور قبولیت کی امید زیادہ ہے۔ ہجرت کے سوا اصحابِ کہف کا کوئی نمایاں عمل نہ تھا لیکن ملاحظہ ہو کہ اس عمل کا کس قدر اعتبار کیا گیا۔ سپاہی دشمنوں کے غلبہ کے وقت تھوڑا سا بھی تردد کریں تو اس کی دشمنوں کے اوقاتِ سکون کی نسبت زیادہ قدر ہوتی ہے۔ یہ قولی جہاد جو اس وقت آپ کو میسّر ہے یہ جہادِ اکبر ہے اس کو غنیمت جانیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا نعرہ لگائیں..... آپ سے التماس ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ خانوادہ (مشائخ نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنے کی برکت سے آپ کی باتوں میں اثر بھر دیا اور معاصرین پر آپ کی اسلامی عظمت کو نمایاں کیا تو اس بات کی سعی فرمائیں کہ اہلِ کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں وہ مٹ جائیں اور اہلِ اسلام خلافِ شرع امور سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس سے پہلی بادشاہی میں دینِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صریح عناد اور مخالفت نظر آتی تھی جبکہ موجودہ بادشاہی میں ظاہری طور پر وہ عناد محسوس نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو عدمِ علم کے باعث ہو گا لہٰذا اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اب بھی کہیں معاملہ بغض و عناد تک نہ پہنچ جائے[2]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[2] " " " دفتر اوّل، مکتوب ۶۵

(۲۰۶)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہ کو رسوماتِ کفر کی برائی سے آگاہ کریں اور ان کے مٹانے کی کوشش کریں، شاید بادشاہ کو ان بقایا رسومات کی برائی کا علم نہ ہو۔ اگر صورتِ حال کے لحاظ سے مناسب نظر آئے تو علمائے اسلام کی مدد حاصل کرلی جائے تاکہ وہ اہلِ کفر کی برائی ظاہر کریں۔ بہر حال شرعی مسائل کی حقیقت سے بادشاہ کو آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک اسلامی احکام کا نفاذ نہیں ہوجاتا اس کوتاہی کی ذمہ داری علماء اور بادشاہ کے مقربین پر عائد ہوتی ہے۔ کیتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کوشش میں کسی طبقے کو نقصان پہنچے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ احکام میں کون سی تکلیف برداشت نہیں کی اور کون سی اذیت تھی جو انھیں پہنچائی نہ گئی ہو۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلُ مَا اُوْذِیْتُ یعنی میرے برابر کسی نبی کو اذیت نہیں پہنچائی گئی [۱]

(۲۰۷)

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ سلطانِ وقت (نورالدین جہانگیر) اپنے آپ کو حنفی المذہب قرار دیتا اور اہلِ سنت و جماعت میں سے گردانتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری ہوتی۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے [۲]

(۲۰۸)

آپ (میر نعمان بدخشی) نے اپنے مکتوبِ محبت میں بادشاہِ وقت (جہانگیر) کی خدا ترسی اور حسنِ نشاۃ کی جانب اشارہ کیا ہے اور احکامِ شرعیہ کے التزام نیز

---

[۱] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۲
[۲] 〃 〃 〃 〃 ۲۵۱

انصاف پروری کے متعلق لکھا ہے تو یہ خبر پڑھ کر از حد مسرت ہوئی اور سرور آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا کو بادشاہِ وقت کے عدل و انصاف سے روشن فرمایا ہے شریعتِ محمدیہ کو بھی ان کے حسنِ اہتمام سے اعانت و عزت بخش دے[1]

(۲۰۹)

یہ بات سننے میں آئی ہے کہ سلطانِ اسلام (جہانگیر) نے اپنی دینی فطرت کے حسن و خوبی کے باعث، جو ان کے اندر موجود ہے، آپ (شیخ فرید بخاری گورنر لاہور) کو حکم دیا ہے کہ چار دین دار علماء مہیا کریں جو ہر وقت شاہی دربار میں حاضر رہیں اور شرعی احکام بتلاتے رہیں تاکہ کوئی خلافِ شرع امر واقع نہ ہو جائے الحمد للہ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ مسلمانوں کے لیے اس سے عمدہ اور کیا بشارت ہوگی۔ یہ فقیر چونکہ اس سلسلہ میں آپ کی جانب متوجہ ہوا ہے۔ جیسا کہ اس کا بارہا اظہار کر چکا ہوں، بقدرِ ضرورت اب بھی کہنے سننے میں کمی نہیں کروں گا۔ امید ہے کہ بارِ خاطر نہ ہوگا۔

غرض مند دیوانہ ہوتا ہے اس لیے عرض کرنا پڑتا ہے کہ دین دار علماء حقیقت میں بہت کم ہیں۔ جن کا مطمحِ نظر صرف شریعتِ مطہرہ کی ترویج و اشاعت اور ملتِ اسلامیہ کی تائید و تقویت ہو اور جاہ و منصب کی محبت جن کے دلوں سے نکل چکی ہو۔ جاہ طلب علماء میں سے ہر ایک بات بات میں اپنا الگ پہلو اختیار کرے گا، اپنی بزرگی و برتری ثابت کرنے میں کوشاں رہے گا۔ اختلاف کی آگ کو ہوا دے گا۔ اس روش کو بادشاہ کے قرب کا ذریعہ بنائے گا اور اس صورت میں تبلیغِ دین کی مہم خراب و خستہ ہو کر رہ جائے گی۔

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی: دفترِ دوم، مکتوب ۹۲

پچھلی بادشاہی (اکبری دور) میں علماء کے اختلاف ہی نے مسلمانوں کو مصیبت اور فتنہ میں مبتلا کیا تھا۔ وہی صورت اب بھی درپیش آسکتی ہے جس سے ترویج کے بجائے الٹی تخریب ہوکر رہ جائے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے بچائے اور علمائے سوء کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ اس مقصد کے لیے اگر ایک ہی عالم دین کا انتخاب کریں تو بہتر ہوگا۔ علمائے آخرت میں سے کوئی ایک بھی میسر آجائے تو بڑی خوش بختی ہوگی، کیونکہ ایسے عالم کی صحبت کبریتِ احمر ہے اگر ایسا نیک اور پرہیزگار عالم نہ مل سکے تو چھان پھٹک کے بعد ان جنس میں سے اس کا انتخاب کرلیں جو سب سے بہتر ہو کیونکہ اگر ایک چیز مکمل طور پر میسر نہ آئے تو اسے بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہیے[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۵۳

غیر مسلموں کے متعلق اسلامی نظریہ

یہ تو صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غیر مسلموں کو اپنا اور اپنے پیارے بندوں کا دشمن قرار دیا ہے اور دوسری طرف انھیں شیطان لعین کی فوج اور اس کے چیلے قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک فریق اللہ اور اللہ والوں کا ہے اور دوسرا فریق شیطان اور اس کے پیروکاروں کا۔ یہاں مسلمان کے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ وہ فریق اوّل سے دلی محبت رکھے اور فریق ثانی کی نفرت و عداوت اس کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہو کیونکہ وہ اس کے پروردگار کے دشمن ہیں، سب اللہ والوں کے دشمن ہیں بلکہ خود اس کے بھی دشمن ہیں خواہ اسے آج اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ علاوہ ازیں جب یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے دشمن ہیں تو آدمی جس فریق میں بھی شامل ہوگا وہ دوسرے فریق کا دشمن قرار پائے گا۔ سرمایۂ ملت کے عظیم الشان نگہبان حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اسلامی زاویۂ نظر کی کھل کر وضاحت فرمائی، جن میں سے چند عبارتوں کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

(۲۱۰)

آپ پوری کوشش کریں کہ اہلِ کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں انھیں نیست و نابود کر دیا جائے اور اہلِ اسلام خلافِ شرع امور سے محفوظ و مامون ہو جائیں اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۶۵

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو صاحب خلق عظیم تھے، کفار سے جہاد کرنے اور ان پر سختی فرمانے کا حکم دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ سخت رویہ بھی اختیار کرنا خلق عظیم کا ایک حصہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی ذلت و خواری میں ہے۔ جس نے کافروں کی عزت کی اس نے اسلام کو ذلیل کیا۔ عزت دینے سے یہی مراد نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان کی تعظیم کی جائے اور انھیں اونچی جگہ بٹھایا جائے بلکہ انھیں اپنی مجالس میں جگہ دینا، ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور ان سے گفتگو کرنا بھی ان کے اعزاز میں داخل ہے۔

انھیں کتوں کی طرح دور رکھنا چاہیے اگر کوئی دنیاوی غرض یا کام صرف ان سے ہی متعلق ہو اور کسی دوسرے مسلمان فرد کے ذریعے وہ کام نہ ہو سکے تو انھیں ذلیل جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت ان سے معاملہ کرنا چاہیے بلکہ اسلامی کمال تو یہ ہے کہ دنیاوی غرض کے لیے بھی ان سے مطلقاً رابطہ نہ کیا جائے اور ان سے قطعاً میل جول نہ رکھا جائے۔

البتہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم میں انھیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن قرار دیا ہے لہٰذا خدا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے میل جول اور انس و محبت رکھنا بہت بڑی خطاؤں میں سے ہے۔ ان کے دشمنوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا کم از کم ضرر یہ ہے کہ شرعی احکام جاری کرنے کی طاقت اور احکامِ کفر مٹانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے اور باہمی تعلقات کا لحاظ ان امور سے مانع ہوتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔

خدا کے دشمنوں کی دوستی ایک انسان کو خدا کا دشمن بنا دیتی ہے اور پیغمبر خدا سے دشمنی رکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ شخص یہی گمان کرے گا کہ میں مسلمان ہوں

نیز اللہ و رسول کی تصدیق کرتا اور ان پر ایمان رکھتا ہوں لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس کی اس روش اور بے ڈھنگی چال نے اسے اسلامی دولت سے یکسر محروم کر دیا ہے ۔۔۔ ان نالائقوں (کفار) کا کام ہی اسلام اور مسلمین کا مذاق اڑانا ہے اور وہ اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ موقع ملے تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا کفر کی جانب پھیر دیں۔ دریں حالات مسلمانوں کو بھی ملی غیرت کا خیال رکھنا چاہیے ۔

ہندوستان میں اہلِ کفر سے جزیہ کا موقوف ہونا ان علاقوں کے امراء و سلاطین کی نالائقی کے باعث ہوا۔ کفار سے جزیہ لینے کا اصل مقصد کافروں کو ذلیل و خوار کرنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ذلت و خواری کے لیے ہی جزیہ وضع فرمایا ہے یعنی کافروں کو ذلت اور رسوائی اور مسلمانوں کو عزت اور غلبہ حاصل ہو۔ غیر مسلم کے قتل میں اسلام کا نفع ہے ۔ اہلِ کفر سے بغض و عناد رکھنا دولتِ ایمانی سے مالامال ہونے کی علامت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں انھیں نجس اور ناپاک قرار دیا ہے ۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ کافروں کو اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے ناپاک چیزوں کو دیکھا جاتا ہے ۔ جب مسلمان انھیں اس طرح دیکھیں گے تو یقیناً ان کی صحبت سے پرہیز کریں گے اور ان کی ہم نشینی کو معیوب جانیں گے۔ ان سے مشورہ لینا، پھر اس کے مطابق عمل کرنا، دشمنانِ خدا کا انتہائی اعزاز ہے، جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔[1]

(۲۱۲)

کفر اور کافروں کو ذلیل کرنے میں اسلام و مسلمین کی عزت ہے ۔ جزیہ سے کفار کی ذلت و اہانت ہی مقصود ہے ۔ کافروں کی جس قدر عزت کی جائے اسلام کی اسی قدر ذلت ہے اس حقیقت کو خوب مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اکثر لوگوں نے اس اصول کو

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۶۳

نظرانداز کرکے اپنی بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔ حکمِ خداوندی ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی فرماؤ۔ پس کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا ضروریات دین سے ہے ۔[1]

(۳۱۳)

کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا اور یہ مردود ہندوؤں کی شکست کا باعث ہوگا۔ اس کو خواہ کسی نیت اور کسی بھی غرض کے تحت قتل کیا گیا بہرحال اس میں کفار کی ذلت و رسوائی اور اہلِ اسلام کی ترقی ہے۔ اس فقیر نے کافر مذکور کے قتل ہونے سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ بادشاہ وقت نے شرک کی کھوپڑی کو توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بڑا بُت پرست، مشرکین کا سرغنہ اور کافروں کا امام تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل و خوار کرے ۔[2]

(۳۱۴)

فقیر کی نظر میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں اس کے دشمنوں سے بیزار رہنے کے برابر کوئی عمل نہیں۔ اس بیزاری کا ہونا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو کفر اور کافروں سے عداوت ہے۔[3]

(۳۱۵)

ہر شخص کے دل میں کوئی نہ کوئی خواہش ضرور ہوتی ہے جبکہ اس فقیر کی دلی خواہش

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۹۳

[2] ایضاً

[3] ایضاً

یہ ہے کہ اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دشمنوں پر سختی کی جائے، ان کی اہانت کی جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل وخوار کیا جائے۔ فقیر کا اس بات پر کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ اور پیارا عمل اور کوئی نہیں ہے۔ بایں وجہ آپ (سید مرتضیٰ بخاری، گورنر لاہور) کو بار بار اس محبوب عمل کی ترغیب دی جارہی ہے۔ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچانا میرے نزدیک نہایت ضروری ہے۔

چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام اور وہاں کے باشندوں کی تحقیر و اہانت کے لیے آپ کا تقرر ہوا ہے لہٰذا پہلے تو اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ کتنے ہی لوگ اس جگہ کی اور وہاں کے باشندوں کی تعظیم و توقیر کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس مصیبت سے اس نے ہمیں محفوظ رکھا ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی توہین و تذلیل میں پوری طرح کوشاں رہنا چاہیے اور ان کی بربادی کے لیے ظاہر و باطن میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنی چاہیے[1]

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۹

متفرق چالیس ارشاداتِ عالیہ

قارئین کرام کی خدمت میں مکتوبات امامِ ربانی سے چالیس عبارتیں مزید پیش کی جاتی ہیں جبکہ چند عبارتیں یہاں دوبارہ آرہی ہیں لیکن ان کی افادیت کی خاطر انھیں دوبارہ پیش کرنے میں تکرار کی قباحت محسوس نہیں کی گئی۔ ہر عبارت کے بعد قوسین میں دو نمبر ہوں گے یعنی پہلے نمبر سے دفتر اور دوسرے سے مکتوب کا نمبر مراد ہوگا۔ مثلاً کسی عبارت کے آخر میں اگر (۲ : ۱۳) لکھا ہو تو اس سے مراد ہے کہ یہ عبارت دفتر دوم کے مکتوب ۱۳ کی ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

(۲۱۶)

سب سے اعلیٰ نیکی یہ ہے کہ ترویجِ شریعت کی کوشش کی جائے۔ کسی شرعی حکم کو جاری کرنا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جارہے ہوں۔ اللہ عزوجل کی راہ میں کروڑوں روپے خیرات کرنے سے بہتر ہے کیونکہ مسائلِ شرعیہ کو رواج دینا انبیائے کرام کی پیروی کرنا ہے اور وہ حضرات ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اعلیٰ نیکیوں کی توفیق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتی ہے جبکہ مال و دولت خرچ کرنے کی سعادت تو غیر انبیاء کو بھی میسر آجاتی ہے (۱ : ۴۸)

(۲۱۷)

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ اس کے بغیر نجات محال ہے دنیا کی زیبائش و آرائش کی طرف مطلقاً

توجہ نہ کرو اور اس کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو کوئی اہمیت نہ دو کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں دنیا مبغوض و مردود ہے ..... بندگانِ خدا کو چاہیے کہ دنیا کے ہونے کی نسبت نہ ہونے کو بہتر جانیں اور دنیا کی بے وفائی اور جلد فنا ہونے کی بات تو مشہود بلکہ مشاہدہ ہے۔ دنیا سے محبت رکھنے والوں کو ان لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے جو پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (۱ : ۴۷)

۲۱۸

انسانوں کو فرشتوں پر فضیلت ورع و تقویٰ کے باعث ہے اور مدارجِ عالیہ کی جانب ترقی بھی اسی کے سبب ہوتی ہے۔ پہلے جزو یعنی عبادت میں ملائکہ بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں لیکن ان میں ترقی مفقود ہے۔ پس ورع و تقویٰ کے جزو کی رعایت اسلام میں اعلیٰ مقاصد سے ہے اور دین کے نہایت ضروری امور میں داخل ہے۔ اس جزو کی رعایت جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر موقوف ہے۔ پوری طرح اسی وقت میسر آسکتی ہے جبکہ بیکار مباحات سے بھی اجتناب کیا جائے اور مباحات میں بقدرِ ضرورت پر کفایت کی جائے کیونکہ ارتکابِ مباحالات میں باگ ڈھیلی چھوڑ دینا مشتبہ امور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہات سے تجاوز کر کے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے

(۱ : ۷۶)

۲۱۹

اے برادر! آپ نے دل تنگ ہو کر فقراء کی صحبت سے کنارا کش ہو کر اغنیاء سے مجالست اختیار کر لی ہے۔ یہ آپ نے بہت برا کیا آج اگر چشمِ بصیرت بند ہے تو کل کھل جائے گی لیکن اس وقت سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، بتا دینا شرط ہے۔ (۱ : ۱۳۲)

(۳۲۰)

یاد رکھیے کہ فقراء کے آستانے کی جاروب کشی بھی اغنیاء کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج یہ بات سمجھ میں نہ آئی تو کل آجائے گی مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لقمۂ شیریں اور لباسِ فاخرہ کی طلب نے آپ کو اس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ابھی کچھ نہیں گیا اپنے مقصد کی فکر چاہیے، جو چیزیں حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب رکاوٹ بنیں ان سے بچیں اور دور بھاگیں (۱: ۱۳۲)۔

(۳۲۱)

ایام زندگی کو موہوم مقاصد میں صرف کرنا اور ان (اموال اور دنیاوی منافع) کو عمرِ رواں کا مطمحِ نظر بنا لینا بہت بُری بات ہے۔ چاہیے تو یہ کہ نقد وقت کو مفید اور ضروری کاموں میں صرف کیا جائے اور غیر نقد (آنے والے موہوم ایام) کے لیے لایعنی باتوں کو ذخیرہ بنا دینا چاہیے۔ حق سبحانہ، و تعالیٰ اپنی طلب میں اگر تھوڑی سی تکلیف بھی عطا فرمائے تو ماسوائے حق تعالیٰ کے ساتھ آرام و راحت حاصل کرنے سے نجات ملے۔ زبانی جمع خرچ فضول ہے بلکہ قلب کی سلامتی حاصل کرنی چاہیے اور اصل مقصد کی فکر میں رہتے ہوئے لایعنی امور سے پوری طرح منہ موڑ لینا چاہیے۔ (۱: ۱۳۳)

(۳۲۲)

محبت کی نشانیوں والے! وقت کاٹنے والی تلوار ہے (انسان کی زندگی کو) معلوم نہیں آنے والی کل دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو لہذا ضروری کاموں کو آج ہی کرنا چاہیے اور غیر ضروری کام کل کے لیے ملتوی کر دیئے جائیں۔ عقلِ معاد کا تقاضا یہی ہے اگرچہ عقلِ معاش اس تقاضے سے خالی ہے (۱: ۱۳۴)

(۳۲۳)

آپ کی جو یومیہ روزی مقرر ہوئی ہے اسی کو غنیمت جانتے ہوئے اصل کام کی

فکر کرنی چاہیے اسے مزید روزی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ پھر لا یحل لاتناہی سلسلے کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ جبکہ لمبی امیدیں رکھنا درویشی میں کفر کی طرح ہے۔

(۱ : ۱۳۶)

(۲۲۴)

عبادت میں لذت آنا اور اس کے ذریعے مصائب و آلام کا دور ہونا حق سبحانہ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں سے ہے۔ خصوصاً ادائے نماز میں کہ غیر منتہی کو میسر نہیں اور خاص طور پر فرض نمازوں کے ادا کرتے وقت کیونکہ ابتداء میں نفل نماز ادا کرنے میں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے جبکہ نہایت النہایہ میں پہنچنے پر لذت کی یہ نسبت اولئے فرض کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے اور وہ بندہ نوافل میں اپنے آپ کو بیکار (بمقابلہ فرض نماز) تصور کرنے لگتا ہے اور ادائے فرض ہی اس کے نزدیک کارِ عظیم قرار پاتا ہے .... جاننا چاہیے کہ نماز ادا کرتے وقت جو لذت نصیب ہوتی ہے نفس کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اس لذت کے وقت وہ آہ و زاری کر رہا ہوتا ہے .... معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں نماز کا مقام آخرت میں روبیت کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے جبکہ آخرت میں نہایت قرب دیدارِ خداوندی کے وقت ہوگا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ باقی عبادات نماز کے وسائل و ذرائع ہیں اور نماز اصل مقاصد سے ہے۔

(۱ : ۱۳۷)

(۲۲۵)

فرزندِ ارشد! کمینی اور ناپسندیدہ دنیا میں مشغول نہ ہوں اور اللہ جل شانہ کی جانب دائمی توجہ کے سرمایے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ آدمی اس بات کا خیال رکھے کہ وہ کیا فروخت کر رہا ہے اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ دینا اور مخلوق کی محبت میں پھنس کر حق سبحانہ و تعالیٰ سے کٹ جانا پاگل پن اور بے وقوفی ہے۔ دنیا اور آخرت کا

جمع ہونا اجتماع ضدّین کی طرح ہے (۱: ۱۳۸)

(۲۲۶)

اہلِ دنیا کی صحبت اور ان سے میل جول زہرِ قاتل ہے اس زہر کا کشتہ ابدی موت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے چہ جائیکہ بار بار اور صراحت کے ساتھ کہا جائے۔ بادشاہوں کے دربار کا لقمہ چرب و شیریں قلبی مرض میں اضافہ کرتا ہے۔ شیر سے بھی زیادہ ان کی صحبت سے بھاگو کیونکہ شیر صرف دنیاوی موت کا سبب بنتا ہے جس سے آخرت برباد نہیں ہوتی لیکن حکام و سلاطین سے میل جول رکھنا ابدی ہلاکت اور دائمی خسارے کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی صحبت سے بچو۔ ان کے لقموں اور ان کے دوستوں سے دور رہو اور ان کو دیکھنے سے گریز کرو۔

(۱: ۱۳۸)

(۲۲۷)

مخلوق کی جانب سے ایذا اور تکالیف کا پہنچنا عشق کی غنیمتوں سے ہے۔ اے اللہ! ہمیں گروہِ عشاق میں شامل فرما لے۔ بحرمتہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات۔ (۱: ۱۳۹)

(۲۲۸)

بے چینی میں آرام، سوز میں لطف و لذت، بے قراری میں قرار اور زخم خوردہ ہونے میں راحت ہے۔ اس مقام میں فراغت تلاش کرنا اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اپنی ذات کو پوری طرح محبوب کے سپرد کر دینا چاہیے۔ پھر اس کی جانب سے جو کچھ آئے اسے برضا و رغبت قبول کرنا چاہیے۔ زنہار پیشانی پر بل نہ آئے کہ یہی آئینِ بندگی ہے۔

(۱: ۱۴۵)

(۲۲۹)

کیا ہی عظیم نعمت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کسی کو عنفوانِ شباب ہی میں توبہ کی توفیق مرحمت فرمادے اور پھر اس پر استقامت بھی بخشے۔ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں اس ایک نعمت کے سامنے وہی درجہ رکھتی ہیں جو گہرے دریا کے مقابلے میں شبنم کا مقام ہے کیونکہ یہ رضائے الٰہی کا موجب ہے اور تمام دنیوی و اخروی نعمتوں میں رضائے الٰہی کی نعمت سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ (۱: ۱۴۶)

(۲۳۰)

برادرم مولانا محمد صادق! عجیب بات ہے کہ اپنے آپ کو پوری طرح اسباب کی جانب متوجہ کر دیا جائے۔ اگرچہ خدائے مسبب الاسباب نے اشیاء کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے لیکن اس کی کیا ضرورت ہے کہ اسباب ہی پر نظر مذکور کر دی جائے...... ایسی کوتاہ نظری آپ کے لیے بڑی نامناسب ہے اور آپ جیسے حضرات کے لیے تو یہ بہت ہی بُرا ہے تھوڑی دیر کے لیے گریبان میں جھانکیے اور اس اندازِ فکر کی برائی کو تصور میں لائیے۔ فقراء کا لباس پہن کر کمینی اور دشمنِ خدا دنیا کو جمع کرنے میں لگ جانا بہت بُرا ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ برائی آپ کو خوبصورت اور خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ دنیاوی ضروریات کے حاصل کرنے میں ضرورت کے مطابق ہی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنی ساری توجہ اسی کی جانب مبذول کر دینا اور زندگی کو اسی کے حصول میں ضائع کر دینا نری حماقت ہے۔ فرصت بہت غنیمت ہے۔ ہزار افسوس اس شخص پر جو زندگی کو فضول کاموں میں گنوا دے (۱: ۱۴۹)

(۲۳۱)

دنیاوی حالات کی پراگندگی اور ظاہری احوال کے انتشار سے پریشان نہ ہوں یہ حالات اس لائق نہیں ہیں کہ ان کے باعث آدمی ہمت ہار بیٹھے۔ یہ دنیا فانی ہے

یہاں حق تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔ خواہ اس کے ضمن میں تنگی آئے یا آسانی۔ شانِ مطلوبیت کے لائق واجب الوجود جلّ شانہٗ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے (۱ : ۱۵۱)

(۲۲۲)

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کو عین اپنی اطاعت ہی قرار نہیں دیا بلکہ اس کی تاکید و تحقیق کی خاطر لفظ "قد" وارد ہوا ہے تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں میں فرق نہ کرنے لگے (۱ : ۱۵۲)

(۲۲۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خلقِ عظیم سے متصف ہیں انھیں کفار سے جہاد کرنے اور ان پر سختی فرمانے کا حکم دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار پر سختی کرنا خُلقِ عظیم میں داخل ہے۔ کفار کی عزت کرنے سے ان کی خواہ مخواہ تعظیم کرنا یا انھیں اونچی جگہ بٹھانا ہی مراد نہیں بلکہ انھیں اپنی مجالس میں جگہ دینا، ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا، ان سے گفتگو کرنا بھی اعزاز میں شامل ہے۔ انھیں کتوں کی طرح دور رکھنا چاہیے اگر کوئی دنیاوی غرض یا کام ایسا ہو کہ ان کے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو انھیں بے قدر جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت ان سے معاملہ کرنا چاہیے بلکہ اسلامی کمال تو یہ ہے کہ دنیاوی اغراض کے لیے بھی ان سے رابطہ قائم نہ کیا جائے اور کسی طرح ان سے میل جول نہ رکھا جائے۔ حق سبحانہٗ نے قرآن میں انھیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن قرار دیا ہے۔ پس اللہ اور رسول کے دشمنوں سے میل جول اور محبت و الفت رکھنا بہت بڑی خطاؤں میں شامل ہے۔ دشمنانِ حق سے اُنس و محبت رکھنے کا کم سے کم ضرر یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور نشاناتِ کفر مٹانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے۔ باہمی تعلقات ایسا کرنے سے مانع ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

خدا کے دشمنوں کی محبت اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھنے کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عداوت رکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان تو یہی گمان کرتا رہتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے زمرے میں شامل ہے اور اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس کی اس کرتوت کی چنگاریوں نے اس کے خرمنِ دین و ایمان کو خاکستر کر دیا ہے (۱ : ۱۶۳)

(۲۲۴)

ان نالائقوں کا یہی کام ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا انھیں کفر کی جانب پھیر کر لے جائیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ایمانی غیرت سے کام لینا چاہیے کیونکہ ایمان باحیا بننے کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا ملی غیرت کا پاس ضروری ہے۔ بایں وجہ ہمیشہ کفار کی ذلت و خواری کے درپے رہنا چاہیے۔ ہندوستان میں اہلِ کفر سے جزیہ کا موقوف ہونا یہاں کے حکمرانوں کے ساتھ دوستی کے باعث ہے حالانکہ کفار سے جزیہ لینے کا اصلی مقصد کفر اور کافروں کی ذلت و خواری ہے (۱ : ۱۶۳)

(۲۲۵)

مرے مخدوم! عمر کا بہترین حصہ ہوا و ہوس میں گزر گیا۔ اور دشمنانِ خدا کی رضا جوئی میں بسر ہوا ہے اب عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آج ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف نہ کریں اور اشرف کی تلافی ارذل سے نہ کریں، تھوڑی محنت کو آرام و راحت کا سبب نہ بنائیں تو کل کون سا منہ لے کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے، وہاں کیا عذر پیش کریں گے؟ یہ خوابِ خرگوش کے مزے کب تک لیتے رہیں گے؟ غفلت کی روئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی؟ آخر ایک روز نگاہوں کے سامنے سے غفلت کے سارے پردے اٹھ جاتے ہیں، کانوں سے

غفلت کی روئی نکل جائے گی، اس وقت ہوش آنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اس وقت سوائے حسرت وندامت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ چاہیے تو یہ کہ موت آنے سے پہلے اپنا کام درست کر لیا جائے (۱: ۲۱۰)

(۲۲۶)

حق تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو سارا بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں کچھ نہ ڈالے، ایک دانے سے سو دانے نہ بنائے اور اس دن کے لیے کچھ ذخیرہ نہ کرے جس روز بھائی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی۔ ایسا شخص دونوں جہانوں کے خسارے میں ہے اور سوائے حسرت و ندامت کے اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سعادت مند دنیا کی فرصت کو غنیمت جانتے ہیں اس غرض سے نہیں کہ اس کی نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہوں جو ناپائیدار ہیں اور ان کے ساتھ رنج و محن بھی ہیں بلکہ اس غرض سے کہ اس فرصت میں کاشتکاری کریں، نیک عمل کے ایک دانے سے وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ کے بموجب بے حساب ثمرات حاصل کریں۔ اسی لیے تو چند روزہ اعمال صالحہ کی جزا ابدی آرام مقرر فرما دیا گیا ہے (۱: ۲۱۴)

(۲۲۷)

اے فرزند! دنیا دار اور دولت مند بڑی بلا میں گرفتار اور ابتلائے عظیم میں مبتلا ہیں کیونکہ دنیا جو حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور دولت دنیا درحقیقت مردار ہے جو انھیں آراستہ پیراستہ نظر آتی ہے جیسے نجاست پر سونا چڑھا دیا جائے یا زہر کو شکر میں ملا دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی دوراندیش عقل کو اس کمینی دنیا کی برائی سے آگاہ کر دیا ہے اور اس ناپسندیدہ کی قباحت پر ہدایت و دلالت فرما دی گئی ہے اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانے کے عقل مند ترین شخص کو دیا

جائے تو زاہد کو دینا چاہیے کیونکہ دنیا سے بے رغبتی کمال عقل کے باعث ہے۔ اس عقل کے اکیلے گواہ پر کفایت نہیں کی گئی بلکہ نقل کا دوسرا گواہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور حضرات انبیائے کرام کی زبان سے، جن کا وجود اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہے اس کھوٹے سامان کی حقیقت پر مطلع فرمایا گیا ہے اور اس فاحشہ مکار کی محبت سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان دونوں عادل گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی اگر شکر موہوم کی طمع میں زہر کھا لے اور خیالی سونے کی امید پر نجاست اختیار کرے تو وہ بڑا احمق ہے۔ بلکہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خبروں کا منکر ہے اور وہ شخص منافق کا حکم رکھتا ہے۔ اس کا ظاہری ایمان آخرت میں کوئی نفع نہ دے گا۔

(۲۲۸)

قطعی اور اعتبار کے لائق صرف کتاب و سنت ہیں جو وحی قطعی سے ثابت ہیں اور فرشتے کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی ان دو اصولوں کی جانب ہی راجع ہے ان چار شرعی اصولوں کے سوا اور جو کچھ ہے خواہ وہ صوفیہ کے علوم و معارف ہوں یا ان کے کشوف والہامات۔ اگر وہ مذکورہ اصولوں کے موافق ہوں تو مقبول ورنہ مردود ہیں۔ وجد و حال کو جب تک میزان شرع پر نہ تول لیا جائے۔ نیم جَو کے بدلے نہیں خریدا جاتا اور کشوف و الہامات کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے اسے پرکاہ کے برابر شمار نہیں کیا جاتا (۱: ۲۱۷)

(۲۲۹)

سعادت و شرافت کے نشانات والے! آدمی کو جب کوئی مرض لگ جاتا ہے اور کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کے دور کرنے میں سعی بلیغ کی جاتی ہے کہ اس

مصیبت سے بھی نجات ملے لیکن قلبی مرض جو سوائے حق کی گرفتاری ہے اور جو آدمی پر اس درجہ غالب آ جائے کہ قریب ہے اسے ہمیشہ کی نیند سلا دے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کر دے۔ اس کے دور کرنے کی ذرا پروا نہیں ہوتی، دفع کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی اس گرفتاری کو مرض ہی نہیں جانتا تو پہلے درجے کا احمق ہے اور مرض تو جانتا ہے لیکن دفع کرنے کی فکر میں نہیں تو بڑا بے عقل ہے اس میں شک نہیں کہ اس مرض کو مرض سمجھنے کے لیے عقلِ معاد درکار ہے۔ کیونکہ عقلِ معاش اپنی کوتاہ اندیشی کے باعث ظاہر پر نظر رکھتی ہے۔ جس طرح عقلِ معاش ظاہری آرام و راحت کے پیشِ نظر باطنی امراض کو امراض ہی شمار نہیں کرتی۔ اسی طرح عقلِ معاد اجرِ آخرت پر نظر رکھنے کے باعث ظاہری امراض کو امراض ہی شمار نہیں کیا کرتی۔ عقلِ معاش کی نظر کوتاہ ہے اور عقلِ معاد کی تیز۔ عقلِ معاد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے، اور عقلِ معاش دولت مندوں اور دنیا داروں کا زاویۂ نظر ہے (۱: ۲۱۹)

(۲۴۰)

چاہیے کہ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد پر اپنے نظریات کا مدار رکھیں اور زید و عمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ جھوٹے قصوں پر اعتماد رکھنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید ہو سکے ورنہ ساری مشقت رائیگاں جائیگی (۱: ۲۵۱)

(۲۴۱)

صوفیائے خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرائض و سنن کے بجالانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں چلّے اور ریاضتیں کرتے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے ہاں آدابِ شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر و فکر میں مشغول ہونا بھی بہتر اور ضروری ہے۔ نادان علماء بھی

نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں لیکن فرائض کو خراب و ابتر کرتے رہتے ہیں مثلاً نمازِ عاشورہ کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درجۂ صحت تک نہیں پہنچی اسے جماعت اور جمعیت سے ادا کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ فقہی روایات جماعت نوافل کی کراہت پر ناطق ہیں اس کے باوجود فرائض کے ادا کرنے میں تساہل کا شکار ہیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فرائض کو ان کے مستحب اوقات میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی تو چنداں پابندی نہیں کرتے۔ جماعت میں ایک دو آدمیوں پر قناعت کر لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے علمبرداروں کا یہ حال ہے تو عوام کا ذکر ہی کیا۔ اسی طرزِ عمل کی خرابی سے اسلام میں ضعف پیدا ہوا ہے اور اسی فعل کی ظلمت کے باعث بدعت اور نفس پرستی کا دور دورا ہوا ہے (۱: ۲۶۰)

(۳۴۲)

نوافل کے ادا کرنے سے ظلی قرب اور فرض کی ادائیگی سے اصل قرب حاصل ہوتا ہے جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیے جاتے ہیں وہ اصلی قرب کے ممد و معاون ہوتے ہیں اور فرائض کے ملحقات میں شمار ہوتے ہیں۔ فرائض کا ادا کرنا عالمِ خلق سے مناسبت رکھتا ہے۔ جو اصل کی جانب متوجہ ہے اور نوافل کا ادا کرنا عالمِ امر سے مناسبت رکھتا ہے جس کا رُخ جانبِ ظل ہے۔ اگرچہ جملہ فرائض ہی اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں سے افضل و اکمل نماز ہے۔ (۱: ۲۶۰)

(۳۴۳)

وہ خاص وقت جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا اور جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ سے فرمائی تھی۔ وہ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں تھا۔ نماز ہی گناہوں کا

کفارہ ہے اور نماز ہی فواحش و منکرات سے باز رکھتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس کے اندر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راحت تلاش کیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلال! ہمیں راحت پہنچاؤ) نماز دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے (۱ : ۲۶۰)

(۳۴۴)

بعض علماء راسخ العقیدہ ہونے کے باوجود اعمال میں سستی اور کوتاہی کے مرتکب ہیں انھیں دیکھ کر علماء کا مطلق انکار کرنا اور تمام علمائے کرام کو مطعون کرنا محض ناانصافی اور بے بنیاد مکابرہ ہے بلکہ اکثر ضروریات دین کا انکار ہے کیونکہ ضروریات دین کے ناقل علمائے کرام ہی تو ہیں۔ یہی حضرات تو کھرے کھوٹے کی پہچان کرنے والے ہیں۔ اگر ان کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم کہاں سے ہدایت پاتے اگر یہ صواب و خطا میں تمیز نہ کرتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ یہ علماء ہی تو ہیں جنھوں نے دین قیم کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی پوری قوت لگا رکھی ہے اور بے شمار لوگوں کو صراط مستقیم پر چلا رہے ہیں پس جس نے انکی پیروی کی وہ نجات و فلاح پا گیا اور جو ان کا مخالف ہوا وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا۔ (۱ : ۲۸۶)

(۳۴۵)

ترقی و عروج وابستہ ہے ورع و تقویٰ کے ساتھ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں (۱) اوامر کو بجا لانا (۲) نواہی سے بچنا . . . اوامر کے بجا لانے میں فرشتے بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں اگر صرف اوامر کے بجا لانے سے ترقی ممکن ہوتی تو فرشتے بھی ضرور ترقی کرتے جبکہ نواہی سے بچنا فرشتوں کو سرے سے حاصل ہی نہیں کیونکہ وہ فطرتی طور پر گناہوں سے معصوم ہیں۔ مخالفت و نافرمانی کی مجال ہی نہیں رکھتے کہ انھیں روکنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس سے لازم آیا کہ

ترقی جزو دوم کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر مخالفتِ نفس کا نام ہے کیونکہ شریعت نفسانی خواہشات کو مٹانے اور غلط رسومات کو دفع کرنے کی خاطر وارد ہوئی ہے۔ نفس کی سرشت ارتکابِ حرام کا تقاضا کرتی ہے یا فضول کاموں کی جانب مائل کرتی ہے تاکہ آخر کار حرام کاموں تک پہنچ جائے۔ پس حرام اور فضول کاموں سے بچنا نفس کی عین مخالفت ہے۔ (۱ : ۲۹۲)

(۲۴۶)

غور کرنا چاہیے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل کے لیے باریک آداب درکار رہیں تو جو چیزیں خدا تک پہنچنے کا وسیلہ (جیسے مرشد) ہیں ان کے آداب کی رعایت کتنے کامل طریقے پر لازم ہوگی۔ پس جہاں تک ممکن ہو مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے کپڑوں یا سایے پر پڑے۔ مرشد کی جائے نماز پہ پاؤں نہ رکھے اس کے وضو کی جگہ وضو نہ کرے اس کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے اس کے سامنے نہ کھائے پیئے اور نہ کسی سے گفتگو کرے بلکہ کسی اور کی جانب متوجہ ہی نہ ہو۔ مرشد کی عدم موجودگی میں اس کی جانب پیر نہ پھیلائے اور نہ اس کی جانب تھوکے۔ جو کچھ مرشد سے صادر ہو اسے درست جانے اگرچہ بظاہر درست نظر نہ آئے کیونکہ مرشدِ کامل جو کچھ کرتا ہے وہ الہام و اذن سے کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے (۱ : ۲۸۶)

(۲۴۷)

دین ہی نصیحت ہے یعنی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت سنت کی پیروی اور ناپسندیدہ بدعات سے اجتناب ضروری ہے خواہ بدعت صبح کی سفیدی جیسی روشن کیوں نظر نہ آئے کیونکہ درحقیقت نہ بدعت میں کوئی نور ہے اور نہ ضیاء۔ نہ یہ کسی مریض کے لیے شفا ہے اور نہ کسی مرض کی دوا۔ (۲ : ۱۹)

(۲۴۸)

اے محبت اطوار! جب یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے تو یہاں اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں ساعی رہنا چاہیے۔ اعمال میں بہترین عمل اور عبادت نماز کا قائم کرنا ہے کیونکہ یہ دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ پس اس کے ادا کرنے میں پورا اہتمام ملحوظِ خاطر رہے اور اس کے ارکان و شرائط اور سنن و الآداب میں حتی الامکان احتیاط برتی جائے۔ نماز میں طمانیت اور تعدیلِ ارکان کی بار بار مبالغے کے ساتھ تاکید کی جاتی ہے۔ ان کی پوری طرح حفاظت کریں کیونکہ اکثر لوگوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا ہے اور وہ تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر چکے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں متعدد وعیدیں اور تعدیدیں وارد ہوئی ہیں جب نماز درست ہو گئی تو امید رکھی جا سکتی ہے کہ نجات میسر آجائے کیونکہ دین قائم ہو گیا اور عروج کی معراج اپنی انتہا کو پہنچ چکی۔

(۲ : ۲۰)

(۲۴۹)

اس وقت کثرت سے بدعت کے ظہور کے باعث وہ دریائے ظلمت کی طرح نظر آتی ہے اور سنت کا نور غربت و قلت کی بنا پر اس تاریک دنیا میں جگنو کی طرح نظر آتا ہے بدعت کا عمل اس ظلمت کو بڑھاتا اور سنت کے نور کو کم کرتا ہے۔ جبکہ سنت کا نور اس کی تاریکی کو مٹانے اور نور کو بڑھانے کا باعث ہے اب جو چاہے وہ بدعت کی تاریکی کو بڑھائے اور جو چاہے وہ سنت کے نور کو زیادہ کرے۔ جس کا دل چاہے وہ شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے وہ اللہ والوں کی جماعت میں اضافہ کرے۔ سن لو بے شک شیطان کا گروہ خسارے میں ہے۔

(۲ : ۲۳)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

(۲۵۰)

شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر) کی فضیلت اور ختنین (حضرت عثمان وحضرت علی) سے محبت رکھنا اہل سنت وجماعت کی نشانیوں سے ہے۔ تفضیلِ شیخین کو محبتِ ختنین کے ساتھ جمع کرنا اہل سنت وجماعت کے خصائص سے ہے۔ شیخین کی فضیلت صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہے (۲ : ۳۶)

(۲۵۱)

قرآن واحادیث صحابۂ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچے ہیں جب صحابہ کرام معلون ہوجائیں تو جو دین ان کے نزدیک ہم تک پہنچا ہے وہ بھی معلون اور ناقابلِ اعتماد ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ شاید اس گروہ کا مقصد نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کا ابطال اور آپ کی شریعت کا انکار ہے۔ ظاہر میں یہ اہل بیتِ رسول سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت میں شریعتِ محمدیہ کے دشمن ہیں۔ کاش! یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے موافقین کو سیلاب سے سالم رہنے دیتے اور تقیہ کے داغ سے انھیں داغ دار نہ کرتے جو فریب کاروں اور منافقین کی علامت ہے۔

(۲ : ۳۶)

(۲۵۲)

اربابِ عقلِ سلیم جانتے ہیں کہ تقیہ بزدلی کی علامت ہے، جس کی نسبت شیرِ خدا کی جانب کرنا انتہائی نامناسب ہے۔ بتقاضائے بشریت گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لیے تقیہ کی صفت کو جائز قرار دیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن شیرِ خدا کو مسلسل تیس سال تک بزدلی پر ثابت ماننا اور یہ کہنا کہ وہ اتنا عرصہ تقیہ پر قائم رہے بہت ہی نازیبا ہے (۲ : ۳۶)

اے مخاطب! میں کہتا ہوں کہ بزرگانِ دین اور اکابرِ اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر، کیونکہ انھوں نے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد و اعانت میں اپنی پوری توانائیاں صرف کردی تھیں ۔ دین کی تائید میں انھوں نے رات اور دن، ظاہر اور پوشیدہ اپنا دھن دولت قربان کر دیا حب رسول کی خاطر اپنے خاندان، قبیلے، اولاد، بیویاں، وطن، مکانات، کھیتی باڑی، درخت اور نہریں غرضیکہ تمام چیزیں چھوڑ دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دی ہے اپنے اموال اور اپنی اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ کی محبت اختیار کی اور آپ کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے سرفراز ہوئے اور انھیں وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا حضور ملائکہ سے مشرف ہوئے، خوارق و معجزات کو دیکھنا نصیب ہوا یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا۔ انھیں یقین کی وہ دولت نصیب ہوئی جو بعد میں کسی کو میسر نہیں آسکتی ۔ دوسرے اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کریں تو صحابہ کرام کے ایک سیر جَو کے برابر ثواب نہیں مل سکتا ۔ بلکہ اس کا نصف بھی نہیں مل سکتا یہی تو وہ حضرات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تعریف و توصیف کی ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ان کا ایسا ہی حال توریت میں ہے اور ایسا ہی انجیل میں ہے وہ اس کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنا پٹھا نکالا ۔ پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسان کو بھلی لگتی ہے تاکہ اس سے کافروں کے دل جلیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام سے ناخوش رہنے والوں کو کفار کہا ہے اسی لیے میں بار بار کہتا ہوں کہ جو لوگ صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں ان سے اسی طرح بچنا چاہیے جیسے کافروں سے بچتے ہیں (۲ : ۳۶)

۳۵۴

معلوم نہیں کہ اس دنیا میں میری اس کے برابر کوئی آرزو ہو کہ ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہوں اور کلمہ طیبہ کے ورد سے لذت گیر اور محظوظ ہوتا رہوں لیکن کیا کیا جائے کہ سب آرزوؤں کا پورا ہونا ممکن نہیں کیونکہ غفلت اور خلقِ خدا سے میل جول رکھے بغیر چارہ نہیں (۲ : ۲۷)

۳۵۵

آج کل اکثر لوگ نوافل کو ترویج دیتے اور فرائض کو توجہ کے لائق ہی نہیں سمجھتے بلکہ حقیر اور بے اعتبار جانتے ہیں ، وقت اور بے وقت دولت خرچ کرتے رہتے ہیں اور مستحق کو دے دیتے ہیں لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں جو صحیح مصرف ہے ، ان کیلئے ایک دمڑی خرچ کرنا بھی بڑا مشکل ہے ۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقے میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے ۔

(۸۲ : ۲)

بکھرے ہوئے انمول موتی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیفِ عالیہ خصوصًا مکتوباتِ امام ربّانی میں بے شمار ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ چند لفظوں میں بہت کچھ فرما گئے کوزے میں دریا کو سمو دیا حضرت شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۶۹۱ھ/ ۱۲۹۲ء) نے صرف اخلاقیات پر فصاحت و بلاغت کا کمال دکھایا تھا لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت و طریقت کے مسائل کو پند نصائح کی شکل میں جتنے فصیح و بلیغ انداز سے پیش کیا ہے اس کی نظیر شاید ہی کسی دوسرے بزرگ کی تصانیف میں پائی جاتی ہو۔ تبلیغِ دین کی خاطر چند ایسے چند ارشادات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق وعلیہ التکلان۔

۱۔ انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔

۲۔ جب تک انسان قلبی مرض میں مبتلا ہے اس وقت تک اس کی کوئی عبادت نافع نہیں ہے۔

۳۔ انبیائے کرام نے وحدتِ وجود کی نہیں بلکہ وحدتِ معبود کی دعوت دی تھی۔

۴۔ شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہے۔

۵۔ شریعت کا مقصود نفسانی خواہشات کو زائل کرنا ہے۔

۶۔ صاحبِ شریعت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے۔

۷۔ سعادت دارین کی دولت سرور کونین کی متابعت پر موقوف ہے۔
۸۔ آدمی کو کھانے پینے کے لیے نہیں بلکہ عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔
۹۔ شریعت کی پیروی اور نبی کی اطاعت نجاتِ اخروی کی ضامن ہیں۔
۱۰۔ دینِ متین سے فساد کے لزومات کو دفع کرنا ضروریات دین سے ہے۔
۱۱۔ شریعت وطریقت میں بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔
۱۲۔ شریعت وطریقت ایک دوسری کا عین ہیں۔
۱۳۔ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے جبکہ شاہراہ اور ہے۔
۱۴۔ فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔
۱۵۔ دلالت فصوص سے نہیں بلکہ نصوص سے ہوتی ہے۔
۱۶۔ مذہب اہلِ سنت وجماعت کی بال برابر مخالفت بھی خطرناک ہے۔
۱۷۔ جو مذہب اہلِ سنت سے جدا ہوئے وہ گمراہی اور خرابی میں جا پڑے ہیں۔
۱۸۔ کتاب وسنت کے وہی معنی معتبر ہیں جو علمائے اہلِ سنت نے سمجھے ہیں۔
۱۹۔ اہلِ سنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا بداعتقادی اور سمِ قاتل ہے۔
۲۰۔ اہلِ سنت وجماعت ہی ناجی گروہ ہے۔
۲۱۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناجی گروہ میں داخل فرمایا۔

۲۲۔ سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو صحابہ کرام سے بغض وعناد رکھتا ہے۔
۲۳۔ صحابہ کرام پر طعن کرنا قرآن مجید اور شریعت محمدیہ پر طعن کرنا ہے۔
۲۴۔ صحابہ کرام کی پیروی کا پابند صرف اہلِ سنت وجماعت کا گروہ ہے۔
۲۵۔ صحابہ کرام میں عیب نکالنا پیغمبر خدا کی ذات میں عیب نکالنے کے مترادف ہے
۲۶۔ بعض صحابہ میں عیب نکالنا سب کی متابعت سے محروم ہونا ہے۔

۲۷۔ صحابہ کے معاملے میں زبان کو سنبھالنا اور انھیں اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیے۔
۲۸۔ تمام صحابہ کرام کی پیروی ضروری ہے کیونکہ اصول میں وہ سب متفق تھے۔
۲۹۔ صحابہ شریعت کے تابع تھے اور ان کا اجتہادی اختلاف حق کی سربلندی کے لیے تھا۔
۳۰۔ تمام صحابہ کرام افضلیتِ صدیق اکبر پہ متفق تھے۔
۳۱۔ خلفائے راشدین کی افضلیت ترتیبِ خلافت کے لحاظ سے ہے۔
۳۲۔ سادات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قرابت کے باعث محبت رکھنی چاہیے۔
۳۳۔ علماء کی سیاہی قیامت میں شہیدوں کے خون سے وزنی ہو گی۔
۳۴۔ علمائے حق کی نظر صوفیہ کی نظر سے بلند تر ہے۔
۳۵۔ علماء ہی شریعت کے حامل ہیں انھیں ترجیح دینے میں شریعت کا احترام ہے۔
۳۶۔ لوگوں کی نجات علماء کے ساتھ وابستہ ہے
۳۷۔ علمائے آخرت کے کلام کی برکت سے توفیقِ عمل بھی مل جاتی ہے۔
۳۸۔ حقیقت سے واقف کار علماء کی دعا و توجہ کا طالب رہنا چاہیے۔
۳۹۔ حلال و حرام کے معاملے میں ہمیشہ دین دار علماء کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔
۴۰۔ تمام نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین داروں اور شریعت کی پابندی کرنے والوں سے میل جول رکھا جائے۔
۴۱۔ دنیا کی رغبت رکھنا علماء کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔
۴۲۔ دولت کے حریص یعنی دنیا دار علماء کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔
۴۳۔ علماء ہی بہترین مخلوق ہیں اور علماء ہی بدترین مخلوق ہیں۔
۴۴۔ بہتر ۷۲ گمراہ فرقے علمائے سوء کی کارگزاری کا زندہ ثبوت ہیں۔

۴۵۔ جسم کو زندہ کرنے کی نسبت قلب کو زندہ کر دینا عظیم الشان امر ہے۔
۴۶۔ پیر حق تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔
۴۷۔ اللہ والوں یعنی علمائے آخرت کی صحبت کبریتِ احمر ہے۔
۴۸۔ صوفیا کے علوم و معارف اگر کتاب و سنت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود ہیں۔
۴۹۔ اولیاء اللہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنا زہر قاتل ہے۔
۵۰۔ اللہ تعالیٰ جس کو برباد کرنا چاہے اسے بزرگوں پر طعن و تشنیع میں مبتلا کر دیتا ہے۔
۵۱۔ ناقص پیر کی صحبت زہر قاتل اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک ہے۔
۵۲۔ شدید ریاضتوں سے بھی وہ بات میسر نہیں آتی جو بزرگوں کی صحبت سے مل جاتی ہے۔
۵۳۔ دنیادار صوفیا سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔
۵۴۔ جس علم سے عمل مقصود ہے اس کا کفیل علمِ فقہ ہے۔
۵۵۔ دشمنانِ دین سے قولی جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔
۵۶۔ کفار کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا خلقِ عظیم میں داخل ہے۔
۵۷۔ اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی ذلت میں ہے۔
۵۸۔ جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہوگی اسی قدر اسلام کی ذلت ہے۔
۵۹۔ کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔
۶۰۔ مسلمان رہنے کے لیے کفر اور کافری سے بیزار رہنا ضروری ہے۔
۶۱۔ فقیر کی نظر میں خدا کے دشمنوں سے بیزاری کے برابر کوئی عمل نہیں۔
۶۲۔ فقیر کی تمنا یہی ہے کہ اللہ اور رسول کے دشمنوں پر سختی کی جائے۔

۶۳۔ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے میل جول اور محبت رکھنا بہت بڑی تقصیر ہے۔

۶۴۔ کامل محبت کی نشانی یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں سے دلی عداوت رکھی جائے۔

۶۵۔ سلاطین وحکام سے میل جول ابدی ہلاکت اور دائمی نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔

۶۶۔ بادشاہوں کے درباروں کا چرب وشیریں لقمہ قلبی مرض میں اضافہ کرتا ہے۔

۶۷۔ دولت مندوں کی صحبت زہر قاتل ہے۔

۶۸۔ دنیا بظاہر شیریں وخوشنما ہے لیکن حقیقت میں زہر قاتل ہے۔

۶۹۔ دنیا اس لیے مبغوض ہے کہ یہ نفس کی معاون ہے۔

۷۰۔ ملک میں بادشاہ روح کی طرح اور رعایا جسم کے مانند ہے۔

۷۱۔ الہام دوسرے کے لیے حجت نہیں ہے۔

۷۲۔ فرضی عبادتوں کے مقابلے میں نفلی عبادتیں بالکل بے حقیقت ہیں۔

۷۳۔ فرائض سے اعراض کرکے نوافل میں مشغول رہنا نفع سے خالی ہے۔

۷۴۔ بُرے افعال سے ہر وقت توبہ کرنی چاہیے کیا خبر کہ توبہ کی توفیق ملے یا نہ ملے۔

۷۵۔ زندگی کو حق تعالیٰ کی مرضی کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔

۷۶۔ چندروزہ زندگی کو موہوم مقاصد میں صرف کردینا عقل مندی نہیں ہے۔

۷۷۔ فوت ہوجانے والوں کی صدقہ ودعا سے مدد کرنی چاہیے کیونکہ وہ زندوں کی مدد کے محتاج ہیں۔

۷۸۔ جوانی کے تھوڑے عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ نفس وشیطان کے

سے غلبے کا وقت ہے۔

۷۹۔ بندہ نیکی کے راستے پر چلتا ہوا اپنے بال سفید کرے۔ یہ اس پر خدا کا بڑا احسان ہے۔

۸۰۔ احسان کا بدلہ احسان سے دوا اور دعاؤں کے ذریعے اپنے محسن کی مدد کرتے رہو۔

۸۱۔ مجازی مالک کی رضامندی کا خیال رکھتے ہو لیکن حقیقی مالک کی مرضی کو نظر انداز کر دیتے ہو۔

۸۲۔ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا بندوں کو حکم دیا ہے، وہ اسے کر سکتے ہیں۔

۸۳۔ تہجد کا اہتمام کریں کیونکہ وہ طریقہ کی ضروریات سے ہے۔

۸۴۔ تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان پر تولنا اچھا نہیں ہے۔

۸۵۔ رب وہ نہیں ہے جو انسان کی عقل یا اس کے وہم و گمان میں سما جائے۔

۸۶۔ جو چیز انسان کے عقل یا اس کے وہم و گمان میں سما سکتی ہے وہ رب کی ذات نہیں ہو سکتی۔

۸۷۔ حقیقی بندہ وہ ہے جو اپنی مرضی کو اپنے معبود کی مرضی میں فنا کر دے۔

۸۸۔ جو حضور کو رحمتِ دو عالم ہونے کے زاویے سے دیکھتے ہیں وہ ایمان کی دولت سے مشرف رہتے ہیں۔

۸۹۔ جو حضور کو بشر ہونے کے زاویے سے دیکھتے ہیں وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۹۰۔ چونکہ حضور نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، اسی لیے حضور کا سایہ نہیں تھا۔

۹۱۔ مخلوق ہونے کے سوا کائنات کے کسی فرد سے کسی بات میں حضور کو

مماثلت نہیں ہے ۔

۹۲۔ حضرت علی پر تقیہ کی تہمت لگانا گویا شیرِ خدا کو بزدل اور منافق کہنا ہے ۔

۹۳۔ صحابہ کرام سارے ہی حق پر تھے لہٰذا سب کو اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیے ۔

۹۴۔ سارے ہی صحابہ کرام آسمانِ ہدایت کے ستارے تھے ۔

۹۵۔ فقہ کے میدان میں امام ابوحنیفہ صاحبِ خانہ ہیں ۔

۹۶۔ تین چوتھائی فقہ امام ابوحنیفہ کے لیے مسلّم ہے اور باقی سارے فقہا ایک چوتھائی میں شامل ہیں ۔

۹۷۔ حنفی تنہا بھی اُمّتِ محمدیہ کا سوادِ اعظم ہیں ۔

۹۸۔ سو سالہ مجدد اور ہزار سالہ مجدد کے مراتب میں وہی فرق ہے جو سو اور ہزار میں ہے ۔

۹۹۔ ہزار سالہ مجدد اولوالعزم پیغمبروں کا نائب ہوتا ہے ۔

۱۰۰۔ زاہد دنیا کا عقل مند ترین انسان ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَ اَحْكَمُ ۔

اپنے موجودہ بزرگوں کی خدمت میں چند گزارشات

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں تو متحدہ ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا جلال الدین اکبر نامی بادشاہ دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ اس وقت اتنے بڑے ملک اور ایسے جاہ و جلال کا مالک کوئی اور بادشاہ نہیں تھا۔ بدقسمتی سے جلال الدین کہلانے والا دین اسلام کا جلال نہیں بلکہ بے دینی اور گمراہی کا ایسا علمبردار بن گیا تھا کہ دینِ الٰہی کے نام سے نیا دین جاری کر دیا۔ اور اسلام کے نام سے تو گویا اسے چڑ ہو گئی تھی۔ ہر اس کام کے جاری کرنے میں وہ لطف محسوس کرنے لگا تھا جس سے اسلام اور اسلامی شعائر کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں مدد ملتی تھی۔ دین کا محافظ اللہ ہے۔ اکبر بادشاہ کی غیر اسلامی روش کے وقت بھی ملک کے ہر درودیوار سے یہ آواز آ رہی تھی۔ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

سرمایہ ملت کے عدیم المثال نگہبان حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف دین و ملت کی تجدید فرمائی بلکہ اسلامی شعائر کو مٹنے سے بچایا اور تاریخ عزیمت کی کتاب میں ایک نمایاں باب کا اضافہ کرتے ہوئے گمراہی کے ارکانِ ثلاثہ یعنی حکمران، غلط کار صوفیا اور علماء سوء کے لیے راہِ راست پر آنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ اس مردِ حق آگاہ نے گمراہی کے بپھرے ہوئے سیلاب کا رُخ پھیر دیا اور

سرکاری سرپرستی میں چلنے والے فتنہ دینِ الٰہی کو تو ہمیشہ کے لیے زیرِ زمین دفن کر دیا تھا۔ آپ کا یہ عظیم الشان کارنامہ دین و ملت کے ہر خیر خواہ اور ہر مصلح کو مشعلِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔

اسی طرح ہمارے قابلِ صد احترام صوفیائے عظام، علمائے کرام اور سلاطین ذی احتشام کا اعلیٰ قدر مراتب دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی جڑیں مضبوط کرنے میں ایسا عظیم الشان حصہ ہے جس کو زبان و قلم سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنی اپنی بساط کے مطابق انبیائے کرام علیہم السلام کی نیابت کا ہمیشہ حق ادا کیا اور سنتِ الٰہیہ کے مطابق قیامت تک حق ادا کرتے رہیں گے۔ دنیا کی زیب و زینت یہی حضرات ہیں اور جب یہ نہیں رہیں گے تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔ چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) نے اس حقیقت کو اپنے بصیرت افروز قلم سے یوں بیان فرمایا ہے ؎

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

شمعِ ہدایت کے ان پروانوں سے صرفِ نظر کر کے کسی بھی ملک کے مسلمانوں کی تاریخ صحیح معنوں میں لکھی نہیں جا سکتی۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ ایک مدت سے تاریخ کو صرف بادشاہوں تک محدود رکھا ہوا ہے۔ دین کی نشر و اشاعت میں بے شک اسلام کی قوتِ علمیہ یعنی حضرات علمائے کرام کا بھرپور حصہ ہے اور اسلام کی قوتِ دفاعیہ یعنی سلاطینِ اسلام نے بھی اس گلشن کی اپنے خون پسینے سے آبیاری کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن اسلام کی قوتِ روحانیہ یعنی حضرات صوفیائے عظام کا دین کی پوری نشر و اشاعت میں اسی طرح حصہ ہے جیسے جسم کے تمام اعمال و افعال میں روح کا حصہ ہوتا ہے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانیت و اخلاقِ عالیہ کے مظہر اور

رونقِ بزمِ جہاں بھی عاشقانِ سوختہ ہوتے ہیں۔

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا بھلا کون اندازہ کرسکتا ہے جبکہ آپ کے کتنے ہی غلاموں کے کارنامے ایسے عظیم الشان ہیں کہ ان بزرگوں نے انتہائی نامساعد حالات میں انبیائے کرام کی یاد تازہ کردکھائی تھی۔ چونکہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بالکل بند ہوچکا ہے اور جملہ انبیائے کرام میں آپ ہی سب سے آخری نبی اور قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ لہٰذا اب کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ اُمّتِ محمدیہ میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں گے جو ایسے حالات میں بھی حق کا علم بلند کرتے رہیں گے۔ جیسے حالات میں پہلے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا جاتا تھا۔

دور کیوں جائیں سرزمینِ پاک وہند کی تاریخ ہی پر نظر ڈالیے۔ اسلام کی نشر واشاعت کے سلسلے میں صوفیہ حضرات یعنی گروہِ اولیاء اللہ سے کیا۔ حضرت داتا گنج بخش (المتوفی ۴۶۵ھ/۱۰۶۲ء) ــــــ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (المتوفی ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) ــــــ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (المتوفی ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء) ــــــ خواجہ فرید الدین گنج شکر (المتوفی ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء) ــــــ خواجہ نظام الدین اولیاء (المتوفی ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) ــــــ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی (المتوفی ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء) ــــــ اور حضرت مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) رحمۃ اللہ علیہم کے کارہائے نمایاں کیا اس امر کے منہ بولتے ثبوت اور ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کا جزو لاینفک نہیں ہیں؟ کیا ان بزرگوں کے کارنامے کو نظر انداز کرکے مسلمانانِ پاک وہند کی تاریخ لکھی جاسکتی ہے؟۔

اسی طرح گروہِ علماء کو دیکھیں تو خاتم المحققین شیخ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) ــــــ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) ——— بحر العلوم
مولانا عبد العلی لکھنوی (المتوفی ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) ——— سراج الہند مولانا
شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) ——— شہنشاہ اقلیم
منطق و مجاہد اعظم علامہ فضل حق خیر آبادی (المتوفی ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) ———
کاسر نجدیت مولانا فضل رسول بدایونی (المتوفی ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) ——— پاسبان حرمین
شیخ الہند مولانا رحمت اللہ کیرانوی (المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء) ——— اور
چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے جاندار علمی و عملی کارنامے مسلمانانِ پاک و ہند کا عظیم سرمایہ ہیں اور ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ بھی اپنے اپنے دور میں جسدِ ملت کے اندر روح کا کام کرتی رہی ہیں کیا ان حضرات کے کارناموں کو جدا کرکے پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ کو مکمل کہا جا سکے گا؟ ہر دیدہ ور اور عقلِ سلیم رکھنے والے کی نظر میں ان حضرات کے کارنامے سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اگرچہ برطانوی دور سے بعض گمراہ گر اسلامیانِ پاک و ہند کی تاریخ کو مسخ کرتے آرہے ہیں۔

امتِ مرحومہ کی چودہ سو سالہ تاریخ اسلام کے مایۂ ناز سپوتوں کے علمی و عملی کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ یقیناً ان بزرگوں کے کارہائے نمایاں ہمارے موجودہ مشائخِ عظام اور علمائے کرام کے پیشِ نظر ہوں گے اور یقیناً یہ حضرات ان کارناموں کو مشعلِ راہ بنا کر کشتیٔ ملت کی راہنمائی کا فریضہ پوری دانشمندی اور مستعدی سے ادا کر رہے ہوں گے آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیائے کرام کی نیابت کا فریضہ جن پر عائد ہوتا ہو وہ اس سے سبکدوش ہونے میں ہمہ تن مصروف نہ ہوں۔

مملکتِ خداداد پاکستان سراسر ایک نظریاتی مملکت ہے جو صرف اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آئی ہے تو اس کشتی کے حقیقی ناخدا تو مشائخِ عظام اور علمائے کرام

ہی ہیں۔ یقیناً ان بزرگوں نے اس کی نظریاتی حفاظت اور استحکام کی خاطر تن من دھن کی بازی لگائی ہوئی ہوگی۔ ان حضرات کے ہاتھ ہر وقت نبضِ وقت کی رفتار پر رہتے ہوں گے۔ گمراہی اور بے راہروی کو دفن کیے بغیر ان حضرات کو چین نہیں آتا ہوگا۔ فرقہ ساز دفتنہ باز توان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کو دیکھتے ہوئے منہ چھپائے پھرتے ہوں گے اور ان کے تعاقب سے ڈرتے ہوئے کوئی ایسی بات اپنی زبانوں یا نوکِ قلم پر نہیں لاتے ہوں گے جو ان حضرات کی ناراضگی کا باعث ہوسکتی ہے۔

غرض ہمارے یہ بزرگ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ان بھیڑیوں کا شکار ہونے سے بچانے میں پوری طرح کوشاں ہوں گے جو بھیس بدل کر ان بھیڑوں میں آملے ہیں اور بھیڑیئے ہوکر بھیڑوں کی بولی بول رہے ہیں۔ جن بدخواہوں نے اپنے آپ کو جبّوں اور عماموں میں چھپا رکھا ہے۔ جو لصوصِ دین ہوکر علمی و روحانی مسندوں پر براجمان ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینے اور ایمان کی دولت سے انھیں محروم کرنے کی خاطر اپنا اوپر علم و فضل کے بڑے بڑے خوشنما لیبل لگا رکھے ہیں۔

اب میں انبیائے کرام کے ان نائبوں، کشتیِ ملت کے ان ناخداؤں، ملتِ اسلامیہ کے غم خواروں یعنی اپنے موجودہ راہنماؤں سے دست بستہ چند سوالات کرنے کی جسارت کرتا ہوں اور محض اس غرض سے کہ کسی کی جانب سے اس عظیم الشان فرض کی ادائیگی میں اگر کوئی کوتاہی واقع ہوگئی ہے تو وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے سے پہلے اس کی تلافی کرلیں کیونکہ اس عمرِ ناپائیدار کا آخر بھروسہ ہی کیا ہے۔ معلوم نہیں یہ کشتیِ عمرِ رواں کس وقت بحرِ ہستی میں غرق ہوجائے۔ ممکن ہے کہ اپنے فرائض میں سے کسی فرض کی جانب وہ توجہ ہی نہ فرما سکے ہوں تو اب متوجہ ہوسکیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنا فرض ایسی مستعدی سے ادا کر رہے ہوں کہ باطل اور بے راہروی کو ملک کے کسی گوشے سے سر اٹھانے کی گنجائش نظر نہ آرہی ہو تو اس صورت میں بھی ان

حضرات کے اس خادم کو یاد دہانی کروانے اور کہنے سننے کے اجر کی امید تو رہے گی۔
گزارشات یہ ہیں :۔

۱۔ حضور والا! ملک کے اندر حکمران کا وجود اس طرح ہوتا ہے جیسے جسم میں روح۔
یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ملک کی اصلاح کا راز حکمرانوں کی اصلاح میں پوشیدہ ہے۔
آج پاکستان کو قائم ہوئے پورے چالیس سال گزر چکے ہیں۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس نظریاتی مملکت میں قائداعظم سے قائدِ عوام تک کتنے ہی حکمران آئے اور ملکِ عدم کی جانب روانہ ہو چکے جبکہ اس وقت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر مملکت ہیں اور انھوں نے ایک سیاسی حکومت بھی اپنے ماتحت قائم کر رکھی ہے جس کے وزیراعظم جناب محمد خاں جونیجو صاحب ہیں۔ ہمارے موجودہ راہنماؤں نے تمام حکمرانوں کو کتاب و سنت کا گرویدہ، ملتِ اسلامیہ کا خیر خواہ اور نظریہ پاکستان کا علمبردار بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہوگی۔ کیا اپنی مساعی جمیلہ اور ان کے نتائج سے آپ قوم کو مطلع فرما سکتے ہیں

۲۔ جن حضرات نے قیام پاکستان کی ہندوؤں سے بھی بڑھ کر مخالفت کی تھی، مسلمان کہلانے کے باعث وہ انگریزوں اور ہندوؤں کے زرخرید علماء اور لیڈر بھی پوری ڈھٹائی سے پاکستان میں ہی آگھسے تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد آج تک جملہ حکومتوں کو کیا آپ نے ملک و ملت کی خیر خواہی میں وطنِ عزیز کے دوستوں اور دشمنوں یعنی اس کے قیام کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے والوں اور اس کے راستے میں غیروں سے بھی بڑھ کر روڑے اٹکانے والوں میں تمیز رکھنے کی تلقین فرمائی۔ یقیناً آپ حکمرانوں کو ایسا ہی کرنے کی قلمی کاوش فرماتے رہے ہوں گے۔ اگر قوم کو ان کتابوں کے ناموں سے مطلع فرما دیا جائے جو آپ نے اس ضرورت کے تحت لکھ کر حکمرانوں کو راہِ ہدایت دکھائی ہو تو یہ پاکستان کے موجودہ باشندوں یعنی اپنے ہی نیازمندوں پر آپ کا احسان ہوگا۔

۳۔ قیام پاکستان کی تحریک یقیناً بڑی مبارک تحریک تھی اور قیام پاکستان کے بعد اس تحریک کی مکمل تاریخ کو مکمل کر کے قوم کے سامنے لانا ملک وملت کی ضرورت تھی یقیناً اس ضرورت کو آپ نے سب سے بڑھ کر محسوس کیا ہوگا اور اسی احساس کے تحت ابتدائی حکومتوں سے ہی تحریک پاکستان کی تاریخ مرتب کروالی ہوگی کیا واقعی یہی ہوا ہے یا ملک و ملت کے مفاد اور اس اہم ترین ضرورت کی جانب آج تک توجہ مبذول فرمانے کی آپ حضرات کو فرصت ہی نہیں ملی ؟ فرصت نہیں ملی یا حکمرانوں سے کہنے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی ؟ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس ضرورت پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے مبسوط کتابیں لکھی ہوں اور انھیں حکمرانوں کے پاس بھیجنے کے ساتھ پورے ملک میں بھی پھیلایا ہو۔ کاش ! ہمارے موجودہ راہنما اپنی ان کوششوں اور کاوشوں سے قوم کو مطلع فرمائیں جو انھوں نے اس ضرورت کا احساس رکھتے ہوئے کی ہوں تاکہ معلوم تو ہو کہ یہ حضرات کہاں تک قوم کی خیر خواہی فرما رہے ہیں ۔

۴۔ سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ افراد ہی انگریزوں کے دور اقتدار سے حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے آرہے ہیں جبکہ آپ حضرات نے ان پرزوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت کا بڑی شدت سے احساس کیا ہوگا اور اس مقصد کے حصول کے لیے پوری کوشش بھی فرمائی ہوگی ۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ تمام پرزے واقعی آپ نے اسلامی بنا دیئے تھے ؟ کسی غیر اسلامی پرزے کو تو یقیناً آپ نے کسی جگہ اس ملکی مشینری میں فٹ نہیں کرنے دیا ہوگا ۔ کیونکہ ایسے غلط پرزے تو پوری مشینری کے نظام کو خراب کرنے کے لیے کافی ہیں ۔ اس سلسلے میں آپ کی مساعی جمیلہ اگر قوم کے سامنے آجائیں تو وہ دوسروں کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہیں ؟

۵۔ سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ افراد کو برطانوی دور سے آج تک حکومت کی مشینری کے پرزے بنایا جا رہا ہے اور علم دین حاصل کرنے والوں کو ایسا عضو معطل بنا دیا ہے

کہ وہاں کے فارغ التحصیل ہونے والے تو رہے ایک طرف۔ ان میں کام کرنے والے خواہ کوئی مفتیِ اعظم ہی کیوں نہ ہوں۔ انھیں ان کی اس بلند پایہ علمیت کے باوجود حکومت کے کسی ادارے میں ایک چپراسی کی جگہ بھی نہیں مل سکتی۔ انگریزوں نے تو یہ ستم ظریفی اس لیے روا رکھی تھی کہ مسلمان اپنے بچوں کو اسلامی مدرسوں میں پڑھانے سے رک جائیں گے کیونکہ اگر پڑھائے تو ایسے بھکاری بن کر نکلیں گے کہ عمر بھر انھیں قوم کی خیرات اور چندے پر پلنا ہوگا اور دوسری جانب علماء کی معاشرے میں بے قدری ہوگی تو لوگ ان سے نفرت کھا کر اسلام سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ کم از کم آزاد ہو جانے کے بعد تو آپ حضرات نے ستم ظریفی کے اس سلسلے کو بند کروا دیا ہوگا؟ اگر کچھ بھی نہیں کیا تو اسلام پر کرم فرمانے کے اس برطانوی اقدام کو آپ نے مسلمانوں کے لیے مفید سمجھا ہوا ہے؟

۶۔ آپ حضرات کی کتنی تصانیفِ عالیہ ایسی ہیں جو سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل ہو کر ان میں تعلیم پانے والوں کے قلوب و اذہان کو جلا بخش رہی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ جواب نفی میں ہو تو اپنے نونہالانِ چمن کی دینی موت میں آپ حضرات بھی کسی قدر حصہ دار قرار پائیں گے یا نہیں؟ غور فرمائیے کہ جب وہاں تربیت پانے والے حضرات کا مقدمہ پیش ہوگا تو دینی لحاظ سے ان کے قاتلوں میں آپ حضرات کے اسمائے گرامی تو موجود نہیں ہوں گے؟

۷۔ ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے تبلیغِ دین کا کام آجکل بڑی برق رفتاری سے ہو سکتا ہے کسی قوم کو بنانے اور بگاڑنے میں ذرائع ابلاغ کو بہت دخل حاصل ہو گیا ہے۔ یقیناً دورِ غلامی کی کچلی ہوئی قومِ مسلم کے بختِ خفتہ کو جگانے اور سنوارنے کی خاطر آپ حضرات نے جملہ ذرائع ابلاغ کو اسلامی حدود کے اندر رہنے پر مجبور کر رکھا ہوگا تاکہ وہ کسی اور راستے پر چل کر قوم کو بے راہ اور گم کردہ منزل نہ کر دیں۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے

آپ حضرات نے جو کچھ آج تک کیا ہے وہ قوم کے سامنے رکھا جائے تا کہ آپ کے احسانات اور خیر خواہی کے باعث پاکستان کے تمام سنی مسلمان آپ کے سامنے سرِ نیاز خم کیے رہیں۔

۸۔ ہر شہر میں ماہوار کتنے سینما شو ہوتے ہیں اور ان میں حاضری دینے والوں کی تعداد کیا ہو گی؟ قوم کی اس ذہنی عیاشی اور بے راہروی کا یقیناً علاج سوچا ہو گا۔ واضح تو فرمائیں کہ آپ نے اس ستم ظریفی کے سدِّ باب کی خاطر جو نسخہ کیمیا تجویز کیا اور جو ذرائع ان کی اصلاح کے لیے اختیار فرمائے تھے۔ ان کا ان چالیس سالوں میں کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے؟

۹۔ کسی بھی شہر میں آپ کے ماہوار کتنے دینی جلسے ہوتے ہیں اور ان کے مقابل اسی شہر میں ماہوار کتنے سینما شو دکھائے جاتے ہیں۔ دونوں جانب کے حاضرین کا تناسب بھی یقیناً آپ کی نظر میں ہو گا۔ قوم کو اس ذہنی عیاشی سے بچانے کی خاطر آپ نے بہت کچھ کیا ہو گا۔ کیا اسے بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

۱۰۔ دور کیوں جائیں جبکہ یہ حالات سب کے سامنے ہیں کہ قوم کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو حضرات علماء و مشائخ کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا جبکہ ان لوگوں کو ایکٹروں اور ایکٹرسوں سے اتنی محبت اور دل لگاؤ ہے کہ ان کے دیدار کی ایک جھلک پانے کے لیے یوں دیوانہ وار بھاگتے ہیں جیسے مجنوں کبھی ناقۂ لیلیٰ کے پیچھے میلوں تک بھاگا ہو گا۔ ہو نہیں سکتا کہ آپ حضرات نے اس طبقے کی اصلاح کے لیے مختلف اور مؤثر تدابیر اختیار نہ فرمائی ہوں۔ انھیں بیان تو فرمائیے؟

۱۱۔ اب چند سالوں سے پاکستان کے کتنے ہی گھرانے ٹیلی ویژن اور وی سی آر کے ذریعے خود ہی سینما گھر بن گئے ہیں۔ اس صورتِ حال کا قوم پر جو اثر پڑ رہا ہے اس سے آپ پوری طرح باخبر ہیں اور یقیناً اس ستم ظریفی پر آپ کا دل سب سے زیادہ دکھتا اور

خون کے آنسو روتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس مشفقانہ جذبے کو سلامت رکھے اور آپ کے پدرانہ سایے کو قوم کے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اس بے راہ روی سے مسلمانوں کو بچانے کی خاطر یقیناً آپ حضرات نے بہت کچھ کیا ہوگا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ بوجھ سے بالاتر ہے کہ آپ حضرات کی انتھک مساعیٔ جمیلہ کے باوجود مرض روز بروز ترقی پذیر ہی نظر آرہا ہے۔ بھلا کیوں؟

۱۲۔ اخبار قوم کی آواز ہوتے ہیں۔ کیا ہمارے اخبارات واقعی ملتِ اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ کیا یہ حق و صداقت کے علمبردار بن کر اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ اگر وہ حق و صداقت کے علمبردار نہیں بلکہ کسی پارٹی کی آواز یا چڑھتے سورج کے پجاری ہیں اور ذہنی عیاشی کا سامان فراہم کرنے میں وہ بھی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے معین و مددگار ہیں تو ان کی اصلاح کے لیے آپ حضرات نے آج تک چالیس سال کے طویل و عریض عرصے میں کیا تدابیر اختیار فرمائی تھیں؟

۱۳۔ اگر اخبار والوں نے آپ کا اثر قبول نہ فرمایا تو اپنے تربیت یافتہ افراد سے کتنے اخبار جاری کروائے تاکہ آپ کی بدولت وہ قوم کو مایوس نہ ہونے دیں اور پوری پامردی سے حق و صداقت کی علمبرداری کا فریضہ ادا کر کے قوم کو راہِ راست دکھاتے رہیں اور حکمرانوں کو مجبور کرتے رہیں کہ وہ ملک و ملت کے خلاف جانے کا تصور بھی ذہنوں میں نہ لانے پائیں۔

۱۴۔ پورے ملک میں بدمذہبوں کی طرف سے بے شمار ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہوار اور سہ ماہی رسالے پورے ٹھاٹ باٹ سے چل رہے ہیں ان میں سے ہر ایک گمراہی کے جراثیم پھیلانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے پر تلا ہوا ہے۔ یقیناً آپ اس گمراہی کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتے آرہے ہوں گے اور اس طریقے سے گمراہی پھیلانے والوں کو اب منہ چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی ہو گی۔ کیا یہی بات ہے؟

۱۵۔ باطل کی سرکوبی کے لیے قلمی میدان میں آپ حضرات کے کتنے ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہوار اور سہ ماہی رسالے چل رہے ہیں؟ ذرا ان کی تعداد سے مطلع فرمایا جائے۔ ہم تو ہمیں یقین ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے دین و ایمان کو ان رہزنوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لیے اور اپنے راہنما ہونے کا بھرم رکھنے کے لیے یقیناً باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہوگا۔ آپ حضرات پر تن آسانی کی تہمت لگانے والے زیادتی ہی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان اونچی علمی و روحانی مسندوں پر براجمان ہو کر آپ باطل کے مقابلے پر نہ گئے ہوں اور وہ آپ کی حقانیت کو دیکھ کر اپنے ہر قسم کے رسالے بند کر کے کبھی کے تائب ہو کر آپ کے حق پرست مبارک ہاتھوں پر بیعت کر چکے ہوں گے۔

۱۶۔ اگر بالفرض آپ نے حق کی نشر و اشاعت کے لیے کسی بھی قسم کے رسالوں کو جاری کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی تو بعض سنیوں نے جو رسالے جاری کیے ان کے ساتھ آپ حضرات نے دامے درمے قدمے سخنے کہاں تک تعاون فرمایا؟

۱۷۔ اہل سنت و جماعت کی اکثر دینی درسگاہیں سوفی پڑتی جا رہی ہیں جبکہ دیوبندی حضرات کے مدارس دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ اہل حق کے مدرسوں کی ناکامی اور گمراہ گروں کے مدارس کی کامیابی کے اسباب و علل پر آپ حضرات نے کبھی غور فرمایا ہے؟

۱۸۔ کیا آپ حضرات نے کبھی سوچا ہے کہ اہل سنت و جماعت میں کامیاب مدرسوں کی کیوں قلت پڑی ہوئی ہے؟ یقیناً سوچا تو ہوگا لیکن اس ستم ظریفی کا علاج کیا تجویز فرمایا؟

۱۹۔ کیا درس نظامی کی کتابوں کو شائع کروانے کا آپ حضرات کی جانب سے کوئی اہتمام موجود ہے؟ اگر نہیں اور قطعاً نہیں تو یہ طرزِ عمل کسی دنیاوی فائدے کی غرض سے

اختیار کیا گیا ہے یا اس کے اندر اخروی نجات کا راز پنہاں ہے ؟

۲۰۔ درسِ نظامی سے فارغ ہونے والے اکثر وہ علمائے کرام ہوتے ہیں جو دوسری جانب مڈل پاس بھی نہیں ہوتے جب وہ راہنمائی کی مسندوں پر فائز ہو جاتے ہیں تو اُردو زبان کے لحاظ سے ان بزرگوں کی تقریر و تحریر کا معیار کیا ہو گا ؟ کیا سکولوں اور کالجوں کے تربیت یافتہ افراد ایسے علماء کی تقریروں اور تحریروں سے کوئی دلچسپی رکھیں گے ؟ اگر نہیں تو انھیں دوسروں کی طرف جانے پر کس نے مجبور کیا ؟ ان حضرات کی اس دینی و ایمانی موت میں کسی قدر آپ حضرات کا حصہ تو نہیں ہو گا ؟

۲۱۔ درسِ نظامی کی کتنی کتابیں ہیں جن پر بدمذہبوں کے نہیں بلکہ صرف آپ حضرات ہی کے حواشی ہیں اگر ایسی ایک بھی کتاب نہیں ہے تو جو حضرات آج آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیے ہوئے ہیں ان میں سے کتنے ہی حضرات کے دلوں میں ان کتابوں کے حواشی اور شروح لکھنے والے علماءِ سوء کی عقیدت پیدا ہو جائے گی یا نہیں ؟ ان کو گمراہوں کے عقیدت مند بنانے میں کسی قدر آپ حضرات کا حصہ بھی ہو گا یا نہیں ؟

۲۲۔ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ پاکستان کے لاہور جیسے عظیم اور اشاعتی شہر میں اہل سنت و جماعت کا ایک چھوٹا سا مکتبہ نوری کتب خانہ کے نام سے داتا دربار کے زیرِ سایہ ہوتا تھا جبکہ بدمذہبوں کے درجنوں مکتبے پورے ٹھاٹ باٹ سے چل رہے تھے۔ یہ آپ حضرات کی قناعت پسندی تھی یا اعلائے کلمۃ الحق سے لاتعلقی ؟۔

۲۳۔ اب لاہور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت و جماعت کے تیس پینتیس مکتبے پوری آن بان سے چل رہے ہیں۔ ان کے اجراء میں آپ حضرات کی

کوششوں کو یقیناً بڑا دخل ہوگا۔ واقعی یہی بات سبب ہے یا آپ حضرات کی صرف مستجاب دعائیں ہی ان لوگوں کے شاملِ حال ہیں اور باقی سب خیریت ہے۔

۲۴۔ گمراہ گروں نے تو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر کئی کتابیں ایسی لکھی ہوئی ہیں جو سیرت نگاری کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہیں جبکہ یقیناً انھوں نے اپنی ان کتابوں میں اپنے گمراہ کن خیالات و نظریات کو بھی داخل کر رکھا ہے۔ آپ حضرات نے اردو میں سرورِ کونین و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی سیرتِ مقدسہ پر کتنی ایسی کتابیں لکھی ہیں جو جدید تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہوں اور عوام الناس کو ان کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہوں جو گمراہ گروں نے اس میدان میں لکھی ہیں؟

۲۵۔ صحابہ کرام، تابعینِ عظام، آئمہ مجتہدین، آئمہ طریقت اور حضرات اولیاء اللہ سارے ہی ہمارے پیشوا اور رہنما ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات و کمالات پر آپ حضرات کی کتنی تصانیف ایسی ہیں جن کے مطالعہ سے ان بزرگوں کی عقیدت دلوں میں جاگزیں ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ کتابیں شایانِ شان ہونے کے ساتھ جدید طرزِ نگارش کے بھی مطابق ہوں؟

۲۶۔ پاکستان بنانے میں اہلِ سنت وجماعت کے علاوہ علماء و مشائخ کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ تحریکِ پاکستان میں سب سے زیادہ حصہ اہلِ سنت وجماعت کا ہے جو مسلمانوں کا سوادِ اعظم اور ناجی گروہ ہے۔ کیا اس ملک کا نظام چلانے والی حکومتیں آپ حضرات کی پاکیزہ ہدایات کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنا کر کام کرتی رہی ہیں؟

۲۷۔ مسلمان کہلانے والے جن علماء اور لیڈروں نے قیامِ پاکستان کے راستے میں ہندوؤں سے بھی بڑھ چڑھ کر روڑے اٹکائے تھے، انھیں آپ حضرات نے پاکستان میں سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیا یا آپ حضرات کی کیمیا اثر نگاہوں سے وہ اپنی

سابقہ کرتوت سے تائب ہو کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو چکے تھے ؟

۲۸۔ مخالفینِ پاکستان کی جماعتوں میں سے کسی فرد کو آپ حضرات سے خوف کھاتے ہوئے کوئی حکومت پاکستان کے اندر کلیدی آسامی پر نو فائز نہیں کرتی رہی ہو گی ؟

۲۹۔ ماضی قریب میں پاکستان کے اندر چند اہلِ قلم منظرِ عام پر آئے ہیں جن میں سے مخدومی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کو سرِ فہرست شمار کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً ان لوگوں کے کاموں کو دیکھ کر آپ حضرات کو بڑی خوشی ہوئی ہو گی! اس ناچیز کی یہ علمی بے مائیگی ہے کہ مجھے آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اہلِ سنت وجماعت کے ان بہی خواہوں کے ساتھ آپ حضرات کس طرح تعاون فرما رہے ہیں ؟

۳۰۔ سنہ ۱۹۸۰ء کے بعد ایسا مبارک وقت بھی آیا کہ اہلِ سنت وجماعت کی جانب سے حدیث کی اکثر کتابیں اردو ترجموں کے ساتھ چھپنے لگیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ احقر کے اردو ترجموں کے ساتھ حدیث کی پانچ کتابیں مارکیٹ میں پوری آن بان سے چل رہی ہیں۔ یعنی بخاری شریف، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، سنن ابوداؤد اور مؤطا امام مالک جبکہ آخری دونوں کتابوں پر اس ناچیز کے حواشی بھی ہیں۔ جب آپ حضرات میں سے کسی ایک نے بھی اپنے طور پر اس ناچیز کے لیے نہیں لکھا کہ تو نے یہ اچھا کیا ہے تو مجھے محسوس ہوا کہ آپ کو اس کام سے افسوس ہوا ہو گا اور یہ اقدام آپ حضرات کی مبارک طبعِ نازک پر گراں گزرا ہو گا ؟ کیا بات یہی ہے یا کچھ اور ؟

۳۱۔ احقر یہ تو کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ حضور والا! یہ کام آپ خود ہی کر لیتے تاکہ آپ کو افسوس نہ ہوتا کیونکہ آپ حضرات نے اپنے مقدس جسموں کے اندر جدوجہد کوشش کر کے اتنی اتنی مقدار میں پاکیزہ چربی جمع فرمائی ہے اسے ایسے کاموں میں لگ کر ضائع کر دینا آپ کے نزدیک کون سا سود مند سودا ہو گا مجھے اگر آپ لکھیں تو کتنی ہی تصانیفِ عالیہ

تو اردو میں پی ایچ ڈی کرنے والوں یا ایم اے اُردو حضرات سے معیار کی بلندی کے باعث پڑھی بھی نہیں جائیں گی کیونکہ ان کے لکھنے والے اگرچہ مڈل پاس نہ سہی لیکن پرائمری پاس ضرور ہوں گے۔

۲۲۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور کے نام سے ۱۹۶۸ء میں حکیم محمد موسیٰ امرت سری مدظلہ العالی نے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس نے چھوٹے چھوٹے تبلیغی رسائل کی صورت میں انیس ۱۹ سالوں میں اتنا تبلیغی و اشاعتی کام کیا جو آزادی کے بعد پاک و ہند میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس اپنے ہی عظیم تبلیغی اور قابلِ فخر ادارے کے ساتھ آپ حضرات نے کتنا تعاون فرمایا؟

۲۳۔ اس ادارے کے قائم کرنے اور چلانے والے علماء و مشائخ نہیں تھے جبکہ یہ ذمہ داری تو ان حضرات کی ہے جو علمی و روحانی مسندوں پر بیٹھ کر انبیائے کرام کی نیابت کا دم بھر رہے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے اس قسم کے کتنے تبلیغی و اشاعتی ادارے قائم کیے ہوئے ہیں؟ ان کے ناموں سے مطلع فرمایا جائے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ یہ حضرات اپنے فرض کو کہاں تک ادا کر رہے ہیں؟

۲۴۔ ۱۹۸۷ء کے شروع میں اپنے مذکورہ عظیم الشان ادارہ یعنی مرکزی مجلسِ رضا لاہور کو ختم کر دیا گیا ہے۔ سنا ہے کہ اس عظیم ادارے کو زندہ درگور کرنے والے علمی مسندوں پر براجمان ہو کر نیابتِ انبیاء کا فریضہ ادا کرنے والی ہستیاں ہیں۔ کیا مسلک کو نقصان پہنچانے کا ٹھیکہ بھی اب صاحبانِ جبہ و دستار ہی کو مل گیا ہے؟

۲۵۔ مودودی صاحب نے اپنے سحر کار قلم سے قوم کے ایک خاص طبقے کو اپنی جانب نہ صرف متوجہ کر لیا ہے بلکہ اتنا گرویدہ کر لیا ہے کہ مودودی صاحب کے مقابلے پر تو ان کے معتقدین کی نظر میں کوئی نبی بھی نہیں جچتا۔ امید ہے کہ مودودی صاحب کی جملہ کاوشوں کو آپ حضرات نے مسلمانوں کے سچے خیر خواہ بن کر زیرِ زمین

دفن کر دیا ہوگا۔؟

۳۶۔ قیام پاکستان کے وقت دیوبندی حضرات انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے لیکن ان چالیس سالوں میں اپنے بستر بند رضاکاروں کے ذریعے اہل سنت وجماعت کے اتنے افراد کو کلمہ ونماز کے بہانے سے اغوا کر کے وہابیت کی جھولی میں ڈال دیا ہے کہ اب وہ سوادِ اعظم ہونے کا دعویٰ بھی کرنے لگے ہیں۔ اہل سنت وجماعت پر گندم نما جو فروش مبلغین کے دن دہاڑے ڈاکوں کو دیکھ کر آپ حضرات نے اس ستم ظریفی کا کیا سدّباب کیا ہے؟

۳۷۔ پوری دنیا کے اندر اوقاف صرف اہل سنت وجماعت کا ہے تمام پرانی اور بڑی بڑی مسجدیں تو صرف سنیوں کی ہیں کیونکہ دوسرے فرقوں کا انگریزوں سے پہلے اس ملک میں وجود بھی نہیں تھا۔ پاکستان میں اوقاف صرف اہل سنت کے سپرد ہونا چاہیے کیونکہ مزارات صرف سنی بزرگوں کے ہیں۔ دوسرے فرقوں میں نہ آج تک کوئی ولی ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے مگر حضرات کی چند مساجد کو ساتھ ملا کر مشترکہ اوقاف بنا دیا اور پھر اس پر اولیاء اللہ کے دشمن یعنی وہابیوں کو قابض کرنا یہ جملہ حکومتوں کی پالیسی رہی ہے۔ کیا اس ستم ظریفی کو دیکھ کر آپ نے کسی حکومت کو یہ غلط رویہ اختیار کرنے سے روکا ہے؟

۳۸۔ سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے بچوں کو گمراہ بنانے کی خاطر نصابی کتب میں دین وملت کے بدخواہوں کو مسلمانانِ پاک وہند کے دینی راہنما بنایا گیا ہے اور حقیقی راہنماؤں کا پہلی جماعت سے لے کر ایم۔اے تک کہیں ذکر نہیں کیا۔ کیا آپ نے قلم فروشوں اور ملک وملت کے بدخواہوں کی اس ستم ظریفی کے خلاف کبھی کوئی مؤثر صدائے احتجاج بلند فرمائی؟

۳۹۔ مملکت خداداد پاکستان کو اسلامی خطوط پر چلانے کی خاطر کیا آپ حضرات نے

ان چالیس سالوں میں کوئی مشترکہ پروگرام بنایا؟ اگر نہیں تو کیوں؟

۴۰۔ اپنے بزرگوں کے بے شمار قلمی مسودات ہیں جو محض بعض لائبریریوں کی زینت تو بنے ہوئے ہیں لیکن زیورِ طباعت سے صدیاں گزرنے پر بھی آراستہ نہیں ہو سکے۔ اسی طرح چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی کتنی ہی کتابیں اور فتاویٰ رضویہ کی چھ جلدیں ہیں جو تا حال طبع نہیں ہو سکیں۔ کیا اس سلسلے میں آپ حضرات کے تساہل کا نوحہ نہیں ہے؟

۴۱۔ آپ کے بزرگوں یعنی آپ حضرات کے اساتذہ کرام و مشائخ عظام جنہوں نے آپ کو اس بلند و بالا مقام تک پہنچایا اور علمی و روحانی مسندوں پر اپنی جگہ بٹھایا تھا یا ان بزرگوں کی جگہ پر آپ کو بیٹھنا پڑ ہی گیا ہے تو ان حضرات نے سرمایۂ ملت کی نگہبانی کا فریضہ بخیر و خوبی ادا کیا تھا۔ گمراہ گروں کو کسی بھی میدان میں سر نہیں اٹھانے دیا تھا۔ برٹش گورنمنٹ کے اقتدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور ہندوؤں کی اسلام دشمنی پر مبنی تمام چال بازیوں کا مردانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ آپ حضرات نے اپنے ان بزرگوں اور محسنوں کے کارنامے کو طاقِ نسیان کی زینت کیوں بنایا ہوا ہے؟ بزرگو!

ایسا نہ ہو یہ درد بنے دردِ لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

قیامِ پاکستان سے پہلے جو علمائے کرام اور مشائخ عظام علمی و روحانی مسندوں پر جلوہ افروز تھے۔ ان کی کارکردگی کسی کے نزدیک بہت عمدہ نہ سہی لیکن تسلی بخش اور رجحان دار ضرور تھی۔ ان بزرگوں کی اپنے وقت کے حالات پر پوری نظر تھی ان کا ہاتھ ہر وقت نبضِ وقت کی رفتار پر رہتا تھا وہ ہوا کے رخ کو پہچانتے تھے اسی لیے باطل کو

انھوں نے اس طرح دبوچا ہوا تھا کہ سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ باطل جدھر سے سر اٹھانے کی کوشش کرتا تو اسے نظر آتا کہ ادھر بھی اہلِ حق نے پہرہ بٹھا رکھا ہے۔ اگر ہم نے ذرا بھی سر اٹھایا تو سر سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ وہ ایسا وقت تھا کہ عوام کی اکثریت کو حق و باطل کے چہروں میں نمایاں اور واضح فرق نظر آتا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان قائم ہو گیا تو معلوم نہیں آپ حضرات کو کس بے رحم کی نظر لگ گئی۔ عقل کام نہیں کرتی کہ اسے کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز قرار دیا جائے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ حضرات بے دینوں، گمراہوں اور ملک و ملت کے دشمنوں کے لیے میدان کو خالی چھوڑ کر کیوں لمبی تان کر سو گئے؟ معلوم نہیں یوں خوابِ خرگوش کے مزے لینے میں آپ حضرات نے دارین کی کون سی بھلائی شمار فرمائی؟ ملت اسلامیہ کی بھولی بھالی بھیڑوں کی گلہ بانی سے آپ کیوں اکتا گئے؟

شیطان بھلا ایسے موقع کو کب ہاتھ سے جانے دیتا ہے اس نے اپنے نائبوں کو خبردار کیا کہ انبیائے کرام کے نائب تو سوئے پڑے ہیں لہٰذا تم ایسے میں جتنا ہو سکے زیادہ سے زیادہ کام کر دکھاؤ۔ چنانچہ لصوصِ دین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پوری طرح منظم ہو کر دین و دنیا کے ہر شعبے پر چھا گئے۔ انھوں نے اتنا کام کیا کہ حق و باطل کو غتر بود کر کے رکھ دیا۔ رہبروں اور راہزنوں کی تفریق کو یہاں تک مشکوک کر دیا کہ وہ برملا رہبروں کو راہزن اور رہزنوں کو رہنما کہنے لگے۔ یہی وہ صورتِ حال تھی جس پر یہ ناچیز ۱۹۷۶ء میں بلبلایا تھا اور آج بھی اسی طرح یوں نوحہ کناں ہے۔

صاحبانِ علم و عرفاں مصلحت کا ہیں شکار
حفظِ دیں کا اب دلوں سے حوصلہ جاتا رہا
آج وہ نغمے کہاں ہیں دلنواز و دلنشیں
بلبلیں سب اڑ گئی ہیں چہچہا جاتا رہا

مسندِ ارشاد پر کتنے ہی خائن اب بھی ہیں
شیخ سرہندی کا لیکن ولولہ جاتا رہا
کامیاب اپنے مشن میں ہو گئے تخریب کار
وائے اِک اِک نائبِ احمد رضاؔ جاتا رہا
یاالٰہی کلکِ اخترؔ کو بنا کلکِ رضاؔ
دشمنانِ دیں نہ یہ سمجھیں رضاؔ جاتا رہا

حضور والا! حق وصداقت کے محافظوں کا تساہل ہر صاحبِ نظر اور دین وملت کے بہی خواہ کو میری طرح ہی تڑپا رہا ہوگا۔ ہر ایک کی یقیناً یہی خواہش ہوگی کہ یہاں مدینہ طیبہ کی بلبلوں کے دل نواز و دل نشیں نغمے فردوسِ گوش ہوتے رہیں۔ مدتوں سے جو زاغ و بوم کی دلخراش آوازیں کانوں میں پہنچ رہی ہیں۔ کیا یہ دین وملت کے خیر خواہوں کو خون کے آنسو رونے پر مجبور نہیں کر رہی ہیں؟ افسوس!

؎ ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

لیکچر بازی کے میدان میں تو آپ حضرات کی کارگزاری دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے خواہ اس کا نتیجہ مثبت برآمد ہو یا منفی۔ لیکن باقی میدانوں میں آپ قصداً یا سہواً انتہائی قناعت سے کام لے رہے ہیں۔ کاش! آپ حضرات میں سے کوئی ایسا مردِ میداں بھی نکل آئے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مردِ حق آگاہ کی طرح مسندِ ارشاد کی لاج رکھے۔ اگر یہ نہیں تو امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح علمی مسند اور دار الافتاء کی ذمہ داریاں نبھانے کی خاطر صورتِ حال کا پوری طرح جائزہ لے کر ایک جانب اپنی قلم کاری سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھائے تو دوسری جانب نقاب پوش رہزنوں کو بے نقاب کرنے کی خاطر یہ کہتا ہوا میدان میں کود پڑے۔

سے اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں، لَآ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ

حضور والا! کام کرنے سے بات بنتی ہے۔ کام کرنے والے ہمیشہ بازی لے جاتے ہیں اور جو حضرات صرف باتیں ہی بنانا جانتے ہیں وہ بغلیں جھانکتے ہی رہ جاتے ہیں۔ دوسرے اسی لیے تو کامیاب ہو گئے کہ آپ لمبی تان کر سوئے ہوئے تھے اور وہ شب و روز کام کر رہے تھے اور منظم ہو کر ہر میدان میں کام کر رہے تھے۔ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ آپ حضرات کسی میدان میں بھی کام کرنے کے لیے آج تک منظم نہیں ہو سکے۔ خدارا! اب جاگ اٹھیے، منظم ہو کر کام کرنے کا پروگرام بنائیے، بہت کچھ گنوا لیا ہے اب نہ گنوائیے۔ بہت کچھ کھو دیا ہے اب کھونے سے رک جائیے۔ خالق سے ڈریئے اور مخلوق سے شرمائیے۔ مردانہ وار اعلائے کلمۃ الحق کا کام کیجیے یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی کیونکہ خدا کی مدد آپ کے شاملِ حال ہوگی۔ لیکن جناب پھر سن لیجیے کہ باتیں بنانے اور خیالی پلاؤ پکانے سے کچھ نہیں بنے گا۔ بات بنے گی تو کام کرنے سے بنے گی۔

سے زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

اگر مذکورہ سطور کے اندر کوئی ایسی بات لکھ گیا ہوں جو ہمارے موجودہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کی شان کے شایان نہ ہو تو میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان حضرات کی بارگاہ میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا مقصد تو صرف یہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنا فرض پہچاننا چاہیے اور اگر کسی جانب سے اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی کوتاہی سرزد ہو رہی ہو تو وہ اپنے فرض کو فوراً ادا کرے کیونکہ عمر ناپائیدار کا آخر اعتبار ہی کیا ہے ایسا نہ ہو کہ جب اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف ہم جانے لگیں تو

مہلت ختم ہونے پر ہمیں اپنی کوتاہیوں کا علم ہو۔ تلافی کا وقت آج ہے کیونکہ معلوم نہیں کل کون ہوگا اور کون اس دنیائے فانی میں نہیں ہوگا۔ دوسرے آج کا کام کل پر چھوڑنا دانش مندی بھی نہیں ہے۔

اگر اس مقالے کے اندر کوئی کام کی بات لکھ سکا ہوں تو وہ میرے ولی نعمت مرشدِ برحق، سابق مفتیٔ اعظم دہلی، حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) کی نگاہِ لطف و کرم کا کرشمہ ہے جبکہ جملہ غلطیاں اور خامیاں میری نااہلی اور علمی بے مائیگی کے باعث ہیں۔ قارئین کرام ناشر کی معرفت غلطیوں سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ خدائے ذوالمنن اپنے حقیر بندے کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اسے میرے لیے کفارۂ سیئات، توشہ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

گدائے درِ اولیاء: عبد الحکیم خاں اختر

مجددی، مظہری، شاہجہان پوری

لاہور

۲۸ رجمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

مطابق ۲۶ رجنوری ۱۹۹۰ء

جمعۃ المبارک

(۲۸۹)

فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں جو لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے تو یہ اس معاملے کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے کے باعث لکھا اور بعض معارف جو توحید وجودی کے بارے میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ عدم اطلاع کے باعث لکھے گئے۔ جب معاملے کی اصل حقیقت سے فقیر کو مطلع فرمایا گیا جو کچھ ابتداء وا وسط میں لکھا اور کہا تھا اس سے نادم ہوا اور توبہ کی[۱]

(۲۹۰)

مقبول بندہ وہ ہے جو اپنے مولیٰ کی رضا پر راضی رہے۔ جو اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے۔ بندے کو چاہیے کہ مالک اگر اس کے گلے پر چھری چلائے تو شاداں و فرحاں رہے اور مالک کے اس فعل کو اپنی مرضی بنا لے۔ اگر معاذ اللہ اس فعل کی جانب سے کراہت پیدا ہوئی یا دل نے تنگی محسوس کی تو یہ آئین بندگی کے خلاف اور راندۂ درگاہِ مولیٰ ہونا ہے[۲]

(۲۹۱)

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنے کو غنیمت جانتا ہوں اور اس مدت کی ایک ساعت کو دوسری بہت سی ساعتوں سے بہتر دیکھتا ہوں۔ یہاں وہ کچھ میسر ہے جو دوسری جگہوں میں متصور نہیں کہ اس کی مثال میسر آ سکے۔ اس جگہ کے علوم و معارف جدا ہیں اور یہاں کے احوال و مقامات نرالے ہیں۔ سلطان کی جانب سے پابندی کو اپنے مالک کی کمال مہربانی اور رضامندی کا دریچہ سمجھتا ہوں اور اس قید میں اپنی

۱؎ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی : دفتر اول، مکتوب ۲۶۰

۲؎ 〃 〃 〃 دفتر دوم، مکتوب ۸۸

تصانیف حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہٗ

سُنّی بہشتی زیور (اوّل تا نہم)

سبع سنابل اردو

ہماری نماز

فیصلہ ہفت مسئلہ (توضیحات تشریحات)

حکایاتِ رضویہ

روشنی کی طرف

ہمارا اسلام مکمل نو حصے

الصّلوٰۃ (مجلد)

تفسیر سورۂ نور (چادر اور چار دیواری)

نورٌ علیٰ نور

دس عقیدے

عقائدِ اسلام

فرید بُک سٹال
۳۸- اُردو بازار لاہور